

# مجھے راستہ مل گیا

تالیف

ڈاکٹر محمد التیجانی السماوی (تیرس)

ترجمہ و تقدیم

حُجَّةُ الْإِسْلَامِ عَلَّامَةُ السَّيِّدِ دِيْشَانُ حَيْدَرُ حَوَارِي

پیش کش

عالمی اہل البیت (ع) اسلامی رابطہ

سکرٹری جنرل آفس۔ نجفی ہاؤس۔ ۱۵۹، نشان پارہ روڈ، ممبئی (ہندوستان)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُمَّ كُنْ لَوْلِيَّكَ الْحَجَّ بْنَ الْحَسَنِ صَلَوَاتُكَ  
عَلَيْهِ عَلَى آبَائِهِ فِي هَذِهِ السَّاعَةِ وَفِي كُلِّ سَاعَةٍ  
وَلِيًّا وَحَافِظًا وَقَائِدًا وَنَاصِرًا وَدَلِيلًا وَعَيْنًا حَتَّى  
تُسَكِّنَ أَرْضَكَ طَوْعًا وَمُنْعَةً فِيهَا طَوِيلًا.

World Ahlul-Bayt (A.S.)  
Islamic League  
(WABIL)

شیعہ علماء، مفکرین اور دانشوروں کا  
وایل عالمی ادارہ ہے۔ یہ ادارہ محبان آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ  
کے لئے خاص طور سے اور عام طور سے تمام مسلمانوں کی ترقی اور  
سر بلندی کے لئے متعدد دینی، تعلیمی، سماجی، اور اجتماعی خدمات  
انجام دے رہا ہے۔

Head Office :

13-14, EDGELEY ROAD, LONDON, S.W. 4, 6EH, U.K.

Tel. : (01) 627 2230 - 627 0709 - 627 0734

Tlx. : 8951182 GECOMS G

Office of the Secretary General :

NAJAFI HOUSE,  
159, NISHANPARA ROAD,  
BOMBAY - 400 009  
INDIA.

Tel. : 872 03 50 - 851 32 99.

Tlx. : 73448 EMAN IN.

FAX : 8518655



It's  
a  
**WABIL**  
presentation

اس کتاب میں

پرٹھے

ایک انسان مختلف مذاہب کے طوفانوں کے درمیان جہاں ہر شخص اپنے بارے میں حقانیت کا دعوے دار ہے۔ کس طرح تحقیق حق کے مراحل طے کرتا ہے؟ اس اعتماد کے ساتھ کہ رب العالمین کے نزدیک حق صرف ایک ہے جسمیں کسی تعداد اور اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ اور حق کے بعد گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اس کتاب میں اس سوال کا جواب تلاش کیا گیا ہے کہ مذہب حق کیا ہے؟ اور مصنف نے پورے صدقِ عمل اور صدقِ نیت کیساتھ تحقیق حق کا فرض ادا کیا ہے۔ ناظرین کرام کا بھی فرض ہے کہ اس کتاب کا خلوص نیت کیساتھ مطالعہ کریں اور اُن دلائل و براہین پر غور کریں جو حق کی وضاحت اور مذکورہ سوال کے جواب کے لئے بہترین ذخیرہ ہے۔

رب العالمین راہِ حق کی ہدایت کرنے والا اور توفیق دینے والا ہے۔



مجھے راستہ مل گیا

ڈاکٹر سید محمد تاجان سماوی

حجۃ الاسلام علامہ سید ذیشان حیدر جوادی

عالمی اہل البیتؑ اسلامی رابطہ

سکرٹری جنرل آفس

نجفی ہاؤس

۱۵۹ انشان پاڑہ روڈ

ممبئی ۹ (ہندوستان)

دو ہزار (۲۰۰۰)

۱۹۹۰ء

بار اول

نام کتاب:

مصنف:

ترجمہ و تقدیم:

ناشر:

تعداد:

سنہ اشاعت:

طباعت:

## گفتار مترجم

تقریباً دو ماہ قبیل مہینے کے ایک سفر کے دوران حجۃ الاسلام السید محمد الموسوی کام مجدہ سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے ایک کتاب کا ذکر کیا جس کا ذکر اس سے پہلے میں نے نہیں سنا تھا۔ اس کتاب کا نام تھا ”شم اہدیت“ اور اس کے مصنف تھے علامہ محمد تہجانی سہادی“ تیونس۔

قبلہ محترم نے کتاب کی تعریف کرتے ہوئے اس کے ترجمہ کی ضرورت پر روشنی ڈالی اور حسب روایت یہ کام میرے حوالے کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ میں نے بھی حسب عادت طے کر لیا کہ پہلے کتاب کا مکمل مطالعہ کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد ترجمہ کے بارے میں طے کیا جائے گا۔ چنانچہ میں نے پہلی فرصت میں اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور دو جہتوں سے اس کے ترجمہ کے لئے تیار ہو گیا۔

ایک تو یہ کہ مصنف محترم نے ایک قدیم ترین موضوع پر بالکل جدید ترین انداز سے بحث کی ہے اور تشیع و تسنن کی بحث کو بالکل انوکھے انداز سے پیش کیا ہے۔ عام طور سے اس موضوع کو مسئلہ خلافت سے شروع کیا جاتا ہے اور ساری بحثیں خلافت و امامت سے متعلق ہوتی ہیں لیکن مولف محترم نے اس بحث کو مسئلہ صحابیت سے وابستہ کیا ہے کہ تشیع کے خلاف دور حاضر میں سارا پر دہ پگینڈہ ”سب صحابہ“ ہی کے نام سے ہو رہا ہے اور اسی بنیاد پر شیوخ حضرات کی تکفیر کی جا رہی ہے۔ اگرچہ یہ بات انتہائی حیرت انگیز ہے کہ آج شیوخ حضرات کو ”سب صحابہ“ کے مزعموہ مدفوضہ جرم کی بنا پر کافر قرار دیا جا رہا ہے اور کل ۶۰ سال تک

مسلل ”سب علم“ کے آفاقی جرم کو ایر شام اور خال المؤمنین کے لقب سے نوازا جا رہا تھا۔ مؤلف نے ابتداء صحابیت کے بارے میں شیعہ اور سنی نقطہ نگاہ کا صحیح ترین تجزیہ کیا ہے اور اسکے بعد صحابیت کی طرف سے اٹھنے والے فتنوں کا جائزہ لیا ہے۔

دوسرے مرحلہ پر صحاح ستہ کا اتنا دقیق مطالعہ پیش کیا ہے کہ کتاب دیکھنے والا حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ کیا واقعاً یہ تمام مطالب صحیح بخاری اور مسلم جیسی مستند اور معتبر کتابوں میں موجود ہیں اور اگر ہیں تو علماء اسلام ان حقائق سے کس طرح غافل رہے ہیں اور انھیں کس جذبہ نے اس تغافل کا شکار بنا دیا ہے۔

میں نے اس خاص موضوع پر بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور اس کتاب کو بھی بار بار دیکھا ہے جسے مؤلف نے اپنی بحث کی احساس اور بنیاد قرار دیا ہے یعنی ”المراجعات“ علامہ سید شرف الدین الموسوی۔ لیکن میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ مؤلف نے بعض ایسے گوشوں کی طرف اشارے کئے ہیں جن کی طرف اس انداز سے اشارے نہیں کئے گئے تھے۔ اور اس طرح حقیقت کو صاف اور سادہ ذہن سے قریب تر بنانے کا حق ادا کر دیا ہے۔

ترجمہ کا دوسرا محرک یہ بھی تھا کہ مؤلف محترم میرے دو عظیم ترین اساتذہ آیت اللہ العظمی السید ابوالقاسم الخونی رام نکلہ اور شہید فاس آیت اللہ السید محمد باقر الصدر رطاب نراہ کے شاگرد ہیں اور انھوں نے یہ سارے کمالات اسی مکتب فکر سے حاصل کئے ہیں جس کے سایہ ہرمت میں زندگی کا ایک بڑا حصہ گزارنے کا شرف مجھے حاصل ہوا ہے۔

میں نے سرکار الشہید الصدر کی تقریباً تمام کتابوں کا ترجمہ کیا ہے لہذا میل دل چاہتا تھا کہ ان کے بالواسطہ افادات کو بھی میں ہی افراد قوم کے سامنے پیش کروں۔ اگرچہ میری مصروفیات اب کسی تفصیلی تحریر کی اجازت نہیں دیتی ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ مسلسل سفر کے باوجود میں اپنے وعدہ کے مطابق مختصر سے وقت میں کام مکمل کر لینے میں کامیاب ہو گیا

# فہرست مضامین

۸	مقدمہ
۱۲	مختصر داستانِ حیات
۱۴	حَجَّ بَيْتِ اللّٰهِ الْحَرَامِ
۲۴	توفیق آمیز سفر
۲۴	مصر
۲۷	بحری جہاز کی ملاقات
۳۵	عراق کی پہلی زیارت
۳۷	عبد القادر جیلانی اور حضرت موسیٰ کاظمؑ
۴۵	شک و سوال
۵۱	سفر نجف اشرف
۵۲	علماء سے ملاقات
۶۳	السید محمد باقر الصدر سے ایک ملاقات
۷۲	شک و حیرت
۸۱	سفر حجاز
۹۶	تحقیق کا آغاز
۹۹	عمیق تحقیقات کی ابتدا

## صحابہ کے بارے میں شیعہ اور سُنی نقطہ نظر

۱۰۵	صحابہ اور صلح حدیبیہ
۱۰۹	صحابہ اور حادثہ روز پنجشنبہ

اور اپنے لئے ایک اور وسیلہ نجات فراہم کر لیا۔

ترجمہ لفظی ترجمہ نہیں ہے بلکہ مفاہیم کو قاری کے ذہن تک منتقل کرنے کی ایک کوشش ہے اور پھر ہر قسم کی تحریف و ترمیم سے احتراز کرنے کی سعی بھی کی گئی ہے۔

کتابت و طباعت کے مرحلہ پر حوالوں کے صفحات و جلدات میں کوئی فرق آجائے تو قارئین محترم بدگمان ہونے کے بجائے صحیح صفحات تلاش کر لیں۔ اور یہ یقین رکھیں کہ کوئی حوالہ بنیاد اور غلط نہیں ہے کہ ایسی عظیم بحثوں تک پہنچنے کے لئے اس قدر خلوص نیت اور حسن ظن بہر حال ضروری ہے۔

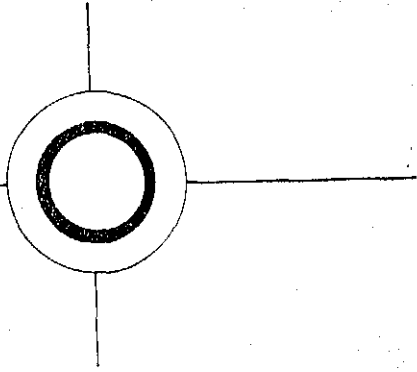
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی

السید ذیشان حیدر جوادی

- ۱۹۹ \_\_\_\_\_ حدیث منزلت
- ۱۹۹ \_\_\_\_\_ حدیث من کنث مولاہ
- ۲۰۰ \_\_\_\_\_ حدیث علی منی وانا من علی
- ۲۰۱ \_\_\_\_\_ حدیث الدار یوم الاذکار

### ● احادیث صحیحہ میں اتباع اہلبیتؑ

- ۲۰۲ \_\_\_\_\_ حدیث ثقلین
- ۲۱۷ \_\_\_\_\_ حدیث سفینہ
- ۲۲۰ \_\_\_\_\_ حدیث من سرّہ ان یحییٰ حیاتی
- ۲۲۲ \_\_\_\_\_ ہماری مصیبت اجتناب در مقابل نص
- ۲۳۵ \_\_\_\_\_ دعوت احباب
- ۲۴۱ \_\_\_\_\_ ہدایت حق
- ۲۵۴ \_\_\_\_\_ مصادر



- ۱۱۵ \_\_\_\_\_ صحابہ اور لشکر اسامہ
- ۱۳۲ \_\_\_\_\_ صحابہ کے بارے میں قرآنی فیصلہ
- ۱۳۳ \_\_\_\_\_ آیت انقلاب
- ۱۳۵ \_\_\_\_\_ آیت جہاد
- ۱۳۷ \_\_\_\_\_ آیت خشوع

### ● صحابہ کے بارے میں رسول اکرمؐ کا نظریہ

- ۱۳۹ \_\_\_\_\_ حدیث حوض
- ۱۴۰ \_\_\_\_\_ حدیث تنافس علی الدنیا

### ● صحابہ صحابہ کی نظر میں

- ۱۴۲ \_\_\_\_\_ صحابہ کا اپنے بارے میں اعتراف
- ۱۴۶ \_\_\_\_\_ صحابہ نے نماز کو بھی بدل ڈالا
- ۱۴۷ \_\_\_\_\_ صحابہ خود اپنے خلاف
- ۱۴۸ \_\_\_\_\_ شیخین کی شہادت خود اپنے خلاف
- ۱۶۵ \_\_\_\_\_ آغاز انقلاب
- ۱۶۶ \_\_\_\_\_ ایک عالم کے ساتھ گفتگو

### ● اسباب تشیع

- ۱۸۲ \_\_\_\_\_ نص سبب خلافت
- ۱۸۶ \_\_\_\_\_ اختلاف حضرت فاطمہؑ والبوبکر
- ۱۸۹ \_\_\_\_\_ علیؑ اولیٰ بالاتباع ہیں
- ۱۹۶ \_\_\_\_\_ علیؑ کے بارے میں احادیث (حدیث مدینۃ العلم)

# مقدمہ

ساری تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے جس نے انسان کو خواص  
مٹی سے پیدا کر کے احسن تقویم میں قرار دیا ہے اور اسے تمام مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔ ملائکہ  
مقربین کو اسکے لئے سز سجدہ بنا دیا ہے اور اس کو اس عقل سے بھی نوازا ہے جو شک کو یقین میں  
تبدیل کر دیتی ہے۔ اس کے بعد دو آنکھیں، ایک زبان اور ہونٹ عطا کر کے نیک و بد کی ہدایت  
بھی دیدی ہے پھر ہدایت کے لئے ان رسولوں کو بھی بھیجا ہے جو ثواب کی بشارت دینے والے  
اور عذاب سے ڈرانے والے تھے تاکہ انسان کو ہوشیار کریں اور ابلیس لعین کی گراہیوں سے  
محفوظ رکھیں۔ اس کے بعد انسان سے عہد لیا کہ وہ شیطان کی عبادت نہ کرے کہ وہ ان کا کھلا  
ہوادشمن ہے اور خدا کے وحدہ لا شریک کی عبادت کرے اور صراط مستقیم کا بصیرت و ایقان  
اور علم و ایقان کے ساتھ اتباع کرتا رہے۔ عقیدہ کے مسئلہ میں اپنے اصحاب اقرباء اور آباء  
واجداد کی تقلید نہ کرے جنہوں نے اس سے پہلے دلیل و برہان کے بغیر اپنے بزرگوں کا اتباع  
کیا ہے۔ وہ بہترین بات یہ ہے کہ انسان اللہ کی طرف دعوت دے نیک عمل کرے اور  
یہ کہے کہ میں اللہ کے اطاعت گزار بندوں میں ہوں۔ اس کے بعد صلوٰۃ و سلام تحیات و  
برکات اس رسول کے لئے ہیں جو عالمین کیلئے رحمت و مظلومین و محرومین کے لئے مددگار  
و شریعت کے لئے جاہلوں کی ضلالت سے نکال کر مومنین صحابین کی ہدایت کی طرف لے جانے  
والا بنا کر بھیجا گیا ہے یعنی سید و سردار حضرت محمد بن عبد اللہ جو اسلام کے نبی اور  
سربراہوں کے سربراہ تھے۔ اور ان کی آل طیبین و طاہرین پر جنہیں خدا نے تمام مخلوقات  
میں منتخب قرار دیا ہے تاکہ مومنین کے لئے نمونہ عارفین کے لئے مینارہ ہدایت اور صادقین  
نشان منزل ثابت ہوں۔ انہیں رحمت سے محفوظ اور معصوم بنانے کے بعد ان کی مودت کو  
قرآن کریم میں واجب قرار دیا ہے اور ان کے سفینہ پر سوار ہونے والوں سے نجات

میری شہرت سا شہر تک پھیل چکی ہے۔ ماہ رمضان کی ان راتوں نے میری زندگی  
برایسی دینی چھاپ لگادی کہ اس کے آثار آج تک باقی ہیں اس طرح کہ میرے لئے  
جب بھی ساکلی شہر ہو جاتے ہیں میں ایک یومی قوت کا احساس کرتا ہوں جو مجھے صحیح راہ  
کی طرف لے جاتی ہے اور میں جب بھی شخصیت کے ضعف اور زندگی کی بے وقتی کا احساس  
کرتا ہوں تو وہ یادیں مجھے روحانیت کے اعلیٰ درجات کی طرف لے جاتی ہیں اور میرے ضمیر  
میں وہ ایمان کا شعلہ بھڑک اڑتی ہے حج ہر ذمہ داری سفینہ ماننے کے قابل بنا سکے۔

کسمنی میں امامت جماعت کی ذمہ داری جو میرے والد اور میرے استاد نے میرے  
حوالہ کی تھی اس نے مجھے مشہور مستقل دیا کہ میں اس سطح پر پہنچنے سے قاصر ہوں جسے  
میں نگاہ میں رکھے ہوں یا جس کا لوگ مجھ سے مطالبہ کر رہے ہیں اس لئے میں نے اپنے  
پچھنے اور شباب کا زمانہ نسبتاً استقامت کے ساتھ گزارا ہے جہاں اکثر اوقات ہر ات  
حب اطلاع اور تعلیم کا دور دورہ تھا۔ عنایت البیہ نے مجھے اس قابل بنا دیا تھا کہ میں  
اپنے تمام بھائیوں میں سکون اور سنجیدگی کے اعتبار سے ممتاز ہو جاؤں اور میرے قدم  
معاہی اور ہلکات میں پھسلنے نہ پائیں۔ میں اس بات کو نہیں بھول سکتا کہ میری والدہ  
کا بھی میری زندگی میں بہت بڑا اثر ہے۔ میں نے جب آنکھیں کھولیں تو انہوں نے مجھے  
قرآن کریم کے چھوٹے سوردوں کی تعلیم دی۔ نماز و طہارت سکھائی اور میری تربیت پر  
خصوصی توجہ دی اس لئے کہ میں ان کا پہلا فرزند تھا اور وہ یہ دیکھ رہی تھیں کہ ان کے پہلو  
میں اسی گھر میں ان کی وہ سوت بھی تھی جو ان سے برسوں پہلے سے موجود تھیں اور اس کی اولاد  
تقریباً ان کی ہم سن تھی۔ تو میری ماں کو میری تعلیم و تربیت سے سکون ملتا تھا۔ اور وہ گویا  
اس طرح اپنی سوت اور اپنے شوہر کی دوسری اولاد سے مقابلہ میں مصروف رہتی تھیں۔

میرے نام میں یہ تیجانی جو میری والدہ نے قرار دیا ہے یسما دی خاندان میں ایک خاص اہمیت  
رکھتا ہے۔ جس نے طریقہ تیجانی کو اس وقت سے لگا کر رکھا ہے جب شیخ احمد تیجانی کی اولاد

ہیں جیسا کہ خود ایک مختصر شہر میں بھی اتنے شعبے پائے جاتے ہیں۔ تیجانیہ قادر یہ رحمانیہ سلامیہ، عیسائیہ اور انہیں سے ہر طریقہ کے انصار و اقباع میں جو ان کے قصائد و اذکار و اوراد کو حفظ کرتے ہیں جن کو مختلف اجتماعات اور شب بیداریوں میں عقد زوارانہ سنتے یا کامیابی یا نذر کی مناسبت سے پیش کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس کے بعض نقصانات بھی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان طریقوں نے شعائر دین اور احترام اولیاء و صالحین کے تحفظ میں بڑا کارناما انجام دیا ہے۔

میں سے کسی نے جزائر کی واپسی میں شہر قفصیہ قیام کیا تھا اور سماں گھرانے کو اپنی منزل بنایا تھا اس زمانہ میں بہت سے اہل شہر خصوصاً علمی اور مالدار گھرانوں نے اس صوفی طریقہ کو اپنایا تھا۔ اور اس کی ترویج میں مصروف تھے۔ اور چونکہ میرا نام تیجانی تھا لہذا میں سماوی گھرانے میں بہت محبوب ہو گیا۔ جہاں بیس سے زیادہ خاندان آباد تھے اور اس سے باہر بھی تیجانی طریقہ سے تعلق رکھنے والوں میں میری محبوبیت بڑھتی گئی اور اسی لئے اکثر بزرگ سازی جو ماہ رمضان کی راتوں میں حاضر ہوتے تھے میرے سر اور ہاتھ کے بوسے لیتے تھے اور میرے والد کو یہ کہہ کر مبارکباد پیش کرتے تھے کہ یہ سب شیخ احمد تیجانی کے برکات کا فیض ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ طریقہ تیجانیہ، مغرب، جزائر، تیونس، لیبیا، سوڈان اور مصر میں بکثرت منتشر ہوا۔ اور اس طریقہ کو کھلے کھانے والے کسی نہ کسی مقدار میں متعصب بھی ہوتے ہیں اور اسی لئے مقامات اولیاء کی زیارت نہیں کرتے ہیں اور ان کا اعتقاد یہ ہے کہ تمام اولیاء نے تسلسل کے ساتھ ایک دوسرے سے علم لیا ہے۔ لیکن شیخ احمد تیجانی نے براہ راست اپنا علم رسول اللہ سے لیا ہے۔ حالانکہ وہ زمانہ رسالت سے تیرہ صدی پیچھے تھے اور ان لوگوں کی روایت یہ ہے کہ شیخ احمد تیجانی خود بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ کے پاس حالت بیداری میں تشریف لاتے تھے نہ کہ خواب میں۔ جس طرح یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کے شیخ کی مرتب کی ہوئی نماز چالیس دن کے ختم قرآن سے بہتر ہے۔ ہم اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے تیجانیہ کے اسی مقدار میں تعارف پر اکتفا کرتے ہیں اور انشہ آئندہ کسی دوسرے مقام پر قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کریں گے۔

میں شہر کے دوسرے نوجوانوں کی طرح اسی اعتقاد بڑا در بڑھا کہ ہم سب کے سب بحمد اللہ مسلمان اور اہلسنت والجماعت ہیں۔ ہم سب کا مسلک امام مدینہ حضرت مالک بن انس کا مذہب سے ہر ادب بات ہے کہ ہم صوفی طریقوں میں مختلف حصوں میں بٹے ہوئے



## میری جیات کے مختصر اشارے

مجھے آج تک یاد ہے کہ بچپن میں میرے والد محترم مجھے کس طرح علاقہ کی مسجد کی طرف لے گئے تھے جہاں ماہ رمضان میں نماز تراویح پڑھانی جاتی تھی جبکہ میری عمر صرف دس سال تھی۔ اور مجھے نمازیوں پر مقدم کر دیا گیا تھا جس امر پر میں اپنے توجہ کو پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ میں یہ جانتا تھا کہ میرے معلم قرآن نے تمام امور کو مرتب کر لیا تھا کہ میں جماعت کے ساتھ دو یا تین راتیں نماز تراویح پڑھاؤں ورنہ میں عادتاً علاقہ کے بچوں کے ساتھ جماعت کے پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا اور اس بات کا انتظار کرتا تھا کہ امام قرآن کریم کے نصف ثانی یعنی سورہ مریم تک پہنچ جائیں اور چونکہ میرے والد کو یہ شوق تھا کہ مجھے دینی مدد میں قرآن کی تعلیم دلوائیں اور خود میرے گھر میں رات کے بعض حصوں میں وہ امام مسجد جو میرے اقربا میں تھے اور نابینا تھے حفظ قرآن کا کام انجام دیا کرتے تھے۔ اور میں اس مختصر عمر میں نصف قرآن حفظ کر چکا تھا۔ میرے معلم نے جاہا کہ میرے ذریعہ اپنے فضل و اجتہاد کا اظہار کرے تو تلاوت کے دوران رکوع کے واقع کی بھی تعلیم دی اور بار بار اسکی تکرار کی تاکہ میری سمجھ کا یقین حاصل ہو جائے۔ اور جب میں امتحان میں کامیاب ہو گیا اور واقع کے مطابق جماعت کے ساتھ نماز اور تلاوت تمام کر چکا تو جمع دست بوسی کے لئے مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ سب میرے حافظہ سے خوش اور میرے معلم کے شکر گزار تھے۔ لوگ میرے والد کو مبارکباد دے رہے تھے، اور سب کے سب اللہ کی حمد و ثنا میں مصروف تھے کہ اس نے نعمت اسلام کے ساتھ شیخ کی برکات سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔ میں نے اس دور میں ایسے ایام بھی گزارے ہیں جو میرے حافظہ سے خونہیں ہو سکتے اس لئے کہ میں مسلسل دیکھ رہا تھا کہ لوگ میرے قدموں میں اور

کا وعدہ کیا ہے کہ اس سے الگ رہ جانے والوں کا شمار ہلاک ہو جانے والوں میں ہوتا ہے۔ صلوات و سلام ان اصحاب کرام پر بھی جنہوں نے پیغمبر کی نصرت اور عزت و احترام کیا ہے اور اپنے نفس کو نصرت دین کے لئے فروخت کر دیا ہے۔ حق کو پہچانا ہے تو یقین کے ساتھ اس کی بیعت کی ہے اور رسول کے بعد بھی صراط مستقیم پر قائم رہے ہیں، نہ کوئی تبدیلی کی اور نہ ترمیم اور شکر گزار بندے بنے رہے ہیں اللہ ان کو اسلام اور مسلمین کی طرف سے جزائے نیر عطا کرے اور یہ صلوات و سلام ان کے تابعین اور روز قیامت تک ان کی راہ ہدایت پر چلنے والوں کیلئے بھی ہے۔ پروردگار میری اس خدمت کو قبول فرما کہ تو سمیع و علیم ہے۔ میرے سینہ کو شادگی عطا فرما کہ تو حق الیقین کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔ میری زبان کی گرہ کو کھول دے کہ تو بندگان مومنین میں جس کو چاہے حکمت عطا کرنے والا ہے۔ پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔ اور مجھے قافلہ صحابین سے ملحق کر دے۔

# حج بیت اللہ الحرام

میری عمر اٹھارہ سال کی تھی جب تیونس کی قومی جمہوریت نے اس بات پر اتفاق کیا کہ مجھے کہ منگرمہ میں منعقد ہونے والے اسلامی اور عربی اجتماع میں شرکت کی دعوت دی جائے جس میں پورے تیونس سے عرصہ چھ افراد کا انتخاب کیا گیا تھا اور میں سب میں سن دس سال کے اعتبار سے چھوٹا اور علم و ثقافت کے اعتبار سے کتر تھا اس لئے کہ ان میں دو مدرسوں کے مدیر تھے تیسرا دار الحکومت میں استاد تھا چوتھا رشتہ صحافت سے وابستہ تھا اور پانچویں کے ہمدے سے میں باخبر نہیں تھا لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ اس زمانے میں خود وزیر تربیت کے قریب تاروں میں شمار ہوتا تھا ہمارا یہ سفر براہ راست نہیں تھا بلکہ پہلے ہم یونان کے دار الحکومت ایتھنز میں وارد ہوئے، وہاں تین دن گزارنے کے بعد اردن کے دار الحکومت عمان میں وارد ہوئے اور وہاں چار دن گزارنے کے بعد سعودیہ پہنچے جہاں کانفرنس میں شرکت کی اور حج و عمرہ کے مناسک ادا کئے۔ پہلے پہل حدود بیت اللہ میں داخل ہوتے ہوئے جو میرے احساسات تھے اس کا تصور نہیں ہو سکتا، ایسا معلوم ہوا تھا کہ میرا دل اپنی دھڑکنوں کے سبب پیلیوں کو توڑ کر باہر نکلنا چاہتا ہے تاکہ براہ راست اس گھر کا مشاہدہ کر سکے جس کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔ آنسوؤں کا ایک سیلاب جاری ہو گیا جو بظاہر کھینے والا نہیں تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھے لاکھ تھام حاجیوں کے سردوں سے بالاتر اٹھا کر سطح کعبہ تک لے جانا چاہتے ہیں جہاں میں جا کر تلبیہ پڑوں گا بیک اللہم بیک۔۔

حجاج کرام کی تلبیہ کی آواز سن کر میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انہوں نے اس سفر کی تیاری سامان کی فراہمی اور امور کی جمع آوری میں مدینہ میں گزار دی ہیں لیکن میری

آمد چنانکہ بغیر کسی تیاری کے تھی اور مجھے یاد ہے کہ میرے والد نے جب اپنی جہاز کے ٹکٹ دیکھے اور انھیں میرے سفر کے کا یقین ہو گیا تو اچانک رو پڑے اور کمال محبت سے مجھے بوسے دیکر اس طرح رخصت کیا "بیٹا مبارک ہو کہ اللہ نے یہ مل کر دیا تھا کہ تم اس کمسنی میں مجھ سے پہلے حج کرو اور کیوں نہ ہوتا تم میرے سرکار احمد تیجانی کی اولاد ہو بیت اللہ میں پہنچ کر میرے حق میں دعا کرو کہ وہ میرے گناہوں کو معاف کر دے اور مجھے حج بیت اللہ کی توفیق کرامت فرمائے" ان حالات کی بنا پر میرا خیال تھا کہ مجھے اللہ نے پکار رہے اور اپنی عنایت کو میرے شامل حال کر دیا ہے اور مجھے اس منزل تک پہنچا دیا ہے جہاں پہنچنے سے پہلے بے شمار افراد امید و حسرت لے دنیا سے گذر جاتے ہیں مجھے سے زیادہ تلبیہ کی ذمہ داری کس پر ہے اس لئے میں نماز و طواف و سعی میں بہت زیادہ تلبیہ لیتا تھا۔ یہاں تک کہ زرم کا پانی پینے اور پہاڑوں پر چڑھنے میں بھی سب سے آگے نکلنا چاہتا تھا تاکہ جبل نور کی بلندی پر پہنچ کر نماز حرا کی زیارت کر دوں اور یہی وجہ تھی کہ ایک ڈانی جوان کے علاوہ کہ جس کا میں "ثانی اثنین" تھا کوئی مجھ سے آگے نہ جاسکا میں وہاں پہنچ کر خاک پر لوٹنے لگا تو مجھے سرکار دو عالم کی آغوش رحمت مل گئی ہے اور میں انکی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ سکتے حسین تھے وہ مناظر اور وہ یادیں جو میرے دل میں ایک ایسا گہرا اثر چھوڑ گئیں جو کبھی محو ہونے والا نہیں ہے۔

دوسری عنایت پروردگار جس نے تمام دُفود کے درمیان مجھے محبوب بنا دیا تھا۔ اور ہر شخص میرا پتہ مانگنے لگا تھا اور خود میرے ساتھیوں نے بھی مجھ سے اظہار محبت شروع کر دیا تھا جبکہ پہلی ملاقات میں جب ہم لوگ ترتیب سفر کے لئے تیونس کے دار الحکومت میں جمع ہوئے تھے تو سب نے مجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھا تھا اور میں نے اس کو محسوس بھی کر لیا تھا لیکن یہ سمجھ کر صبر کر لیا تھا کہ اہل شمال اہل جنوب کو حقیر اور پسماندہ ہی شمار کرتے ہیں۔ لیکن بہت جلدی سفر دو تکر کے دوران ان کی نگاہ بدل گئی اور تمام دُفود

کے درمیان وہ سرخرو ہو گئے کہ میں متعدد اشعار و قصائد کا لفظ تھا۔ اور اسی بنا پر میں نے مختلف مقابلوں میں انعامات بھی حاصل کئے تھے کہ ملک کی واپسی تک میرے پاس مختلف ملکوں کے بیس افراد کے پتے موجود تھے۔ سعودیہ میں ہمارا قیام بیس دن رہا جہاں ہم نے علماء و ملاقات کی ان کے بیانات میں شرکت کی اور میں ذاتی طور پر وہاں لوگوں کے بعض عقائد سے بہت متاثر ہوا اور میری یہ آرزو ہو گئی کہ کاش سارے مسلمان اسی راستہ پر چلیں اور میرا یہ خیال تھا کہ اللہ ہی نے ان لوگوں کو اپنے گھر کی حفاظت کے لئے منتخب کیا ہے لہذا یہ روئے زمین کی تمام مخلوقات سے زیادہ صاحب علم اور زیادہ پاکیزہ نفس ہیں۔ انھیں اللہ نے پڑول کی دولت اسی لئے دی ہے تاکہ یہ اللہ کے ہمالوں کی خدمت کریں اور ان کی سلامتی کا انتظام کریں۔ چنانچہ میں اپنے وطن واپس آیا تو سعودیہ کا مخصوص لباس پہن کر آیا اور اس استقبال کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا جس کا اہتمام میرے والد نے کیا تھا کہ مختلف جماعتیں اسٹیشن پر حاضر تھیں اور ان کے آگے آگے مختلف صوفی مسلک عیسائیت و تہذیب، قادریہ کے شیوخ بھی موجود تھے جن کے ساتھ طفل اور دف وغیرہ بجائے جا رہے تھے۔ لوگوں نے شہر کی مختلف سڑکوں پر تکبیر و تہلیل کے ساتھ مجھے گشت کرایا اور ہم جب کسی مسجد کے قریب سے گذرتے تھے تو اس کے آستانے پر تھوڑی دیر کے لئے روکے جاتے تھے اور لوگ ہماری دست بوسی کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے۔ خصوصاً بوڑھے بوڑھے بزرگ جو مجھے بوسہ بھی دیتے تھے اور زیارت بیت اللہ اور زیارت قبر رسول کے شوق میں گریہ بھی کر لے تھے اور انھوں نے مجھ سے پہلے اس عمر کے آدمی کو حج کرتے نہ دیکھا تھا۔ میں نے اس وقت اپنی زندگی کے حسین ترین لمحات گزارے۔ ہمارے گھر میں سلام کرنے اور مبارکباد دینے کیلئے کبار و اشراف حاضر ہوئے اور اکثر مجھ سے یہ مطالبہ کیا جانے لگا کہ میں اپنے والد کی موجودگی میں فاتحہ اور دعا پڑھوں جس سے میں کبھی شرمندہ ہوتا تھا اور کبھی میرے حوصلے بلند ہو جاتے تھے۔ میری والدہ زائرین کے ہر گروہ کے نکل جانے کے بعد میرے پاس آ کر

خوشبو سلگاتی تھی اور تعویذ کا اہتمام کرتی تھیں تاکہ میں حاسدوں کے شر اور شیاطین کے مکر سے محفوظ رہوں۔

میرے والد نے تہجانی بارگاہ میں تین رات مسلسل اس شان سے حاضری دی کہ روزانہ ولیمہ کے لئے ایک دنبہ ذبح ہوتا تھا اور لوگ مجھ سے ہر چھوٹی بڑی بات کے بارے میں سوال کرتے تھے میرے جواب زیادہ تر سعودیوں کی مدح و ثنا اور نشر اسلام و نصرت مسلمان کے بارے میں ان کے خدمات پر مشتمل ہوتے تھے۔ شہر والوں نے مجھے حاجی کا لقب دیدیا تھا اور اس لفظ سے میرے علاوہ کسی اور کا تصور نہیں پیدا ہوتا تھا اس کے بعد میری شہرت بڑھتی گئی اور خصوصاً جماعت انخوان المسلمین جیسے دینی حلقوں میں میں مسجد کا دورہ کر کے لوگوں کو ضربوں کے بوسہ دینے اور لکڑیوں کے مس کرنے سے منع کرتا تھا اور میری تمام تر کوشش یہی تھی کہ میں انھیں یہ سمجھا سکوں کہ یہ سب شرک ہے میرے نشاۃ عمل میں اور وسعت پیدا ہوئی تو میں مسجدوں میں جمعہ کے خطبہ سے پہلے دینی درس دینے لگا اور مسجد ابو یقوب سے مسجد کبیر تک ہر جگہ حاضر ہونے لگا۔ اسلئے کہ جمعہ کی نماز دونوں مقامات پر مختلف اوقات میں ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اتوار کے دن میرے حلقہ مدرس میں ہر کانج کے طلاب بھی حاضر ہوتے تھے جہاں میں ٹکننا لوجی اور طبیعیات کے درس دیا کرتا تھا۔ لوگ جبکہ اقدامات سے خوش ہوتے تھے اور ان کے محبت و احترام میں برابر اضافہ ہو رہا تھا کہ میں نے انہیں اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ دیدیا تھا کہ میں ان کے انکار سے ان بدلیوں کو چھانٹ دوں جو فلسفہ کے لمدمادی اور کمیونسٹ اساتذہ نے پیدا کر دیئے ہیں۔ لوگ بڑی بے چینی سے ان اجتماعات کا انتظار کیا کرتے تھے اور بعض تو میرے گھر بھی آیا کرتے تھے۔ میں نے اس کام کے لئے بہت سی دینی کتابیں بھی خریدیں اور اس کے مطالعہ پر کبھی زور دیا تاکہ میں اس سطح تک پہنچ جاؤں مختلف سوالات کے جوابات دیئے جاسکتے ہوں۔ اسی سال جس سال میں

حج بیت اللہ کیا میں اپنے نصف دین کا بھی مالک ہو گیا۔ میری والدہ کی یہ خواہش سامنے آئی کہ اپنے مرنے سے پہلے میرا عقد کر دیں کیونکہ انہوں نے ہی میرے والد کی دوسری تمام اولاد کی تربیت کی تھی اور ان کی شادیاں کی تھیں تو اب ان کی تمنا تھی کہ مجھے نوشہ کی شکل میں دیکھیں۔ اللہ نے ان کی تمنا کو پورا کر دیا اور میں نے ان کے حکم کی اطاعت میں ایک ایسی لڑکی سے عقد کر لیا جس کو میں نے کبھی دیکھا بھی نہیں تھا وہ میسر پہلے دو بچوں کی ولادت تک زندہ رہی اور اس کے بعد دار دنیا سے رخصت ہو گئیں اس عالم میں کہ وہ مجھ سے خوش تھیں اور ان سے دو سال پہلے میرے والد کا انتقال ہوا جب کہ وہ حج بیت اللہ بھی کر چکے تھے۔ اور وفات سے پہلے توبہ خالص بھی کر چکے تھے۔

ایک ایسے دور میں جب اسرائیل کے مقابلے میں شکست کھانے کے بعد عرب اور مسلمان انتہائی ذلت آمیز زندگی گزار رہے تھے اچانک یبیا کا انقلاب کامیاب ہوا۔ اور قائد انقلاب کی شکل میں ایک ایسا جوان سامنے آیا جو اسلام کا نام لیتا تھا۔ لوگوں کے ساتھ مسجد میں سناڑ پڑھتا تھا اور اس کی آرا دی کا نعرہ لگاتا تھا۔ ان نغروں کی بنا پر میں بھی اسی طرح اس جوان کا گردیدہ ہو گیا، جس طرح عربی اور اسلامی ملکوں میں عام نوجوانوں کا حال ہوتا ہے۔ اور ہم نے مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے یبیا کا ایک ثقافتی سفر مرتب کیا جس میں شعبہ تعلیم کے چالیس افراد ساتھ تھے۔ ہم نے اس علاقہ کا دورہ انقلاب کے ابتدائی دور میں کیا اور نہایت درجہ خوشحال واپس آئے جو ہم نے دیکھا کہ حالات ایک ایسے مستقبل کی خبر دے رہے ہیں جو عربی اور اسلامی قوم کے لئے نہایت درجہ صالح اور خوشگوار ہو گا۔

ان چند برسوں کے دوران بعض دستوں مراسلت کا سلسلہ جاری رہا اور میسر شوق میں اضافہ ہوتا رہا۔ میرے تعلقات کامرکز وہ چند افراد تھے جنہوں نے ملاقات

پر زیادہ زور دیا۔ چنانچہ میں نے یہ نظام مرتب کیا کہ گرمیوں میں تین مہینہ کی چٹی میں ایک طویل سفر کروں جس کا پروگرام یہ بنا کہ خشکی کے راستے سفر یبیا سے شروع کیا جائے اس کے بعد مہراں کے بعد لبنان اسکے بعد شام اردن اور آخر میں سعودیہ جہاں مناسک عمرہ ادا کرنا تھے اور ان دہائیوں سے تجدید عہد کرنا تھی جن کے عقائد کی نوجوانوں کے حلقہ میں اور انخوان المسلمین کی مسجدوں میں بکثرت تبلیغ کی تھی اور اس دور میں میری شہرت مختلف اطراف و جوانب میں پہنچ چکی تھی۔ اور اکثر سامعین جمعہ پڑھنے کے لئے اور ان بیانات میں شرکت کرنے کے لئے آجایا کرتے تھے اور پھر اپنے علاقہ میں اس کا چرچا کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ خبر صوفیوں کے بزرگ شیخ اسماعیل باذنی تک پہنچی جن کے پیر داد مرید تھیں اور اس کے باہر فرانس اور جرمنی میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور انہوں نے اپنے دکھارے کے ذریعہ مجھے اپنی زیارت کی دعوت دیدی۔ ان کے دکھارے نے مجھے ایک مفصل خط لکھا جس میں اسلام اور مسلمین کے بارے میں میرے خدمات کی قدر رانی کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ یہ سارے اعمال ذرہ برابر بھی خدا سے قریب نہیں کر سکتے جب تک کسی شیخ عارف کے وسیلہ سے نہ ہوں اور اپنے حلقہ کی مشہور حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے کہ ”جس کے پاس کوئی شیخ نہیں ہوتا اس کا شیخ شیطان ہوتا ہے۔“ یا یہ کہ ”ہر شخص کے لئے ایک شیخ کا ہونا ضروری ہے ورنہ آدھا علم ناقص رہ جائے گا۔“ یہ کہہ کر اس بات کی بشارت دی کہ صاحب الزمان یعنی شیخ اسماعیل نے مجھے اپنے خواص میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ خبر سن کر میرے ہوش و حواس اڑ گئے۔ اور میں اس عنایت الہیہ پر بے اختیار رو پڑا کہ جس کی بنا پر میں مسلسل بلدیوں کی منزلیں طے کر رہا تھا اسلئے کہ میں اس سے پہلے ماضی میں سید ہادی حفیان کا بیوروہ پرکا ہوں جن کے مختلف کرامات و معجزات نقل کئے جا چکے ہیں اور اس کے بعد یہ صالح اور سید بیلائی کی صحبت کا شرف بھی حاصل کر چکا ہوں اور اب شیخ اسماعیل کی بارگاہ

میں طلب کیا گیا ہوں۔ میں بے چینی سے ان سے ملاقات کا اندازہ کرتا رہا یہاں تک کہ جب شیخ کے گھر میں داخل ہوا تو ایک ایک چہرہ کو حیرت و حسرت سے دیکھتا رہا کہ مجلس میں مریدوں اور مشائخ کا جمع تھا اور سب انتہائی سفید لباس پہنے ہوئے تھے مراسمِ حاضری کی انجام دہی کے بعد شیخ اسماعیل حجرہ سے باہر تشریف لائے اور سارے مجمع نے احترام سے ان کے ہاتھ جوئے اور ایک نمائندہ نے یہ اشارہ کیا کہ شیخ یہی ہیں لیکن میں نے کسی جذبہ کا اظہار نہیں کیا اسلئے کہ میں ان حالات کے علاوہ کسی اور بات کا منتظر تھا اور میرے ذہن میں شیخ کے ذکیل اور مریدوں نے کرامت و معجزات کی جو خیالی تصویر بنائی تھی وہ کچھ اور ہی تھی مجھے شیخ ایک معمولی آدمی نظر آئے جن کے چہرہ میں نہ کوئی وقار تھا نہ ہیبت۔ تھوڑی دیر کے بعد ذکیل نے مجھے ان کے سامنے پیش کیا انہوں نے مرجھا کہتے ہوئے داہنی طرف بٹھایا اور کھانا پیش کیا کھانے پینے کے بعد پھر محفلِ جم گئی اور مجھے ذکیل نے دوبارہ شیخ کے سامنے پیش کیا تاکہ میں ان کے بعد درود حاصل کر سکوں۔ مجمع نے مجھے مبارکباد دی اور مجھ سے معافی کیا اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ انھوں نے میرے بارے میں بہت کچھ سُن رکھا ہے اور اسی قدر دانی نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ میں شیخ کے بعض جوابات پر جو سوال کرنے والوں کو دیئے گئے تھے اعتراض کروں اور اپنی بات پر قرآن و سنت سے استدلال کروں۔ ظاہر ہے کہ یہ جرات بعض حاضرین کو ناگوار گذری اور انہوں نے اسے شیخ کی بارگاہ میں سوء ادب قرار دیا کہ وہ تو اس بات کے عادی تھے کہ شیخ کے سامنے بلا اجازت زبان نہ کھولیں شیخ نے محسوس کر لیا کہ حاضرین کو میری بات ناگوار گذری ہے اس لئے نہایت ہی ہوشیاری سے صورتوں کا ازالہ کرتے ہوئے اعلان کیا کہ جس کی ابتدا دل سوز ہوتی ہے اس کی انتہا تابناک ہوتی ہے۔

حاضرین نے یہ خیال کیا کہ یہ سرکار کی طرف سے ایک سند ہے اور عفرتیب مبرا انجام تابناک ہونے والا ہے اس لئے سب نے مجھے اس بات کی بھی مبارکبادی لیکن شیخ انتہائی ہوشیار اور تربیت یافتہ تھے۔ انہوں نے میری اس گستاخی کا راستہ روکنے کے لئے فی الفور ایک عارف کا قصہ بیان کیا کہ ان کے حلقہ میں ایک عالم آگے تو انہوں نے ان سے فرمایا کہ جاؤ غسل کر دو وہ غسل کر کے واپس آئے تو دوبارہ پھر یہی حکم دیا وہ اس مرتبہ پہلے سے بہتر انداز سے غسل کر کے آئے اور بیٹھنا چاہا تھا کہ شیخ عارف نے ڈانٹ دیا اور کہا جاؤ پھر غسل کرو اور عالم نے روتے ہوئے عرض کی کہ میں اپنے علم کے مطابق بہترین غسل کر چکا ہوں اب اللہ آپ کے طفیل میں کوئی اور انکشاف کر دے تو دوسری بات ہے۔ تو عارف نے فرمایا اچھا اب بیٹھ جاؤ میں فوراً سمجھ گیا کہ اس قصہ کا مقصد میں ہی ہوں اور حاضرین نے بھی محسوس کر لیا اور شیخ کے جانے کے بعد میری ملامت بھی کی اور مجھے شیخ کی بارگاہ میں خاموشی کا حکم دیتے ہوئے اس آئیہ کریمہ سے استدلال کیا کہ ”ایمان والو! خبردار اپنی آواز کو بغیر کی آواز پر بلند نہ کرنا اور ان سے اس بلند لہجے میں بات بھی نہ کرنا جیسے آپس میں باتیں کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم میں شعور بھی نہ پیدا ہو“ میں نے اپنی اوقات پہچان لی اور نصیحتوں کا امتثال کیا جس کے بعد شیخ کی بارگاہ میں کچھ زیادہ ہی مقرب ہو گیا اور تین دن قیام کے دوران امتحان کے لئے مختلف سوالات کرتا رہا اور شیخ کو بھی اس بات کا اندازہ ہوتا رہا اور وہ یہی کہتے رہے کہ قرآن کے لئے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے اور سات سات باطن ہیں جس کے بعد انہوں نے اپنے خزانہ کو کھول کر ایک خاص کاغذ دیا جس میں صاحبین و عارفین کا سلسلہ سند ابوالحسن شاذری تک پہنچتا تھا۔ اور ان کے بعد مختلف اولیاء سے گذرتا ہوا امام علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تک پہنچ جاتا تھا۔

یہ بات ناکفہ نہ رہ جائے کہ یہ حلقہات تمام تر روحانی ہوتے تھے اور ان کا  
انتتاح شیخ قرآن مجید کی تلاوت سے کیا کرتے تھے جس کے بعد قصیدہ کا مطلع پڑھا جاتا  
تھا اور تمام مرید اسے دہراتے تھے۔ اسلئے کہ سب کو یہ قصائد و اذکار حفظ ہوتے تھے  
اور ان کا بیشتر حصہ دنیا کی مذمت اور آخرت کی ترغیب پر مشتمل ہوتا تھا۔ شیخ کی  
تلاوت کے بعد ان کے داہنی طرف بیٹھا ہوا مرید اس کا اعادہ کرتا تھا اس کے بعد  
شیخ نئے قصیدہ کا مطلع پڑھتے تھے اور سب اس کو دہراتے تھے یونہی ہر شخص  
ایک ایک آیت کی تلاوت کرتا تھا اور پھر قصیدہ پر سب کو اجتماعی طور پر حال آنے لگتا  
تھا۔ جہاں قصیدہ کی دھن پر سب داہنے بائیں جھومتے تھے اور جب شیخ کھڑے  
ہوتے تھے تو سارے میدان کے ساتھ کھڑے ہوجاتے تھے اور وہ گھوم گھوم کر ایک  
ایک مرید کو دیکھتے تھے۔ اور ہر طرف سے آہ آہ کی آواز آتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا  
کہ طبل بجا یا جارہا ہے اور بعض افراد کی حرکتیں جنونی انداز کی ہوتی تھیں اور  
یہ ساری آوازیں ایک منظم نغمہ کی شکل میں بلند ہونے کے بعد کافی دیر کے بعد تھم  
جاتی تھیں اور شیخ آخری قصیدہ پڑھتے تھے جس کے بعد لوگ ان کے سر اور شانہ  
کا بوسہ دے کر بیٹھ جاتے تھے۔

میں نے بھی ان لوگوں کے ساتھ بعض حرکتوں میں حصہ لیا۔ لیکن میں فطرتاً مطلق  
نہیں تھا بلکہ میں ان باتوں کو اس عقیدہ سے بالکل متضاد پاتا تھا جو میں نے سعودیہ  
سے حاصل کیا تھا کہ غیر خدا سے توسل نہیں ہو سکتا۔

میں گویا خاک پر گر پڑا۔ میرے آنسو جاری ہو گئے اور میں حیرت زدہ و دوظنوں  
کے درمیان کھڑا تھا۔ ایک طرف صوفیت کا ماحول جہاں ایسی روحانیت جو انسان  
کے دل میں خوف خدا، زہاد اور اولیاء صالحین کے ذریعہ تقرب کا جذبہ پیدا کر لے  
اور دوسری طرف وہ دہائیت کا طوفان جس نے یہ تعلیم دی ہے کہ یہ سب شرک

ہے اور شرک کو حلال سمجھا نہیں کر سکتا۔ اور جب پیغمبر رسول اللہ ہونے کے بعد کام  
نہیں آسکتے اور ان سے توسل نہیں ہو سکتا تو ان اولیاء صالحین کی کیا حقیقت ہے۔  
اگرچہ شیخ نے مجھے ایک منصب بھی عنایت کر دیا تھا کہ مجھے قفسہ میں اپنا  
دکیل بنا دیا تھا۔ لیکن میں اندر سے مکمل طور پر مطمئن نہیں تھا اگرچہ کبھی کبھی صوفیت  
کی طرف مائل ہوجاتا تھا۔ لیکن ہمیشہ سوچتا رہتا تھا کہ میں اس طریقہ کا احترام تو کر رہا  
ہوں لیکن خدا کے اس حکم کی مخالفت کر رہا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کو نہ  
پکارو، اس کے علاوہ کوئی اور خدا نہیں ہے اور جب کوئی شخص یہ کہتا تھا کہ پروردگار  
کا ارشاد ہے کہ "ایمان والواللہ سے ڈرو اور وسیلہ تلاش کرو" تو فوراً سعودی  
علماء کا سکھایا ہوا جواب دہرا دیتا تھا کہ وسیلہ عمل صالح ہے۔

بہر حال میں نے وہ دفعہ انتہائی اضطراب کے عالم میں گزارا ہے جبکہ میرے  
پاس بہت سے مرید حاضری دیا کرتے تھے۔ اور ہم رات بھر حالِ نال کی محفلیں جھانکتے  
تھے۔ ہمارے ہمسایہ کے لوگ ہماری اس آہ آہ سے عاجز تھے لیکن کھل کر اس کا اظہار  
نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی عورتوں کے ذریعہ میری اہلیہ سے شکایت کی  
اور جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے اپنے مریدوں سے کہا کہ وہ ان حلقہات کو اپنے گھروں  
میں لے جائیں اور یہ کہہ کر حاضری سے معذرت کر لی کہ میں تین مہینہ کے لئے ملک  
سے باہر جا رہا ہوں اور میں اپنے اہل و عیال اور اقرباء کو رخصت کر کے خانہ خدا کے  
ارادے سے نکل پڑا۔ اسی پر میرا اعتماد تھا اور اسکے علاوہ میرا کوئی دوسرا خدا نہیں تھا۔

## توفیق امیر سفر

**مصر :** یسایا کے دارالحکومت طرابلس میں میرا اتنا ہی قیام رہا کہ میں مصری سفارتخانہ سے مصر کا ویزا حاصل کر لوں۔ چنانچہ اس کے دوران بعض دوستوں سے ملاقات بھی ہوئی اور انہوں نے اس راہ میں میری مدد بھی کی۔ قاہرہ کا راستہ جو تقریباً تین شب دروز میں طے ہوتا ہے میں نے ٹیکسی سے طے کیا جس میں چار مصری اور تھے جو بیبیا میں کام کرتے تھے اور اپنے وطن واپس جا رہے تھے۔ دوران سفر میں ان سے باتیں کرتا رہا اور انھیں قرآن سناتا رہا جس کی بناء پر انھوں نے مجھ سے انہماکت کیا۔ اور ہر شخص نے اپنے گھر قیام کرنے کی دعوت دی۔ میں نے ان کے درمیان سے ایک شخص کا انتخاب کیا جس کا نام احمد تھا اور میرا نفس اس کے زہد و تقویٰ سے مطمئن تھا۔ اس نے بھی باقاعدہ میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔ قاہرہ میں میں نے بیس دن گزارے جس میں مشہور موسیقار اطرش سے ان کے مکان پر ملاقات کی اس لئے کہ میں نے اخبارات و رسائل میں ان کے حسن اخلاق و تواضع کا تذکرہ پڑھا تھا اس سے میں بہت متاثر تھا۔ لیکن میری ملاقات صرف بیس منٹ جاری رہ سکی اس لئے کہ لبنان جانے کے لئے ایرپورٹ جا رہے تھے۔

قاہرہ میں ہی میں نے مشہور قاری جن سے میں بے حد متاثر تھا شیخ عبدالباقی محمد الصمد سے ملاقات کی تین دن لکھے ساتھ قیام رہا اور مختلف موضوعات پر ان کے اقربا و اصداق سے میں تبادلہ خیال کرتا رہا اور وہ لوگ جرأت، صراحت اور معلومات کی کثرت سے سچا متاثر ہوئے۔ وہ لوگ صرف فخر کے مارے ہوئے اور شکر کرتے

تھے تو میں اسکے کمال کا اظہار کرتا تھا اور جب زہد و تصوف کی باتیں کرتے تھے تو میں تبیانہ اور مدینہ طریقوں سے اپنے تعلق کا اظہار کرتا تھا۔ اور جب مغرب کی گفتگو کرتے تھے تو پیرس، لندن، ہالینڈ، اٹلی اسپین کے قصے بیان کرتا تھا جنہیں گرمیوں کی چھٹی کے دوران دیکھا تھا۔ اور جب حج کی گفتگو چھیڑی تو میں نے یہ خبر بھی سنائی کہ میں ایک مرتبہ حج کر چکا ہوں اور اب عمرہ کے لئے جا رہا ہوں اور میں نے ان مقامات کا تذکرہ کیا جن سے سات سات حج کرنے والے بھی باخبر نہیں تھے جیسے غار سرا، عارثور، قربان گاہ اسماعیل، اور جب وہ لوگ علوم اور انفرادی کی بات کرتے تھے تو میں اس کے اعداد و مصطلحات کا حوالہ دیکر ان کی علمی تشنگی کو دور کرتا تھا۔ اور جب سیادت کا ذکر چھیڑتے تھے تو میں اپنی ذاتی رائے سے یہ کہہ کر انھیں خاموش کر دیتا تھا کہ خدا صلاح الدین ابوہی پر رحمت نازل کرے کہ اس نے ہنسنا تو دکرنا اپنے لئے مسکراہٹ کو بھی حرام قرار دے لیا تھا اور جب مقررین نے یہ کہہ کر ملامت کی کہ سرکارِ دو عالم ہمیشہ مسکراتے نظر آتے تھے تو جواب دیا کہ میں کیوں کر مسکرا سکتا ہوں جب کہ مسجد اقصیٰ پر دشمنان خدا کا قبضہ ہے اور خدا کی قسم میں اس وقت تک نہ مسکراؤں گا جب تک اسے آزاد نہ کر لوں یا مرنے جاؤں۔

ان اجتماعات میں جامعہ ازہر کے شیوخ بھی حاضر ہوتے تھے اور میرے ضبط احادیث و آیات و دلائل محکم سے متاثر بھی ہوتے تھے اور یہ پوچھا کرتے تھے کہ میں کس جامعہ سے فارغ التحصیل ہوں تو میں نہایت فخر سے جواب دیتا تھا کہ میں جامعہ زیتونہ کا طالب علم ہوں جو ازہر سے پہلے قائم ہوا تھا اور نا طہمین جامعہ ازہر کی تاسیس کیلئے ریونس ہی سے گئے تھے۔ میں نے جامعہ ازہر کے بہت سے علماء

زندہ دار کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا، مصری مجالس انقلاب کے ایک رکن آئے اور انہوں نے اس مسئلہ کو مصر کی ایک کمپنی کی طرف سے منعقد ہونے والے اسلامی اجتماع میں شرکت کی دعوت دی اور انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ میں ان کے ساتھ جاؤں چنانچہ میں نے اس جلسہ میں شرکت کی اور زہری عالم اور فادرشوندہ کے درمیان بٹھایا گیا۔ لوگوں نے مجھ سے تقریر کا بھی مطالبہ کیا۔ اور میں نے نہایت آسانی سے یہ کام انجام دیا۔ اس لئے کہ میں مجالس اور ثقافتی اجتماعات میں تقریروں کا عادی ہو چکا تھا۔

ان تمام بیانات کا ماہر حاصل یہ ہے کہ میرا شعور برابر ترقی کر رہا تھا اور مجھ میں یہ غرور بھی پیدا ہو چلا تھا کہ اب میں بھی عالم ہو گیا ہوں اور ایسا کیوں نہ ہونا جب کہ علماء ازہر نے میرے علم کی شہادت دی تھی اور مجھ سے یہ کہا تھا کہ آپ جیسے حضرات کو یہاں ازہر میں ہونا چاہئے تھا۔ اور اس سے زیادہ قابل فخر اعزاز یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے مجھے اپنے آثار کی زیارت کا شرف عنایت فرمایا جب قاہرہ میں مسجد راس الخیمین کے مسئلہ نے مجھ سے بیان کیا اور مجھے ایک ایسے جہرہ میں لے گیا جس کو اس کے علاوہ کوئی نہیں کھول سکتا تھا۔ اور اندر جانے کے بعد دروازہ بند کر کے وہ خزانہ کھولا جس میں سے رسول اللہ کی قمیص اور دوسرے آثار نکال کر مجھے زیارت کرائی۔ اور میں وہاں سے انتہائی متاثر اور اشکبار واپس آیا۔ جبکہ اس مسئلہ نے مجھ کے کسی رزم کا بھی مطالبہ نہیں کیا بلکہ انکار کر دیا اور میرے اصرار پر صرف ایک معمولی رقم لیکر مجھے اس بات کی بشارت اور مبارکباد دی کہ میں رسول اکرمؐ کی بارگاہ اہم مقبول انسان ہوں۔ اس واقعے نے میرے دل پر بھرا اثر کیا اور میں متعدد راتوں میں دباؤوں کے اس بیان پر غور کرتا رہا کہ ”رسول مرگئے اور ان کا نقصہ تمام ہو گیا“ مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں تھی بلکہ مجھے اس عقیدے کے مہل ہونے کا یقین پیدا ہو گیا کہ اگر وہ خلد میں قتل

ہونے والا شہید مردہ ہمیں ہوتا بلکہ زندہ رہتا ہے اور پروردگار سے رزق حاصل کرتا ہے تو وہ کیوں کمر مردہ ہو سکتا ہے جو سید الاولین والآخرین ہے اور یہ شعور قوت و وضاحت کے اعتبار سے اور کبھی ترقی کرتا رہا۔ ان تعلیمات کی بنیاد پر جو صورتوں سے حاصل ہوئی تھیں جہاں ادیباء و شیوخ میں یہ صلاحیت پائی جاتی تھی کہ نظام کائنات پر اثر انداز ہو سکیں کہ یہ صلاحیت انہیں ان کے پروردگار نے عطا کی ہے کہ انہوں نے اس کی اطاعت کی ہے اور اس نے حدیث قدسی میں وعدہ کیا ہے کہ ”میرے بندے میری اطاعت کر تو میرا نمونہ بن جائے گا۔ اور جس چیز کے بارے میں کہہ دے گا وہ ہو جائے گی“ میرے داخل میں عقائد کی جنگ جاری رہی اور میں نے مختلف مساجد کی زیارت کرنے اور ان میں نماز ادا کرنے کے بعد مصر میں قیام کا سلسلہ تمام کر دیا۔ ہر مسلک کی مسجد میں نماز ادا کی۔ اور سیدہ زینبؓ اور سیدنا حسینؑ کی زیارت کی اور تہجانی زادویہ کی بھی زیارت ہوئی جس کی داستان بجز طویل ہے۔

## بحری جہاز کی ایک ملاقات

بحری جہاز سے ریزریشن کے مطابق میں اسکندریہ پہنچا اور وہاں سے مصری جہاز سے بیروت کا سفر اختیار کیا۔ میں اپنے کو نہایت اضطراب کے عالم میں جسمانی اور فکری اعتبار سے خستہ حال پا رہا تھا۔ اور اپنی برتھ پر لیٹے ہوئے ٹکڑے کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا اور جہاز دو تین گھنٹوں سے رداں دواں تھا۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد اچانک اٹھ گیا۔ جب میرے برابر والے مسافر کی آواز کانوں میں آئی ”معلوم ہوتا ہے یہ بھائی بہت تھک گئے ہیں“ میں نے کہا کہ ہاں میں صبح سویرے قاہرہ سے اسکندریہ تک جہاز میں سوار ہونے کے لئے آ گیا اور رات کو بہت کم سو سکا میں نے ان کے ہجہ سے یہ اندازہ لگایا کہ وہ مصری نہیں ہیں اور میرے دخل در معقولات کی عادت نے مجھے



آبادہ کیا میں ان کا تعارف حاصل کروں تو میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے ان کا تعارف حاصل کیا تو معلوم ہوا کہ وہ عراقی ہیں اور ان کا نام منعم ہے بغدادیوں کے استاد ہیں۔ اور ازہر میں ڈاکٹریٹ کی تھیسس جمع کرنے کے لئے قاہرہ آئے تھے۔ ہماری گفتگو کا آغاز مصر، عالم عرب و اسلام، عربوں کی شکستِ یودیوں کی فتح سے ہوا۔ یہ گفتگو انتہائی درزناک تھی۔ میں نے دورانِ کلام یہ کہا کہ شکست کا اصل سبب عرب اور مسلمانوں کا مختلف حکومتوں مختلف گروہوں اور مختلف مذاہب میں تقسیم ہو جانا ہے کہ وہ اتنی کثرتِ عدد کے باوجود دشمنوں کی نگاہ میں کوئی وزن اور اعتبار نہیں رکھتے ہیں۔

ہم نے مصر اور مصریوں کے بارے میں بہت سی باتیں کیں اور دونوں ہزیمت کے اسباب پر متفق تھے اور میں نے یہ اضافہ کیا کہ میں ان تفسیحات کا سخت مخالف ہوں۔ یہ استعمار نے ہمارے درمیان پیدا کرائی ہیں تاکہ ہم پر قبضہ کرنا اور ہمیں ذلیل کرنا آسان ہو جائے لیکن ہم آج بھی مالکی اور حنفی کے جھگڑے میں پڑے ہوئے ہیں اور میں نے ایک انتہائی افسوسناک قصہ بیان کیا جو میرے ساتھ اس وقت پیش آیا جب میں قاہرہ کی مسجد ابو حنیفہ میں داخل ہوا اور حاضرین کے ساتھ باجماعت نماز عصر ادا کی تو نماز کے بعد جو شخص پہلو میں کھڑا ہوا تھا اس نے انتہائی غصہ سے کہا کہ تم نے ہاتھ کیوں نہیں باندھا؟ میں نے ادب و احترام سے جواب دیا کہ میں مالکی ہوں اور مالکی ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔ تو اس نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو مالک کی مسجد میں جا کر نماز پڑھو۔ میں وہاں سے اس صورتِ حال سے بیزار ہو کر باہر نکل آیا اور میری حیرتوں میں اور اضافہ ہو گیا۔

میری ان باتوں پر عراقی استاد نے مسکرا کر کہا کہ اور میں تو شیعہ ہوں میں اس خبر سے چونک گیا۔ اور میں نے نہایت بے اعتنائی سے کہا کہ اگر معلوم ہوتا

سکرتم شیعہ ہو تو میں تم سے بات بھی نہ کرتا۔  
اس نے کہا کیوں؟

میں نے کہا اس لئے کہ تم لوگ مسلمان نہیں ہو۔ تم لوگ علی بن ابی طالب کی عبادت کرتے ہو۔ اور تم میں جو معتدل ہیں وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں لیکن رسالت پیغمبر پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور جبریل کو گایاں دیتے ہیں کہ انھوں نے خیانت سے کام لیا ہے اور رسالت کو علی کے بجائے محمد کے حوالے کر دیا ہے۔ میں نے اس طرح اپنے بیانات کو جاری رکھا اور میرا ساتھی کبھی مسکراتا تھا اور کبھی لا حول پڑھتا تھا۔ اور جب میری گفتگو تمام ہوئی تو اس نے از سر نو یہ سوال کیا کہ آپ استاد ہیں اور طلباء کو درس دیتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔

اس نے کہا جب اساتذہ کی فکر کا یہ انداز ہے تو عوام سے کیا کہا جائے جسکے پاس کوئی ثقافت نہیں ہوتی ہے۔  
میں نے پوچھا کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ اس نے کہا کہ معاف فرمائیے گا یہ غلط الزامات آپ کو کہاں سے معلوم ہوئے۔

میں نے کہا کہ تاریخ کی کتابوں اور لوگوں کے درمیان شہرت سے اس نے کہا کہ لوگوں کی شہرت چھوڑیے، آپ نے تاریخ کی کون سی کتاب پڑھی ہے؟ میں نے کہا میں شمار کرنا شروع کیں۔ احمد امین کی فخر الاسلام، صنعی الاسلام، ظہر الاسلام وغیرہ۔

اس نے کہا کہ احمد امین شیعوں کے لئے رکس طرح سند ہو گئے۔ عدل والنصف کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کے نظریات انھیں کے مصادر سے دریافت کئے جاتے۔  
میں نے کہا کہ مجھ کو اس وقت سے کہ میں ایسی بات کے بارے میں تحقیق کروں

جو خواص دعوام کے درمیان مشہور ہوں۔ انہوں نے کہا کہ احمد بن محمد بن عمار کا دورہ کیا ہے اور میں ان اساتذہ میں سے تھا جن سے انہوں نے نجف میں ملاقات کی ہے اور جب ہم لوگوں نے ان کی تحریروں پر شیعوں کے بارے میں اعتراض کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ میں آپ لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور آج پہلے پہل شیعوں سے ملاقات کر رہا ہوں تو ہم نے کہا کہ عذر گناہ بدتر از گناہ۔ جب آپ ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو آپ کو ایسی بدترین باتوں کے لکھنے کا کیا حق ہے ؟ اس کے بعد اس نے اس بات کا اضافہ کیا کہ اگرچہ قرآن ہمارے لئے سند ہے لیکن ہم یہود و نصاریٰ کے عقائد کی غلطی پر قرآن سے استدلال کریں تو کیا فائدہ ہوگا جب کہ وہ لوگ قرآن کو نہیں مانتے ہیں۔ ہماری دلیل اسی وقت قوی اور محکم ہوگی جب کہ ہم ان کے اعتقادات کو انہیں کی کتابوں سے نقل کریں۔ (از باب شہد شاہدین اہلبا“)

ہمارے ساتھی کے اس بیان نے ہمارے دل پر وہی اثر کیا جیسے کسی پیارے کو آب سرد و شیریں مل جائے اور میں نے اپنے داخل میں ایک انقلاب محسوس کیا۔ دشمنی سے تنقید کی طرف اس لئے کہ میں ایک صحیح منطق اور مستحکم دلیل کے سامنے کھڑا تھا۔ میں نے کوئی بھجھک محسوس نہیں کی اور کہا کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ لوگ ہمارے پیغمبر کی رسالت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس نے کہا کہ تمام شیعوں کا یہی عقیدہ ہے اور آپ کے لئے کیا زحمت ہے اگر آپ براہ راست تحقیق کر لیں اور اپنے بھائیوں کے بارے میں بدگمانی چھوڑ دیں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور اگر آپ حقائق کی معرفت چاہتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین پیدا کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو عراق کے دورہ کی دعوت دیتا ہوں تاکہ آپ علماء شیعہ سے ملاقات کریں اور آپ کو دشمن کے کذب و افواہ کا صحیح اندازہ ہو جائے۔

میں نے کہا کہ یہ تو میری آرزو ہے کہ میں کبھی عراق کی زیارت کروں اور اس کے اسلامی آثار کو دیکھوں جو عباسی خلفاء اور بالخصوص اسکے سربراہ ہارون رشید نے چھوڑے ہیں۔ لیکن اولاً تو میرے امکانات محدود ہیں اور میں عمرہ کے لئے جا رہا ہوں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ میرے پاس پورٹ میں عراق میں داخل ہونے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ جب میں نے آپ کو دعوت دی ہے تو اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ میں بیروت سے بغداد تک آمد و رفت اور عراق میں قیام کے جملہ اخراجات کا ذمہ دار ہوں اور آپ میرے گھر میں میسر نہمان ہوں گے۔ اور جہاں تک عراق میں داخلگی کی اجازت کا سوال ہے تو اس کام کو اللہ کے حوالے کر دیں اگر یہ بات مقدر میں ہے تو یہ کام ہو کر رہے گا۔ اور ہم خود بیروت پہنچنے کے بعد کوشش کریں گے کہ اجازت حاصل کر لیں۔

میں اس کی ان باتوں سے سید خوش ہوا اور میں نے یہ وعدہ کر لیا کہ اللہ کل جواب دہوں گا۔

جہاز میں کیمین سے نکل کر ہوا خوری کے لئے میں چھت کی طرف گیا تو میرے ذہن میں ایک نئی فکر تھی اور میری عقل اس سمندر میں گم ہو گئی تھی جس نے آفاق کو پر کر دیا تھا۔ اور میں اس خدا کی حمد کی تسبیح کر رہا تھا جس نے کائنات کو پیدا کیا اور مجھے اس منزل تک پہنچایا۔ میں یہ دعا کر رہا تھا کہ مجھے شر اور اہل شر سے محفوظ رکھے اور ہر خطا و لغزش سے بچائے رہے۔ میرے ذہن میں سارا سلسلہ حادثات گردش کر رہا تھا۔ وہ سعادتیں جو میں نے بچپن سے آج تک دیکھی تھیں اور جن سے بہترین مستقبل کی آرزو رکھتا تھا اور یہ احساس پیدا کرتا تھا کہ عنایت الہی میسر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

میں ایک مرتبہ مصر کی طرف متوجہ ہوا جس کے بغض سائل ابھی بھی نظر آ رہے

تھے میں نے اس سرزمین کو اوداع کہا جہاں قیص پیغمبر کو یوسہ دیا تھا جو میری زندگی کی عزیز ترین یادگار ہے۔ اس کے بعد میں اس شیعہ کی باتوں پر غور کرنے لگا جس نے میرے اس خواب کو شرمندہ تبخیر بنانے کا ارادہ ظاہر کر کے مجھے بے حد خوش کر دیا تھا کہ میں عراق کی زیارت کر دوں گا جس کا نقشہ میرے ذہن میں ہارون اور مامون کے قہر شاہی نے بنا لیا ہے جس نے اس دارالحکومت کی تاسیس کی تھی جہاں ہر دور میں مغرب کے طلاب علوم تحصیل علم کے لئے جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ عراق قطب ربانی شیخ صہبانی عبدالقادر جیلانی کا ملک ہے جن کی شہرت ساری کائنات میں ہے اور جن کی طریقت کا بزرگ چاہرستی اور ہر علاقہ میں ہے۔ میرے اس خواب کا تبخیر پروردگار کی جدید ترین ہر بانی ہے۔ اب میں خیال اور امیدوں کے سمندر میں تیرہا تھا یہاں تک کہ جہاز والوں کی طرف سے اعلان ہوا کہ مسافرین محترم شب کے کھانے کے لئے تشریف لے آئیں۔ میں ڈانٹنگ ہال کی طرف چلا تو یہاں لوگ حسب عادت ایک دوسرے کو ڈھکیل کر آگے بڑھنے کی فکر میں تھے اور ایک شور مہنگا مہ برپا تھا۔ اچانک میرے شیعہ ساتھی نے میرا دامن پکڑ کر کھینچا اور کہا کہ اپنے کوزحمت میں نہ ڈالے ہم تھوڑی دیر کے بعد بغیر کسی زحمت کے کھالیں گے اور میں تو آپ کو تلاش ہی کر رہا تھا اس کے بعد اس نے پوچھا کہ آپ نے نماز پڑھ لی ہے، میں نے کہا نہیں تو اس نے کہا کہ آئیے پہلے نماز پڑھیں اس کے بعد کھانے کے لئے جائیں گے، جب تک جگہ خالی ہو جائے گی۔ میں نے اس رائے کو پسند کیا اور ایک خالی جگہ پر جا کر وضو کیا۔ اور اپنے ساتھی کو امام بنا کر آگے بڑھا دیا تاکہ دیکھوں کہ یہ کس طرح نماز پڑھتا ہے اس کے بعد میں اپنی نماز کا امامدادہ کر لوں گا۔

اس نے مغرب کی نماز شروع کی اور جب قرات و دعا کو تمام کیا تو میری رائے

بدل گئی۔ اور ایسا محسوس ہوا کہ جس نے صبح کرام میں کسی کے مجھ بڑھے راہ را ہنک

ورع و تقدس کے بارے میں بہت کچھ پڑھتا رہا ہوں۔

نماز کے بعد اس نے دعائیں طول دیا اور ایسی دعائیں پڑھیں جنہوں نے اس سے پہلے اپنے ملک میں یا کسی دوسرے ملک میں کبھی نہیں سنا تھا۔ میرا دل اس وقت بہت خوش ہوتا تھا جب وہ محمد وآل محمد پر صلوات پڑھتا تھا۔ اور ان کی صحیح شمار و صفت کرتا تھا۔ میں نے نماز بعد دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے آثار ہیں اور پڑھتا کہ وہ میری بصیرت و ہدایت کیلئے اللہ سے دعا کر رہا ہے۔

ہم لوگ ڈانٹنگ ہال میں اس وقت داخل ہوئے جب مجمع جا چکا تھا۔ اس نے پہلے مجھے بٹھا یا۔ اس کے بعد خود بیٹھا، ہمارے لئے کھانے کی دو پلیٹیں لائی گئیں۔ اس نے پلیٹوں کو تبدیل کر دیا۔ اس لئے کہ ہماری پلیٹ میں گوشت کم تھا اور اس طرح اصرار کرنا شروع کیا جیسے میں اسی کا بہان ہوں۔ اس نے آداب اکل و شرب کے بارے میں ایسی روایتیں بیان کیں جو میں نے کبھی نہیں سنی تھیں۔ مجھے اس کے اخلاق بھرا چھے لگے۔ ہم نے اس کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی اور اس نے دعائیں اتنا طول دیا کہ مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔ اور میں نے اللہ سے دعا کی کہ اسکے بارے میں میرے خیالات کو بدل دے۔ اس لئے کہ بعض خیالات گناہ بن جاتے ہیں۔ لیکن کون جانتا تھا۔ رات کو میں سو یا تو خواب میں عراق کی راتیں دیکھ رہا تھا، اور اس وقت بیدار ہوا جب اس نے نماز فجر کے لئے بیدار کیا۔ ہم نے نماز پڑھی اور پھر بیٹھ کر اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ شروع کر دیا۔ ہم دوبارہ آکر سو گئے اور جب اٹھے تو دیکھا کہ وہ اپنی سیٹ پر تریح لئے ہوئے ذکر خدا کر رہا ہے۔ بید خوشی محسوس ہوئی اور میرا دل مطمئن ہو گیا اور میں نے پروردگار سے استغفار کیا۔ ہم کھانا کھا رہے تھے جب اعلان ہوا کہ جہاز ساحل سے قریب تر ہو رہا ہے اور عنقریب دو گھنٹے کے بعد ہم بیرون کے لورٹ پر بیٹھ جائیں گے۔

اس نے مجھ سے پوچھا کیا آپ غور کر چکے اور آپ سے یہ فیصلہ کیا ہے؟  
میں نے کہا کہ اگر پروردگار نے دینہ کی سہولت دلا دی تو بظاہر کوئی مانع  
نہیں ہے اور میں نے اس کی دعوت کا شکریہ ادا کیا۔

ہم بیروت وارد ہوئے رات وہاں گزار دی پھر دمشق کا سفر کیا جہاں پہنچتے  
ہی عراق کے سفارت خانہ گئے۔ اور ناقابل تصور حد تک عجلت کے ساتھ دینہ حاصل  
کر لیا۔ اور وہاں سے اس عالم میں بچکے کہ وہ مجھے مبارکباد دے رہا تھا اور اللہ  
کی مدد پر اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

## عراق کا پہلا سفر

ہم نے نجف کی ایک عالمی سر دس کی ایرکنڈیشنڈ بس سے دمشق سے بغداد  
کا سفر کیا جس وقت ہوا کا درجہ حرارت چالیس ڈگری تھا۔ بغداد پہنچنے کے بعد فوراً  
ہم نے اپنے میزبان کے گھر کا رخ کیا۔ ان کے ایرکنڈیشنڈ گھر میں پہنچ کر رات ملی  
اور انہوں نے ایک عراقی کرتا (دشواشہ) لاکر دیا کچھ میوے اور کھانے کا سامان لاکر  
رکھا اور گھر کے افراد ادب و احسان سے سلام کرنے کے لئے آئے لگے۔ ان کے  
والد نے اس طرح معاف کیا جیسے مجھے پہلے سے پہچانتے ہوں اور ان کی والدہ بیاہ  
عجا اور بھئی ہوئے دروازہ کے قریب کھڑی ہو گئیں اور وہیں سے سلام کیا اور  
خوش آمدید کہا۔ اور میرے دوست نے ان کی طرف سے یہ معذرت کی کہ ہمارے  
یہاں اجنبی انسان سے مصافحہ حرام ہے۔ مجھے بے حد تعجب ہوا اور میں نے دل ہی  
دل میں کہا کہ جن کو ہم دین سے خارج سمجھتے ہیں وہ ہم سے زیادہ دین کے پابند ہیں  
اور اس کے علاوہ ہم نے سفر کے دوران جو دن ان کے ساتھ گزارے ان میں بلند  
اخلاق، عزت نفس اور کرامت و شہامت کا مکمل مشاہدہ کیا۔ ایسی تواضع اور ایسا دواع  
جو اس کے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور اب محسوس ہوتا تھا کہ میں مسافر نہیں ہوں  
بلکہ اپنے گھر میں ہوں۔ رات کے وقت ہم لوگ سونے کے لئے پشت بام پر گئے اور میں  
آخر شب تک یہ سوچتا رہا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں یا بیدار ہوں۔ کیا واقعات ہیں  
بغداد میں حضرت عبدالقادر جیلانی کے ہم سایہ میں قیام پذیر ہوں۔ میرے دوست  
نے یہ محسوس کر کے مسکرا کر پوچھا کہ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں تیونس والوں کا  
عقدہ کیا ہے اور میں نے ان کے کرامات و مقامات کا تذکرہ کرنا شروع کر دیا جو ہمارے

یہاں برابر بیان ہوتے رہتے تھے کہ وہ دائرہ کرامت کے فطرب ہیں اور جس طرح پیغمبر  
سیدالانبیاء ہیں وہ سیدالاولیاء ہیں اور ان کا یہ کہنا حق بجانب ہے کہ تمام لوگ کعبہ کا  
طواف کرتے ہیں اور کعبہ میرے خیمہ کا طواف کرتا ہے۔

میں مسلسل اپنے دوست کو سمجھانا چاہتا تھا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی اپنے مریدوں  
کے پاس آکر ان کے امراض کا علاج کرتے ہیں اور ان کی پریشانیوں کو دور کرتے ہیں  
میں تصدیقاً بے خیالی میں ان وہابی عقائد کو بالکل بھول چکا تھا جس میں یہ تمام باتیں  
شرک باللہ تھیں۔ میں نے جب یہ محسوس کیا کہ میرے دوست پر کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے  
تو میں یہ سوچنے لگا کہ شاید میرا بیان ہی صحیح نہیں ہے اور میں نے ان سے ان کی رائے  
کے بارے میں پوچھا۔ میرے دوست نے ہنس کر کہا کہ رات کو سوئے مکان سفر میں  
آرام کیجئے کل النشاء اللہ ہم لوگ شیخ کی زیارت کریں گے۔ میں اس بات پر سجد خوش  
ہوا اور میرے دل کی آرزو تھی کہ صبح ابھی طالع ہو جائے۔ لیکن مکان سفر نے اتنا اثر  
کیا کہ میں طلوع آفتاب تک سوتا رہا اور میری نماز بھی قضا ہو گئی اور میرے دوست نے  
بتایا کہ میں نے بارہا جگننے کی کوشش کی لیکن جب کوئی فائدہ نہیں ہوا تو مجھے میرے  
حال پر چھوڑ دیا۔

## عبدالقادر جیلانی اور موسیٰ کاظمؑ

صبح کے ناشتہ کے بعد ہم بابا لیشخ ہم گئے اور اس جگہ کو دیکھا جس کی زیارت  
کامد توں سے اشتیاق تھا اور پھر بے تابانہ میسر قدم بڑھنے لگے اور میں اس شان  
سے داخل ہوا جیسے میں آغوشِ مرحمت میں پناہ لے رہا ہوں۔ میرے دوست مسلسل  
میرے ساتھ رہے۔ اور میں ان زائرین میں شامل ہو گیا جو اس مقام کی طرف اسی  
طرح بڑھ رہے تھے جیسے حجاج بیت اللہ کا ہجوم ہوتا ہے۔ بعض لوگ مٹھائیاں  
لٹا رہے تھے اور لوگ ان کو اٹھانے کے لئے مقابلہ کر رہے تھے۔ میں نے بھی دو  
مٹھائیاں حاصل کر لیں۔ ایک کو فوراً برکت کے لئے کھالیا۔ اور ایک کو یادگار کے  
طور پر جیب میں چھپا لیا۔ وہیں نماز ادا کی۔ بقدر امکان دعا کی اور پانی پیا گویا  
زمزم کا پانی پی رہا ہوں۔ اور چاہتا تھا کہ میرا دوست اتنی دیر انتظار کرے کہ  
میں اپنے تیونس کے بعض دوستوں کو وہ خط لکھ دوں جس پر شیخ عبدالقادر کے  
زوضنہ کی تصویر بنی تھی اور جسے میں نے وہیں سے خریدنا تھا کہ اپنے اصداقاہ و اقرباہ  
پر یہ ثابت کر سکوں کہ میری بلند ہمتی نے مجھے وہاں تک پہنچا دیا ہے جہاں ان میں  
سے کوئی نہیں پہنچا ہے۔ اس کے بعد ہم نے شہر کے ایک شعبی ہوٹل میں دوپہر کا  
کھانا کھلایا اور دوست مجھے ٹیکسی سے کاٹھین لے گیا۔ یہ لفظ مجھے اس گفتگو  
سے معلوم ہوا جو میرے دوست نے ٹیکسی ڈرائیور سے کی تھی اور جیسے ہی ہم گاڑی  
سے اتر کر چلے ہمیں ایک بہت بڑا مجمع دکھائی دیا۔ جس میں سب کے سب مرد و زن  
اطفال و بزرگ ایک ہی رخ پر جا رہے تھے۔ مجھے رسم حج کی یاد آگئی لیکن مجھے یہ  
نہیں معلوم تھا کہ میری منزل کیا ہے یہاں تک کہ مجھے سہرا گنبد اور سہرا مینار دکھائی

دیا جس سے آنکھیں چمکا چونکہ وہ ہر پہن تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ شیعوں کی کوئی مسجد ہے اسلئے اچھے معلوم تھا کہ یہ لوگ اپنی مسجدوں کو سونے چاندی سے مزین کرتے ہیں جو کہ اسلام میں حرام ہے۔

میں وہاں داخل نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن اپنے دوست کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے بے اختیار داخل ہو گیا۔ ہم پہلے دروازے سے داخل ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ بڑے بزرگ لوگ دروازے کے بوسے لے رہے ہیں میں نے اپنے نفس کو اس سختی کو پڑھ کر تسلی دی جس پر یہ لکھا ہوا تھا کہ بے پردہ عورتوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ اور حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا جب عورتیں اس شان سے نکلیں گی کہ لباس پہنے ہوں گی اور برہنہ ہوں گی۔ ہم اس مقام تک پہنچے جہاں ہمارا دست اذن دخول پڑھ رہا تھا۔ اور ہم دروازے کو دیکھ رہے تھے اور اس سونے چاندی کو دیکھ رہے تھے جس نے اس کی صفحہات کو پر کر دیا تھا۔ اور ہر طرف آیات قرآنی کے نقوش تھے۔ میں اپنے دوست کے ساتھ چلتا رہا اور مسلسل ان بیانات کی بنا پر چونکا رہا جو میں نے بعض کتابوں میں پڑھے تھے اور جن میں شیعوں کو کافر ثابت کیا گیا تھا۔ میں نے روضہ کے اندر ایسے نقش و نگار دیکھے جن کا تصور بھی نہیں کیا تھا اور دروازے پر لکھا گیا۔ گویا کسی غیر مانوس اور غیر معرف عالم میں پہنچ گیا ہوں۔ میں بار بار بددلی سے ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا جو حضرت کے گرد طواف کر رہے تھے اور اس کے ارکان کو بوسہ دے رہے تھے جب کہ دوسرے لوگ نماز بھی پڑھ رہے تھے۔

مجھے فوراً پیغمبر اسلام کی حدیث یاد آگئی کہ ”خدا یہود و نصاریٰ کا برا کرے کہ انہوں نے اپنے اولیا کی قبروں کو سجد بنا لیا ہے“

میں اپنے دوست سے دور ہو گیا جب دیکھا کہ اس نے داخل ہوتے ہی گریہ شروع کر دیا پھر اس کو نماز کے لئے میں نے آزاد کر دیا اور میں اس زیارت کی سختی کے

کے قریب کھڑا ہو گیا۔ جو فریح پر معلق کی گئی تھی۔ میں نے اس کو بڑھا تو اس میں اجنبی نام تھے جن کو میں سمجھ نہ سکا۔ آخر میں ایک گوشہ میں کھڑا ہو کر صاحب قبر کے لئے فاتحہ پڑھا کہ خدایا اگر یہ میت مسلمان ہو تو اس پر رحمت نازل فرما کہ تو اس کے حالات کو مجھ سے بہتر جانتا ہے۔

میرا دوست مجھ سے قریب آیا اور آہستہ سے کان میں کہا کہ اگر تمہارے پاس کوئی حاجت ہے تو اس مقام پر اللہ سے طلب کر دکہ ہم لوگ ان کو باب الحوائج کہتے ہیں۔

میں نے اس کے قول کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ ان بوڑھے بوڑھے لوگوں کو دیکھتا رہا جن کے سروں پر سیاہ و سفید عمارت تھے اور جن کی پیشانیوں پر سجدوں کے آثار تھے اور ان کی ہیبت کو ان ڈارٹھیوں نے اور بڑھا دیا تھا جن کو انہوں نے چھوڑ رکھا تھا اور ان سے خوشبو نکل رہی تھی عالم تھا کہ جب بھی کوئی شخص داخل ہوتا تھا تو بے ساختہ رونے لگتا تھا۔ تو میں نے اپنے اندر یہ سوال اٹھایا کہ کیا یہ ایسے آنسو جھوٹے ہیں۔ اور کیا یہ ہو سکتا ہے کہ سارے بوڑھے بزرگ خطا کار ہوں؟ میں سیحرت اور دہشت کے عالم میں باہر نکل آیا جب کہ میرا دوست احتراماً اٹلے پاؤں چل رہا تھا تاکہ قبر کی طرف پشت نہ ہونے پائے۔

میں نے اس سے پوچھا کہ یہ صاحب قبر کون ہے؟ اس نے کہا کہ امام موسیٰ کاظمؑ۔ میں نے پوچھا کہ یہ امام موسیٰ کاظمؑ کون ہیں؟

اس نے کہا سبحان اللہ آپ اہلسنت نے مغز کو چھوڑ دیا اور جھلکوں کو پکڑ لیا۔ میں نے غصہ میں آکر کہا کہ اس لفظ کا مطلب کیا ہے تو اس نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا کہ بھائی آپ جب سے عراق میں داخل ہوئے ہیں برابر عبدالقادر جیلانی کا ذکر کر رہے ہیں۔

میں نے فوراً پورے فخر کے ساتھ جواب دیا کہ یہ ذریت پیغمبر میں ہیں اور اگر پیغمبر کے ہوتے تو نبی ہوتا تو عبدالقادر جیلانی ہوتے۔

اس نے کہا کہ برادر سہادی! کیا آپ تاریخ اسلامی سے باخبر ہیں؟ میں نے بلا تردد جواب دیا جی ہاں! حالانکہ حقیقتاً میں تاریخ اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس لئے کہ ہمارے اساتذہ اور معلمین ہم کو اس کام سے اس لئے روکتے تھے کہ یہ تاریخ سیاہ اور تاریک ہے اور اس کے پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ میرے ایک استاد جو بلاغت کا درس دیا کرتے تھے ایک دن پہنچ البلاغہ کا خطبہ شفق شقیبہ پڑھا رہے تھے اور میں اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح اس کے مضامین سے حیرت زدہ ہوا جا رہا تھا۔ اور میں نے ہمت کر کے یہ سوال کیا، کیا واقعتاً یہ امام علی کا کلام ہے تو انھوں نے کہا کہ یقیناً اور ان کے علاوہ ایسی بلاغت کس سے ممکن ہے اور اگر یہ ان کا کلام نہ ہوتا تو محمد عبیدہ جیبی علما، اسلام اسکی شرح کیوں کرتے تو میں نے کہا کہ امام علیؑ تو ابو بکر و عمر کو لے لڑاکا دیتے ہیں کہ انہوں نے ان کے حق خلافت کو غضب کر لیا ہے؟ تو میرے استاد کو جلال آگیا اور انہوں نے شدت سے ڈانٹے ہوئے آئندہ ایسے سوالات پر کالج کے نکال دینے کی ہتھکڑی اور فرمایا کہ ہم بلاغت کے مدرس ہیں تاریخ کے مدرس نہیں ہیں ہماری نظر میں اس تاریخ کی کوئی اہمیت نہیں ہے جس کے صفحات فتنوں اور مسلمانوں کے درمیان خونریز جنگوں سے سیاہ ہیں۔ اور جب خدا نے ہماری تلواروں کو ان کے خون سے پاک رکھا ہے تو ہم اپنی زبانوں کو بھی ان کی برائیوں سے پاک رکھیں گے میں اس توجیہ سے مطمئن نہیں ہوا۔ اور میرا غصہ اس استاد پر برقرار رہا جو بے معنی بلاغت کا درس دے رہا تھا۔ اور میں نے کئی مرتبہ تاریخ اسلامی پڑھنے کا ارادہ کیا لیکن میرے

دیتے نہ دیکھا تھا بلکہ گویا سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ اسے پیٹ کر رکھ دیا جائے۔ اسی لئے کسی کے پاس مکمل تاریخ کی کوئی ایک کتاب دیکھی اور اسی لئے جب میرے دوست نے تاریخ کے بارے میں سوال کیا تو میں نے صرف ہٹ دھرمی کے طور پر کہہ دیا اور میری زبان حال یہ کہہ رہی تھی کہ تاریخ ایک سیاہ و تاریک تاریخ ہے جس کا کوئی فائدہ فتنہ و فساد اور اختلافات و تناقضات کے علاوہ نہیں ہے۔ میرے دوست نے پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ عبدالقادر جیلانی کب پیدا ہوئے اور کس دور کے آدمی ہیں؟

میں نے کہا کہ تقریباً چھٹویں یا ساتویں صدی کے۔

اس نے کہا کہ ان کے اور رسول اللہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہے تو میں نے کہا

کچھ صدی کا

اس نے کہا کہ اگر ایک صدی میں کم سے کم دو نسلیں گذرتی ہیں تو ان کے اور

رسول کے درمیان بارہ نسلوں کا فاصلہ ہوگا؟

میں نے کہا بیشک۔

اس نے کہا لیکن حضرت موسیٰ بن جعفر ابن محمد ابن علی ابن الحسین ابن فاطمہ زہرا

کا نسب ان کے جد رسول اللہ تک جا رہی پشتوں میں پہنچ جاتا ہے یا یوں کہئے کہ وہ دوسری

صدی ہجری میں پیدا ہونے والے ہیں تو اس طرح رسول اللہ سے قریب کون ہوگا؟

میں نے بے ساختہ جواب دیا کہ یقیناً یہ قریب تر ہوں گے لیکن ہم ان کے بارے

میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔

اس نے کہا کہ اصل حاصل غزل یہی ہے اور اسی لئے میں نے کہا تھا کہ آپ لوگوں

نے مغز کو چھوڑ دیا ہے اور چھلکوں کو لے لیا ہے تو آپ برانڈ نامیں میں آپ سے معافی

چاہتا ہوں۔ ہم باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ ایک مرتبہ ایک علمی مجلس تک پہنچنے

جہاں طلباء و اساتذہ آپس میں تبادلہ خیالات کر رہے تھے ہم وہاں بیٹھ گئے۔ اور ہمارا دوست جیسے کسی کو تلاش کرنے لگا کہ آئیں ایک شخص نے آکر ہمیں سلام کیا۔ اور ہم سمجھ گئے کہ یہ اس کا جامہ کا دوست ہے، اس نے کسی شخص کے بارے میں سوال کیا اور ہم نے جوابات سے اندازہ لگا یا کہ وہ ڈاکٹر ہے جو عنقریب آنے والا تھا۔ اتنے میں میسر دوست نے کہا کہ میں آپ کو یہاں اس لئے لایا ہوں کہ میں آپ کی ملاقات ایک ایسے ڈاکٹر سے کراؤں گا جو تاریخ میں ایک سپرٹ ہے اور لینڈ دیویٹی میں تاریخ کا پروفیسر ہے۔ اس نے عبدالقادر جیلانی کے بارے میں تھیسس لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہے اور اس کی ملاقات آپ کے حق میں مفید ہو سکتی ہے۔ میں تاریخ کا ماہر نہیں ہوں۔

ہم نے تھوڑا بہت کولڈ ڈرنک پیا تھا کہ وہ پروفیسر صاحب آگئے۔ ہمارے دوست نے اٹھ کر سلام کیا اور مجھ کو ان کے سامنے پیش کر کے یہ تعارف دے دیا۔ عبدالقادر جیلانی کی زندگی کے بارے میں کچھ بتائیں۔ ڈاکٹر نے ہمارے لئے ٹھنڈا شربت منگایا اور ہم سے ہمارے نام شہر اور پیشہ کے بارے میں پوچھا اور یہ سوال کیا کہ تینوں عبدالقادر جیلانی کی شہرت کیسی ہے؟

میں نے ان سے بہت سی باتیں بنائیں اور یہ بھی کہا کہ ہمارے یہاں لے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ شب معراج جب جبریل ایک مقام پر جا کر ٹھہر گئے تو حضور کو عبدالقادر جیلانی اپنے کانڈھوں پر لے گئے اور حضور نے یہ سند دی کہ میسر قدم تمھاری گردن پر ہیں اور تمھارا قدم قیامت تمام اولیاء کی گردنوں پر رہیں گے۔ ڈاکٹر صاحب ہماری یہ بات سن کر بہت ہنسے اور میں نے نہ سمجھ سکا کہ

کہ یہ منہی ان روایات ہے یا کسی اور بات ہے۔ تھوڑے سے مباحثہ کے بعد انھوں نے کہا کہ میں نے ریسرچ کے دوران سات سال میں لاہور ٹرکی، مصر، برطانیہ،

اور ان تمام مقامات سفر کیا ہے جہاں عبدالقادر جیلانی کی طرف منسوب مخطوطات تھے اور ان سب کی تصویریں بھی حاصل کی ہیں لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہ مل سکا کہ وہ رسول اللہ کی اولاد سے تھے۔ صرف ان کی اولاد میں سے کسی شخص کا ایک شہرے جس میں رسول اللہ کو چد کہا گیا ہے اور بعض علمائے اس کی تفسیر بھی پیغمبر کی اس حدیث سے کی ہے کہ "میں ہر پرہیزگار کا چد ہوں" اور پھر مزید یہ بتایا کہ صحیح تاریخ کی بنا پر عبدالقادر کی اصل ایرانی ہے اور وہ اسلاماً عربی نہیں ہیں۔ وہ ایران کے ایک شہر جیلان میں پیدا ہوئے اور اسی کی طرف منسوب ہیں۔ وہاں سے بغداد آئے اور وہیں علم حاصل کیا۔ اور پھر وہیں درس دینے لگے جس وقت کہ وہاں کے اخلاقی حالات بحد خراب تھے۔ انہوں نے زہد کا راستہ اختیار کیا تو لوگوں نے ان سے محبت کرنا شروع کر دیا

اور مرنے کے بعد ان کے نام پر ایک طریقہ قادریہ ایجاد کر دیا جس طرح کہ عام طور پر صوفیوں کے مرید کیا کرتے ہیں اور یقیناً اس اعتبار سے عرب کی حالت انتہائی افسوسناک اچانک میرے ذہن میں وہاں بیت کی غیرت بھڑک اٹھی اور میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ وہابی انجیال معلوم ہوتے ہیں اور انھیں کی طرح ادیاء اللہ کا انکار کرتے ہیں۔ تو انھوں نے کہا کہ میں ہرگز وہابی انجیال نہیں ہوں اور مسلمانوں کی افسوسناک بات یہی ہے کہ وہ ہمیشہ افراط یا تفریط کی منزل میں رہتے ہیں یا تمام ایسے خرافات پر ایمان لائیں گے جن کی کوئی عقلی یا شرعی دلیل نہ ہو یا تمام اشیاء کا انکار کر دیں گے۔ یہاں تک کہ پیغمبر کے معجزات اور احادیث کا بھی اقرار نہ کریں گے اگر ان کے خواہشات اور عقائد سے ہم آہنگ اسی بعد المشرقین کا نتیجہ یہ ہے کہ صوفی اس امکان کے قائل ہو گئے کہ عبدالقادر جیلانی بیک وقت بغداد اور تونس میں سکتے ہیں کہ تونس کے مریض کو شفا دے دیں اور بغداد میں دجلہ میں ڈوبنے والے کو نکال لیں جو افراط کی منزل ہے اور وہابیوں نے اس کے رد عمل میں ہر شے کا انکار کر کے پیغمبر سے تو سل کو بھی شک قرار دیا



جو تفریط کی منزل ہے جبکہ ہم وہی چاہتے ہیں جو پروردگار نے کہا ہے کہ تم کو امت وسط بنانا یا گناہ ہے تاکہ لوگوں کے گواہ بنو۔ مجھے استاد کا کلام بہت پسند آیا اور میں نے بنیادی طور پر ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کی باتوں سے اطمینان کا اظہار کر دیا تو انہوں نے عبدالقادر جیلانی پر اپنی کتاب بحال کر مجھے بطور ہدیہ دی اور مجھے اپنے یہاں نہان بننے کی دعوت دی جس میں نے معذرت کر لی اور ہم تیونس اور شمالی افریقہ کے بارے میں مختلف باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ ہمارا دوست اپنے کام سے واپس آ گیا اور ہم رات کے وقت گھر واپس آ گئے جبکہ ہم نے سارا دن ملاقات اور مباحثات میں گزارا اور بعد چمدان کے احساس کی بنا پر اپنے کونینڈ کے سپرد کر دیا۔ صبح سویرے اٹھ کر میں نے نماز پڑھی اور اس کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔ میرا دوست اہل وقت اٹھا جب میں آدھی کتاب پڑھ چکا تھا۔ وہ بار بار مجھے ناشتہ کی دعوت دے رہا تھا لیکن میں انکار کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے مطالعہ مکمل کر لیا اور کتاب نے میرے اندر ایک ایسا شک پیدا کر دیا جو بہت دیر باقی نہیں رہ سکا اور عراق چھوڑنے سے پہلے پہلے زائل ہو گیا۔

## شک اور سوال

میں اپنے دوست کے گھر میں تین دن تقسیم رہا جس میں آرام بھی کیا اور مسلسل ان بیانات پر فکر بھی کرتا رہا جو ان لوگوں سے سنے تھے جن کا تازہ اکتشاف ہوا تھا اور گویا کہ یہ لوگ سطح قبر پر آباد تھے تو کیوں ایسا ہوا کہ ہر شخص ان کے بارے میں وہی تذکرے کرتا تھا جو عیب دار اور توہین آمیز ہوں اور کیوں میں خود ان سے بیزار اور متنفر ہوں جب کہ میں انہیں پہچانتا بھی نہیں، شاید یہ ان پر وہ پگنڈوں کا نتیجہ ہے جو ان کے بارے میں بارہا سنا ہے کہ یہ لوگ علیؑ کی عبادت کرتے ہیں، اور اپنے ائمہ کو خدا کی جگہ پر رکھتے ہیں اور حلول سٹے قائل ہیں یا خدا کو چھوڑ کر پتھر کو سجدہ کرتے ہیں یا جیسا کہ میرے باپ نے حج کی واپسی پر بیان کیا تھا کہ یہ لوگ قبرین کے پاس دہاں خجاستیں ڈالنے کے لئے آتے ہیں اور ان کو سعودیوں نے رنگے ہاتھوں گرنٹار کر کے پھانسی بھی دی ہے وغیرہ وغیرہ۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ مسلمان ایسی باتیں سنیں اور شیعوں سے بیزار اور متنفر نہ ہوں یا ان سے جہاد نہ کریں لیکن میری مشکل یہ ہے کہ میں ان اخبار کی کس طرح تصدیق کر دوں جبکہ میں نے اپنی آنکھوں سے بہت کچھ دیکھا ہے اپنے کانوں سے بہت کچھ سنا ہے اور اب تو ان کے در بیان رہتے ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ گزر چکا ہے جبکہ میں نے ان سے سوائے منطقی کلمات کے اور کوئی بات نہیں سنی ہے۔ وہ کلمات جو عقل میں بلا کسی اجازت کے داخل ہو جاتے ہیں بلکہ مجھے ان کی عبادت، نماز، دعا، اخلاق اور احترام علماء نے اس قدر متاثر کیا ہے کہ میں انہیں جیسا بننا چاہتا ہوں۔ اب میں اپنے دل ہی دل میں یہ سوال کرنے لگا ہوں کہ کیا واقعا یہ لوگ رسول اللہ سے نفرت کرتے ہیں جب کہ میں

بارہا ان کے سامنے حضور کا تذکرہ کیا اور ہر مرتبہ ان لوگوں نے بلند آواز سے صلوات پڑھی کہ مجھے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ سب منافق ہیں لیکن یہ خیال اس وقت ختم ہو گیا جب میں نے ان کی کتابوں کی درق گردانی کی اور پیغمبر کے بارے میں بیحد احترام اور تقدیس کے کلمات دیکھے جو اپنی کتابوں میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ یہ لوگ قبل بعثت اور بعد بعثت پیغمبر کی مکمل عصمت کے قائل ہیں جبکہ اہلسنت صرف تبلیغ قرآن میں مضموم مانتے ہیں اور باقی مقامات پر ایک خطا کا ریشہ قرار دیتے ہیں اور اکثر اوقات ان کی خطا اور صحابہ کی صحیح رائے کی مثالیں بھی دیتے ہیں جبکہ شیعہ اس بات کو شدت سے ٹھکرا دیتے ہیں کہ رسول اللہ غلطی کریں اور کوئی دوسرا شخص صحیح کہے تو ان حالات میں کس طرح میں اس بات کی تصدیق کر سکتا ہوں کہ یہ لوگ سوال اللہ کو ناپسند کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن میں نے اپنے دوست سے اس موضوع پر گفتگو کی اور اس سے التماس کی بلکہ قسم دلائی کہ جواب بالکل صاف و صریح ہو جس کے نتیجہ میں یہ گفتگو سامنے آئی۔

— آپ لوگ علی کرم اللہ وجہہ کو منزلہ انبیاء سمجھتے ہیں اور جب ان کا ذکر آتا ہے تو علیہ السلام کہتے ہیں۔

— یقیناً ہم امیر المؤمنین اور ائمہ کے ذکر پر انہیں علیہ السلام کہنے میں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ حضرات انبیاء ہیں، یہ رسول کی ذریت اور ان کی وہ عزت ہیں جن پر صلوات بھیجے گا حکم دیا گیا ہے اور اسی بنا پر ان پر علیہ الصلوٰۃ والسلام کہنا درست ہے۔

— برادر، ہم سوائے رسول اللہ اور انبیاء و صالحین کے کسی کے لئے صلوات و سلام کے قائل نہیں ہیں اور اس میں علی یا اولاد علی کا کوئی دخل نہیں ہے۔

— مہر خواہش، اور یہ اتفاقاً نہ ہے کہ آپ کچھ زیادہ بڑھیں تاکہ حقیقت

نے باخبر ہو جائیں۔

— برادر، میں کون سی کتابیں پڑھوں۔ کیا آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ اہل ایمان کی کتابیں بھی ہمارے لئے سند اور قابل اعتماد نہیں ہیں۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں کی کتابوں میں عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے کا ذکر موجود ہے جبکہ قرآن حکیم جو کہ اصدق العالمین ہے خود عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے نقل کرتا ہے کہ میں نے صرف یہ کہا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔

— آپ نے بالکل صحیح کہا۔ میں آپ سے کہہ بھی چکا ہوں اور پھر یہ چاہتا ہوں کہ عقل و منطق استعمال کریں اور قرآن کریم اور سنت صحیحہ سے استدلال کریں اس لئے کہ ہم سب مسلمان ہیں ہاں گفتگو اگر کسی یہودی یا عیسائی سے ہوتی تو طرز استدلال کچھ اور ہوتا۔

— میں کس کتاب میں حقیقت تلاش کروں جب کہ ہر مؤلف، ہر فرقہ اور ہر مذہب اپنے برحق ہونے کا دعویدار ہے۔

— میں عنقریب بہت واضح دلیل پیش کروں گا جس میں مسلمانوں کے فرقوں میں کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ آپ ہمیں جانتے ہیں۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ علم میں اضافہ کرے۔ کیا آپ نے آیت کریمہ "ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً" کی تفسیر پڑھی ہے اس کے بارے میں تمام شیعہ اور سنی مفسرین کا اجماع ہے کہ جن اصحاب کو مخاطب بنایا گیا ہے وہ رسول اللہ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہم آپ پر سلام کا طریقہ جانتے ہیں لیکن صلوات کا طریقہ نہیں جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ کہو "اللہم صل علی محمد و آل محمد کما صلت علی ابراہیم ذال ابراہیم فی العالمین انک حمید



میرا دست مجھے گھر پر لے کر آیا اور میں راستہ بھران دعاؤں کو دہراتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے مسکرا کر کہا خدا ہمیں اور آپ کو اور سارے مسلمانوں کو ہدایت دے کہ اس نے اپنی کتاب محکم میں فرمایا ہے کہ ”جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے اور اللہ نیک کردار لوگوں کے ساتھ ہے“ اور جہاد۔ اس آیت میں علمی بحث کے معنی میں ہے جو انسان کو حقیقت تک پہنچا دے۔ اور اللہ ہر طالب حق کو حق کی ہدایت کرنے والا ہے۔

## سفر نجف

ایک رات میرے دست نے خبر دی کہ میں کل اٹشہ نجف کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ نجف کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ایک علمی شہر ہے جہاں امام علی بن ابی طالبؑ کی قبر ہے۔ میں حیرت میں پڑ گیا کہ اسے امام علیؑ کی قبر کیوں کہہ سکتا ہوں؟ جب کہ ہمارے شیوخ بتاتے ہیں کہ ان کی کوئی مشہور قبر نہیں ہے پھر کبھی ہم ان کے ساتھ ایک عمومی گاڑی میں سوار ہو کر پہلے کو فہ پہنچے کہ مسجد کو فہ کی زیارت کریں جو اسلام کے قدیم ترین باقی آثار میں سے ہے وہاں میرے ساتھی نے تاریخی مقامات دکھلائے اور مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کا مزار دکھلایا اور مختصر لفظوں میں ان کی شہادت کی کیفیت بیان کی۔

اس کے بعد مجھے اس محراب میں لے گئے جہاں امام علیؑ کی شہادت ہوئی تھی۔ اس کے بعد ہم نے ان کے اس گھر کی زیارت کی جس میں وہ اپنے دونوں فرزند سیدنا الحسنؑ اور سیدنا حسینؑ کے ساتھ رہتے تھے۔ اس گھر میں وہ کنواں بھی ہے جس سے وہ حضرات پانی پیتے تھے اور وضو کرتے تھے۔ میں نے اس گھر میں چند ایسے روحانی لمحات گزارے کہ دنیا اور مافیہا سے غافل ہو گیا، اور صرف امام کے زہد اور ان کی سادگی زندگی پر غور کرتا رہا جب وہ امیر المؤمنین تھے اور جو تھے خلیفہ راشد بھی تھے۔ میں اہل کو فہ کی تواضع اور شرافت کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ میں جس گروہ کے پاس سے گذرا اس نے اٹھ کر ہمیں سلام کیا اور ہمارا ساتھی ان میں سے بہت سے افراد سے واقف بھی تھا۔ ایک شخص جو وہاں کا مدیر تھا اس نے ہمیں اپنے گھر بلایا وہاں ہم نے اس کے بچوں سے ملاقات کی اور نہایت ہی خوشگوار رات گذاری جیسے ہم اپنے گھر اور خاندان

دالوں کے درمیان ہوں۔ یہ لوگ جب بھی بلسنت کا تذکرہ کرتے تھے تو برادرانِ اہلسنت کہتے تھے جس سے میں بہت مانوس ہوا اور میں نے اس لفظ کی صداقت معلوم کرنے کیلئے بہت سے امتحانی سوالات بھی کئے۔

کوئٹہ سے ہم نجف گئے جو وہاں سے تقریباً دس کیلو میٹر کے فاصلہ پر ہے وہاں پہنچتے ہی ہمیں کانپن کی یاد آگئی کہ دو در سے روئے کے مینار نظر آئے جو سنہرے گنبد کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔ شیعہ زائرین کے طریقہ کے مطابق ہم اذن دخول پڑھ کر امام کے حرم میں داخل ہوئے اور وہاں ہم نے کانپن سے زیادہ عجیب منظر دیکھا، اپنے عادتاً فاتحہ پڑھا جبکہ مجھے اس بات میں شک تھا کہ اس قبر میں امام علیؑ کا جسد اطہر ہے بلکہ اس گھر کی سادگی کو دیکھ کر جس میں آپ کو نہ میں رہا کرتے تھے یہ اطمینان ہو گیا کہ حضرت علیؑ اس سنہری اور روپسلی آرائش سے ہرگز راضی نہیں ہو سکتے جبکہ دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمان بھوک سے مر رہے ہیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ خود وہاں بھی میں نے ایسے فقراء دیکھے جو خیرات مانگنے کے لئے ہر راہ گیر کے آگے ہاتھ پھیلا دیتے تھے۔

میری زبان حال یہ کہہ رہی تھی شیعو! تم غلطی پر سو کہم از کم اپنی غلطی کا اقرار کرو کہ جس علیؑ کو رسول اللہ نے قبروں کو برابر کر دینے کے لئے بھیجا تھا اس کی قبر پر سونے چاندی کی کاری گری اگر شرک نہیں ہے تو کم سے کم ایسی عظیم غلطی ضرور ہے جس کو اسلام معاف نہیں کر سکتا۔

میرے ساتھی نے سٹی کا ایک ٹکڑا بڑھاتے ہوئے سوال کیا کہ کیا آپ نماز پڑھیں گے۔ تو میں نے سختی سے جواب دیا کہ ہم قبروں کے پاس نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ اس نے کہا اچھا اتنی ہمت دیجئے کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ میں سکے انتظار میں رہا، مگر وہ تھوڑے ہی بعد گھبرا کر بھاگ گیا اور جالیوں کے درمیان سے اس کے

اندرد دیکھا تو اس میں درہم دینا اور زیاں دلیرہ کے نوٹ بھرے ہوئے تھے اسکو زائرین وہاں کے تعمیر می پروگرام میں حصہ لینے کے لئے برکت کے طور پر ڈال دیتے تھے میرا یہ خیال تھا کہ اتنی بڑی مقدار کئی ہینڈوں میں جمع ہونی ہوگی۔ لیکن میرے ساتھی نے بتایا کہ یہاں کے خنولین ہر رات نماز عشاء کے بعد اس ذخیرہ کو صاف کر دیا کرتے ہیں۔ میں وہاں سے نہایت ہی حیرت و دہشت کے عالم میں نکلا اور گویا سیری آرزو تھی کہ کاش اسپیس سے کچھ مجھے مل جاتا یا کم سے کم ان فقراء و مساکین ہی پر تقسیم ہو جاتا جو وہاں بکثرت پائے جاتے تھے۔ میں چار دیواری کے ہر گوشہ میں دیکھ رہا تھا کہ لوگوں کی جماعتیں کہیں محو نماز ہیں اور کہیں خطبہ کے بیانات سن رہی ہیں اور بعض اطراف سے رونے کی آوازیں بھی بلند ہیں۔ پھر میں نے کچھ گروہوں کو دیکھا جو گریہ کے ساتھ سینہ زنی بھی کر رہے تھے اور میں نے چاہا کہ اپنے ساتھی سے دریافت کروں کہ انھیں کیا ہو گیا ہے جو گریہ و سینہ زنی کر رہے ہیں کہ ہمارے قریب سے ایک جنازہ بھی گزر رہا ہے جس کے بارے میں یہ دیکھا کہ صحن کا ایک پتھر اٹھا کر میت کو مرداب میں اتار دیا گیا تو میں سمجھا کہ یہ روناشاید اسی میت کے لئے تھا جو ان لوگوں کی نگاہ میں عزیز و محبوب رہی ہوگی۔

## ملاقات علماء

میرا انتہائی مجھے حرم کے گوشہ کی ایک مسجد میں نے گیا جہاں مکمل طور پر قائلین بچھا ہوا تھا۔ اور خراب میں نہایت ہی خوبصورت طریقہ سے آیات قرآنی نقش تھیں۔ میری توجہ بچوں کی اس جماعت کی طرف ہو گئی جو علمائے باندھے ہوئے خراب کے قریب مباحثہ کر رہے تھے اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ مجھے یہ منظر انتہائی حسین دکھائی دیا۔ اور میں نے کبھی ایسے اہل علم نہیں دیکھے تھے جو تیرہ اور سولہ کی درمیانی عمر میں علماء کی شکل میں ہوں اور ان کا لباس اس انداز کا ہو جو انہیں آسمان کا چاند بنا دے۔

میں سے ساتھی نے ان لوگوں سے بد کے بارے میں سوال کیا۔ تو انہوں نے بتایا کہ وہ نماز جماعت پڑھائیں گے۔ میں نے سمجھا کہ یہ سید کوئی بزرگ ہیں لیکن اتنا ضرور اندازہ ہو گیا کہ وہ علماء میں کوئی بزرگ ہیں۔ یہ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ قوم شیعہ کے عظیم ترین رہنما حوزہ علیہ کے زعیم و ذمہ دار سید الخوئی ہیں جبکہ مجھے یہ معلوم تھا کہ شیعوں میں سید ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو نسل پیغمبر ہے ہوا در سید عالم ہوا طالب علم یا ہ علمامہ باندھتا ہے جبکہ دوسرے علماء سفید علمامہ باندھتے ہیں اور انہیں شیخ کہا جاتا ہے اسکے علاوہ باقی اشراف جو علماء نہیں ہیں سبز علمامہ باندھتے ہیں۔ میرے ساتھی نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم تھوڑی دیر ان کے ساتھ بیٹھیں اور اس کے بعد سید کی ملاقات کے لئے جائیں گے۔ ان لوگوں نے خوش آمدید کہا۔ اور نصف دائرہ بنا کر بیٹھ گئے۔ ایک ایک کے چہرہ کو بوند روکھ رہا تھا اور ان کی پاکیزگی و نفس اور پرہیزگاری کا احساس کرا رہا تھا۔ میرے ذہن میں پیغمبر کی حدیث گردش کر رہی تھی کہ انسان فطرتاً ہی پر پیدا ہوتا ہے

کہ رہا تھا کیا شیعہ بنا دیتے ہیں۔ ان بچوں نے میرے دطن کے بارے میں سوال کیا تو میں نے بتایا کہ تیونس۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا وہاں بھی حوزات علمیہ پائے جاتے ہیں؟ میں نے کہا کہ ہمارے یہاں اسکول اور کالج ہیں اس کے بعد چاروں طرف سے سوالات کی بوچھاڑ ہو گئی جو نہایت ہی گہرے اور پریشان کن تھے۔ میں ان بچوں سے کیا کہوں جن سادہ لوگوں کو یہ خیال ہے کہ سارا عالم اسلام حوزہ علمیہ ہے جہاں فقہ اصول دین اور شریعت و تفسیر کی تعلیم دی جاتی ہے اور انہیں یہ خبر نہیں ہے کہ ہمارا عالم اسلامی اور ہمارے ممالک اس دور سے آگے بڑھ گئے ہیں کہ ہم نے قرآنی مکاتب کو ابتدائی اسکول میں تبدیل کر دیا ہے جس کی نگرانی عیسائی راہبات کے ہاتھوں میں ہے تو کیا میں ان سے کہوں کہ یہ لوگ ہماری نسبت سے ابھی پچھڑے ہوئے ہیں۔

ایک بچہ نے مجھ سے سوال کیا کہ تیونس کا عمومی مذہب کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ مذہب مالکی اور یہ دیکھا کہ انہیں سے بعض بچے ہنس رہے ہیں۔ لیکن میں نے اس کی کوئی پروا نہیں کی اس نے کہا کہ کیا آپ لوگ مذہب جعفری سے باخبر نہیں ہیں؟ تو میں نے کہا نہیں۔ یہ نیا نام کیا ہے ہم تو سوائے چار مذاہب کے کچھ نہیں جانتے ہیں اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اسلام نہیں ہے۔

بچہ نے سکہ کر کہا معاف کیجئے گا مذہب جعفری خالص اسلام ہے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ امام ابو حنیفہ امام جعفر صادق کے شاگرد تھے اور ابو حنیفہ نے انہیں کے بارے میں یہ کہا تھا کہ اگر شاگردی کے دو سال نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ میں خاموش ہو گیا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس لئے کہ اس نے ایک ایسا نام لے لیا جس کو میں نے آج سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ لیکن میں نے شکر خدا کیا کہ امام جعفر صادق امام مالک کے استاد نہیں تھے، اور ہم تو مالکی ہیں حنفی

نہیں ہیں۔ اس نے کہا کہ مذاہب اربعہ میں سب نے ایک دوسرے سے علم لیا ہے، احمد بن حنبل نے شافعی سے، شافعی نے مالک سے، مالک نے ابو حنیفہ سے اور حضرت ابو حنیفہ نے حضرت جعفر صادقؑ سے لہذا یہ سب کے سب جعفر ابن محمد کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنے جد کی مسجد میں اسلامی درس گاہ قائم کی تھی جہاں چار ہزار سے زیادہ محدث اور فقہ ان کی شاگردی کرتے تھے۔ میں اس بچہ کی ذہانت کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا جو تاریخی واقعات کو اس روانی سے بیان کر رہا تھا جیسے ہم لوگ قرآن کے سورہ حفظ کرتے ہیں۔ اور اس وقت میری مدہوشی میں اور اضافہ ہو گیا جب اس نے بعض تاریخی مصادر جلد اور باب کے حوالہ کے ساتھ بیان کئے اور سلسلہ بیان کو یوں جاری رکھا جیسے کوئی استاد اپنے شاگرد کو تعلیم دے رہا ہو مجھے اس کے سنانے اپنی کمزوری کا احساس پیدا ہوا تو میں نے آرزو کی کہ کاش میں اپنے ساتھی کے ساتھ نکل گیا ہوتا اور ان بچوں کے درمیان نہ بیٹھا ہوتا۔ اب تو ان کے تاریخ و فقہ کے ہر سوال کے جواب سے میں عاجز تھا یہاں تک کہ ایک بچہ نے پوچھ لیا کہ میں خود کس امام کا مقلد ہوں تو میں نے کہا کہ امام مالک کا۔ اس نے کہا کہ آپ اس مردہ امام کی کس طرح تقلید کرتے ہیں جس کے اور آپ کے درمیان چودہ صدیوں کا فاصلہ ہے۔ اگر آج آپ کوئی نیا مسئلہ دریافت کرنا چاہیں تو وہ آپ کو کس طرح بتائیں گے؟ میں نے تھوڑی دیر غور کیا اور کہا کہ آپ کے جعفر بھی مر چکے ہیں تو آپ کس کی تقلید کرتے ہیں اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ یک زبان ہو کر فی الفور جواب دیا کہ ہم سید الخوی کے مقلد ہیں اور وہی ہمارے امام فقہ ہیں۔ میں نہ سمجھ سکا کہ ان کی نظر میں خویؑ امام ہیں یا جعفر صادقؑ۔ تو میں نے چاہا کہ موضوع تبدیل کر دوں اس لئے میں نے دوسرے سوالاً شروع کر دیے۔ نجف کی آبادی کتنی ہے۔ نجف اور بغداد کا فاصلہ کتنا ہے کیا تروک عراق کے علاوہ کوئی اور ملک بھی جانتے ہو۔ اور وہ جب کوئی جواب دیتے تھے

تو میں ایک نیا سوال پوچھ کر دیتا تھا تاکہ وہ مجھ سے سوال کرنے سے غافل ہو جائیں اسلئے کہ اب میسر پاس کوئی جواب نہیں رہ گیا تھا لیکن میں اس کمزوری کا اعتراف بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اگرچہ میں اندر سے معترف تھا کہ جو علم، بزرگی اور شرافت میں نے مصر میں دیکھی تھی وہ سب یہاں بھاپ بن کر اڑ گئی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ان بچوں سے ملنے کے بعد مجھے اس شعر کے معنی معلوم ہوئے کہ "جو شخص علم میں فلسفہ کا مدعی ہے اس سے کہہ دو کہ تم نے ایک شے کا تحفظ کیا ہے اور تمہارے ہاتھ سے بہت سی اشیاء نکل گئی ہیں"۔

میرا تصور یہ تھا کہ ان بچوں کی عقلیں ان مشائخ کی عقلوں سے بڑی ہیں جنکو میں نے ازہر میں دیکھا تھا۔ اور ان علماء کی عقلوں سے عظیم تر ہیں جن کو میں تونس میں جانتا ہوں۔ اتنے میں سید الخویؑ باوقار علماء کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے اور ان بچوں کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ بچوں نے بڑھ کر ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ ان کے بیٹھتے ہی سارا مجمع بیٹھ گیا۔ اور انہوں نے ہر ایک سے مساکم اللہ باخیر کہنا شروع کیا۔ اور سب نے ویسے ہی جواب دیا۔ یہاں تک کہ میرا نمبر آیا تو میں نے بھی ویسے ہی جواب دیا۔ پھر یہ سب ساتھی نے ان سے سرگوشی کرتے ہوئے میری طرف اشارہ کیا کہ قریب آئیں اور مجھے ان کے پہلو میں بٹھا دیا اور کہا کہ آپ سید سے بیان کریں کہ آپ نے تونس میں شیعوں کے بارے میں کیا سنا ہے؟ تو میں نے کہا کہ مجھے ان حکایات کی ضرورت نہیں ہے جو یہاں وہاں سے سنی ہیں۔ اب تو میں براہ راست شیعوں کے عقائد جاننا چاہتا ہوں اور میرے پاس کچھ سوالات ہیں جن کے واضح جوابات جاننا چاہتا ہوں۔ میسر ساتھی نے اصرار کیا کہ میں ان اعتقادات کا تذکرہ کروں تو میں نے کہا کہ ہمارے نزدیک شیعہ اسلام کے حق میں یہود و نصاریٰ سے بدتر ہیں۔ اس لئے کہ وہ لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور موسیٰ کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن شیعوں کے بارے میں سنا جاتا ہے کہ وہ علیؑ کی عبادت کرتے ہیں اور بعض خدا کی

عبادت بھی کرتے ہیں تو علیؑ کو نبی کی منزل پر قرار دیتے ہیں۔ پھر میں نے جبریل والا قصہ سنایا کہ انہوں نے خیانت کر کے رسالت کو علیؑ کے بجائے محمدؐ کے جو الکر دیا۔ یہ کچھ دیر سر ہٹھکا ستنے رہے۔ اس کے بعد نظر اٹھا کر فرمایا کہ ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور علیؑ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہیں اس سے بعد حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ دیکھو ان سادہ لوحوں کو غلط پردہ پیگنڈہ نے کس قدر غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیا ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے میں نے بعض لوگوں سے اس سے کچھ زیادہ ہی سنا ہے۔ دلائل و دلائلہ الا بال اللہ العلی العظیم۔ اس کے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا آپ نے قرآن پڑھا ہے؟ میں نے کہا کہ میں دس سال کی عمر میں نصف قرآن کا حافظ ہو چکا تھا۔ انہوں نے فرمایا تو کیا آپ جانتے ہیں کہ اسلام کے تمام فرقے قرآن کریم پر متفق ہیں۔ اور جو قرآن ہمارے پاس ہے وہی قرآن آپ حضرات کے پاس بھی ہے؟ میں نے کہا ہاں یہ مجھے معلوم ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کیا آپ نے یہ آیات نہیں پڑھیں ”کہ محمد صرف اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں“ یا ”محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی کفار کے لئے شدید ترین ہیں“ یا یہ کہ ”محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں“

میں نے کہا کہ ہاں میں ان آیات سے باخبر ہوں تو فرمایا ایلان آیات میں علیؑ کی رسالت کا ذکر کہاں ہے اور جب ہمارے قرآن محمد کو رسول کہتا ہے تو یہ ان آیات کہاں آیا؟ میں یہ سن کر خاموش ہو گیا تو مزید فرمایا کہ ایسا ذوال اللہ جبریل کی خیانت کی داستان تو اس سے زیادہ بدتر ہے اس لئے کہ جبریل جب حضرت محمدؐ کے پاس بھیجے گئے تھے تو حضرت کی عمر چالیس سال کی تھی اور علیؑ اس وقت کس بجے تھے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جبریل اتنی

وہ خاموش ہو گئے اور میں ان کے اقوال سے بارے میں فکر کرتا رہا اور ان کی گفتگو کا تجزیہ کر کے اس سے لذت حاصل کرتا رہا جو گفتگو میرے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی تھی اور اس نے میری نگاہوں سے پردے اٹھا دیئے تھے اور میں اس سے پوچھ رہا تھا کہ میں نے خود ایسی منطقی تحلیل کیوں نہیں کی۔

اس کے بعد سید انخوی نے مزید فرمایا کہ میں مزید یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام کے تمام فرقوں میں شیعہ ہی ایک ایسا فرقہ ہے جو انبیاء اور ائمہ کی عظمت کا قائل ہے تو جب ہمارے ائمہ جو ہماری ہی طرح کے ایک انسان تھے وہ تمام خطاؤں سے محفوظ اور معصوم ہیں تو جبریل کیسے غلطی کریں گے جو ملک مقرب بھی ہیں اور خدائے ان کو روح الامین بھی قرار دیا ہے۔

میں نے پوچھا کہ پھر یہ افتراءات کہاں سے آئے ہیں۔ تو انہوں نے بتایا کہ ان دشمنان اسلام کی طرف سے جو مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کر کے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتے تھے اور انہیں آپس میں ٹکرا دینا چاہتے تھے۔ درنہ مسلمان شیعہ ہو یا سنی سب آپس میں بھائی بھائی ہیں سب خدائے وحدہ لا شریک کی عبادت کرتے ہیں۔ سب کا قرآن ایک نبی ایک اور قبلہ ایک ہے۔ اختلاف فقہی مسائل میں ہے جس طرح کہ خود سنی مذاہب کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ مالک کو ابو حنیفہ سے اختلاف ہے اور ابو حنیفہ کو شافعی سے۔ میں نے کہا کہ تو کیا یہ تمام باتیں افتراء ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ بھلا اللہ صاحب عقل و فہم ہیں۔ آپ نے شیعوں کے علاقے دیکھے ہیں ان کے درمیان گردش کی ہے تو کیا کہیں ان الزامات کا کوئی اثر دیکھا ہے یا سنا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے تو صرف خیر ہی خیر دیکھا ہے۔ اور میں شکر خدا کرتا ہوں کہ میری ملاقات بحری جہاز میں استاد منعم سے ہو گئی اور میں انہیں کی وجہ سے عراق آ گیا اور یہاں بہت سی باتوں سے باخبر ہو گیا۔



میری یہ گفتگو سنکر استاد منعم نے مسکرا کر کہا کہ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت علیؑ کی کوئی قبر بھی ہے۔

میں نے انہیں روکا اور یہ کہنا شروع کیا کہ میں نے تو بہت سی نئی باتیں ان بچوں سے سمجھی سیکھی ہیں اور میرے ذہن میں یہ آرزو پیدا ہو گئی ہے کہ کاش مجھے موقع ہوتا تو میں انہیں کی طرح حوزہ عالیہ میں تعلیم حاصل کرتا۔ سید نے فرمایا اہلاً وسہلاً اگر آپ طلب علم کے خواہش مند ہیں تو حوزہ آپ کا ذمہ دار ہے اور ہم آپ کے خدمتگذار حاضرین نے اس تجویز کا استقبال کیا۔ خصوصاً میرے ساتھی منعم کا چہرہ خوشی سے دکنکنے لگا۔ میں نے کہا کہ میں شادی شدہ ہوں اور میرے دو بچے ہیں۔ سید نے فرمایا کہ میں غذا لباس، مکان اور تمام ضروریات کا ذمہ دار ہوں مقصد طلب علم ہے۔

میں نے تصدیق سے دیر غور کیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا کہ یہ بات کوئی مقول نہیں ہے کہ پانچ سال کالج میں استاد رہنے کے بعد میں یکبارگی شاگرد بن جاؤں ایسا فیصلہ اتنی آسانی سے نہیں کیا جاسکتا۔

میں نے سید انخوی کی اس پیشکش کا شکر یہ ادا کیا۔ اور یہ کہا کہ میں عمر سے واپسی پر وطن پہنچ کر غور کروں گا۔ لیکن مجھے چند کتابوں کی ضرورت ہے۔ سید نے کتابوں کے لئے حکم دیدیا تو علماء کی ایک جماعت کھڑی ہو گئی۔

اور مختلف اشاک کھل گئے۔ چند لمبے نہیں گزرے تھے کہ میرے سامنے ستر سے زیادہ کتابیں رکھی ہوئی تھیں اور ہر شخص ایک دورہ کتاب دے کر کہتا کہ یہ میری طرف سے ہدیہ ہے۔

میں نے دیکھا کہ ان تمام کتابوں کا لے جانا ممکن نہیں ہے خصوصاً جبکہ

مذہب کے مخالف دوسرے عقائد نہ پھیل جائیں لیکن میں ان کتابوں کے بارے میں کوئی کوتاہی بھی نہیں کر سکتا تھا جیسی کتابیں میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھیں۔ تو میں نے اپنے ساتھی اور دیگر حاضرین سے یہ کہا کہ میرا سفر بہت طویل ہے۔ دمشق اور سعودیہ اور واپسی میں اور طویل ہو جائے گا کہ مصر اور یبیا ہوتے ہوئے تیونس واپس جانا ہے اور گراں باری کے علاوہ بہت سی حکومتوں میں کتابوں کا داخلہ ممنوع بھی ہے تو سید نے فرمایا کہ آپ اپنا پتہ دیدیں تو ہم ان کتابوں کو بھجوا دیں گے۔ میں نے اس نظریہ کو پسند کیا اور اپنا کارڈ جس پر تیونس کا پتہ لکھا ہوا تھا ان کے حوالہ کر دیا اور ان کے احسانات کا شکر یہ بھی ادا کیا۔ پھر جب میں رخصت ہو کر اٹھنے لگا تو وہ میرے ساتھ اٹھے مجھے سلامتی کی دعا دی اور کہا کہ جب میرے جد رسول اکرمؐ کی قبر کے قریب جائے گا تو میرا سلام کہہ دیکھئے گا۔ اس فقرہ سے حاضرین اور میں خود سید متاثر ہوئے اور میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہے اور میں نے دل میں کہا کہ معاذ اللہ کیا بھی غلط کار ہو سکتے ہیں کیا ایسے لوگ کبھی بھوٹے ہو سکتے ہیں۔ ان کی ہیبت و عظمت اور خاکساری آواز دے رہی ہے کہ یہ شرافت کے خاندان سے ہیں تو میں نے ساختہ ان کے ہاتھوں کو بوسہ دینے لگا جبکہ وہ مجھ سے مسلسل انکار کرتے رہے۔ میرے ساتھ سارا مجمع اٹھا سب نے مجھ سے سلام کیا اور بعض بچے جو مجھ سے بحث کر رہے تھے میرے ساتھ چلے اور مجھ سے خط و کتابت کے لئے عنوان طلب کیا جو میں نے انہیں دیدیا۔

اب ہم دوبارہ کوئٹہ آئے ایک ایسے شخص کی دعوت پر جو سید انخوی کی بنام میں موجود تھے اور ہمارے ساتھی منعم کے دوست تھے۔ جن کا نام ابو شبر تھا ہم ان کے گھر میں وارد ہوئے اور دانشور نوجوانوں کی ایک جماعت کے ساتھ تمام رات جو گفتگو رہے انہیں کے درمیان بعض نوجوان سد محمد باقر صدر کے شاگرد تھے۔ اور انہوں نے ان سے

ملاقات کا مشورہ دیا اور اس بات کی ذمہ داری لی کہ دوسرے دن ان سے ملاقات کا وقت لے لیں گے۔ میرے ساتھ منعم نے اس پیش کش کو پسند کیا لیکن اس بات پر اظہارِ افسوس کیا کہ وہ خود نہ رہ سکیں گے اس لئے کہ انھیں بغداد میں ایک کام ہے جس میں حاضری ضروری ہے۔ ہم نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ منعم کی دایسی تک تین چار دن ابوشبر کے مکان میں رہیں گے۔

ساز صبح کے بعد منعم بغداد کے لئے روانہ ہو گئے اور ہم سونے کے کمرہ میں چلے گئے۔ اس رات ہم نے ان دانشوروں سے بہت کچھ سیکھا اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انھوں نے حوزہ علیہ سے مختلف علوم حاصل کئے ہیں۔ فقہ و شریعت کے علاوہ انہیں اقتصاد، اجتماع، سیاست، تاریخ، لغت اور فلکیات وغیرہ کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔

## ملاقاتُ السيد محمد باقر الصدر

سید ابوشبر کی رفاقت بالآخر مجھے سید محمد باقر الصدر کے گھر کی طرف لے چلی۔ راستہ میں انہوں نے مشہور علماء اور تقلید وغیرہ کے بارے میں بہت سے معلومات فراہم کئے اور جب ہم سید محمد باقر الصدر کے مکان میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ مکان طلابِ علوم سے بھرا ہوا ہے اور ان میں اکثریت نوجوان معتمین کی ہے۔

سید نے اٹھ کر ہمیں سلام کیا اور خوش آمدید کہتے ہوئے اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ اور پھر تونس اور جزائر اور وہاں کے مشہور علماء خضر حسین اور طاہر بن عاشور وغیرہ کے بارے میں سوال کرنا شروع کر دیا۔ میں ان کی گفتگو سے بے حد مانوس ہوا اور ان کے چہرہ کی جلالت اور ہم نشینوں کے درمیان ان کے احترام کے باوجود میں کوئی اجنبیت نہیں محسوس کی جیسے میں انہیں پہلے سے پہچانتا تھا اور میں نے اس جلسہ سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا اس لئے کہ میں طلباء کے سوالات کبھی سن رہا تھا اور ان کے جوابات بھی اور اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ زندہ علماء کی تقلید کی قدر و قیمت کیا ہے جو تمام مشکلات کا براہِ راست اور واضح جواب فراہم کرتے ہیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ شیعہ مسلمان اللہ کے عبادت گزار اور رسالت پیغمبر پر ایمان رکھنے والے ہیں اگرچہ میرے دل میں شیطان یہ دوسوہ پیدا کرتا رہا تھا کہ میں جو کچھ دیکھتا رہا ہوں وہ سب ڈرامہ معلوم ہوتا ہے اور شاید کہ لقبہ اور اظہارِ خلافِ واقعہ کا نتیجہ ہو۔ لیکن بہت جلد یہ شک زائل ہو گیا اور دوسوہ سے نفا ہو گئے اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ وہ سیکڑوں افراد کو میں نے دکھانا سنا ہے سب اسی ڈرامے کے اجزاء ہوں۔ پھر اس تمثیل کی ضرورت

بھی کیا ہے۔ میں کون ہوں اور ان کی نگاہ میں میری اہمیت کیا ہے کہ میرے واسطے تہیۃ استعمال کریں پھر یہ ان کی سیکڑوں سال پرانی کتابیں اور جدید ترین کتابیں سب اپنے مقدمہ میں وحدانیت خدا اور شمار رسول کا تذکرہ کرتی ہیں اور اس وقت جب کہ میں عراق اور خلیج عراق کے مشہور مرجع تقلید اید محمد باقر الصدر کے گھر میں ہوں تو دیکھ رہا ہوں کہ جب بھی پیغمبر کا نام آتا ہے سارایع یک آواز ہو کر کہتا ہے "اللہم صل علی محمد وال محمد"

تھوڑی دیر کے بعد وقت نماز آگیا اور ہم ان کے ساتھ ہمسایہ کی ایک مسجد میں گئے اور وہاں انھوں نے نماز ظہر و عصر پڑھائی اور میں نے ایسا محسوس کیا کہ جیسے میں صحابہ کرم کے درمیان کھڑا ہوں اس لئے کہ دونوں نمازوں کے درمیان ایک نمازی نے ایسی دردناک آواز سے دعا پڑھی جیسے جا دو کر دیا ہو یہ دعا سراپا تجید تھی۔ دعا کے خاتمہ پر مجمع سے آواز بلند ہوئی "اللہم صل علی محمد وال محمد"

نماز کے بعد سید محراب میں بیٹھ گئے اور بعض لوگوں نے سلام کر کے خیفہ اور علانیہ سوالات کرنا شروع کر دیئے۔ سید بعض سوالات کے جوابات آہستہ دیتے تھے جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ نجی قسم کے مسائل ہیں اور سوال کرنے والا جواب لیکر ہاتھوں کو بوسہ دیکر چلا جاتا تھا۔

میں نے دل میں کہا کہ خوش قسمت ہیں یہ لوگ جن کو ایسا عالم جلیل مل جائے جو ان کے مشکلات کو حل کر دے اور ان کے مسائل کے درمیان زندگی گزارے۔

سید کی وہ محفل جس میں میں نے عنایت و اہتمام اور حسن ضیافت کا اس قدر مشاہدہ کیا کہ گویا اپنے گھر والوں کو بھول گیا اور یہ محسوس کیا کہ میں اگر ایک ہمنینہ ان کے ساتھ رہ جاؤں تو یقیناً ان کے حسن اخلاق اور تواضع و کرم کی بنا پر شیعہ ہو جاؤں گا۔ میں جب ان کی طرف نگاہ کرتا تھا تو وہ مسکرا کر گفتگو کرتے تھے۔ اور برابر ضروریات کے بارے میں سوال کرتے رہتے تھے۔ ہر چار دن قیام کے دوران سوائے سونے کے اوقات کے

کسی موقع پر ان سے سجدانہ ہوتا تھا۔ حالانکہ ان کے پاس زائرین اور مختلف اطراف سے علماء کا ہجوم رہتا تھا۔ میں نے وہاں سو دی افراد کو بھی دیکھا جب کہ میرا تصور بھی نہیں تھا کہ حجاز میں بھی شیعہ ہیں اسی طرح بحرین، قطر، لبنان، شام، ایران، افغانستان، ترکی اور افریقہ کے علماء بھی دیکھے۔ ان کے ساتھ سید گفتگو بھی کرتے تھے اور ان کے ضروریات کو پورا بھی کرتے تھے کہ ہر بار ہر نکلنے والا مسرور و دلشاد نکلتا تھا۔ یہ بات بلا بیان نہ رہ جائے کہ میں نے وہاں ایک عجیب و غریب واقعہ دیکھا ہے جس کو تاریخ میں محفوظ کر دینا چاہتا ہوں تاکہ مسلمانوں کو یہ اندازہ ہو جائے کہ حکم خدا کو نظر انداز کر کے کس خسارہ کا سامنا کیا ہے۔

سید محمد باقر الصدر کے پاس چار افراد آئے جن کے بچے سے معلوم ہوا تھا کہ عراقی ہیں۔ ان میں شخص کو چند سال قبل اپنے دادا سے ایک کٹیراٹ میں ملا تھا اور اس مکان کو دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ ڈالا جو خود بھی وہاں موجود تھا۔ تاریخ معاملت کے ایک سال کے بعد دبھائی آئے اور انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ مرنے والے کے شرعی وارث ہیں۔ چاروں سید کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور ہر ایک اپنے ادراق و اسناد دکھلا رہا تھا۔ سید نے تمام ادراق کو دیکھنے کے بعد اور چند لمبے گفتگو کرنے کے بعد ایک عادلانہ فیصلہ کر دیا کہ خریدار کو مکان میں تعریف کرنے کا حق ہے اور بیچنے والے کو چاہئے کہ دونوں بھائیوں کو ان کا حصہ دیدے

یہ فیصلہ سن کر سب نے کھڑے ہو کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور آپس میں معاف کرنے لگے۔ میں یہ منظر دیکھ کر دہشت زدہ رہ گیا۔ اور میں نے ابو شیبہ سے پوچھا کیا قصہ تمام ہو گیا؟ انہوں نے کہا ہاں۔ ہر ایک کو اس کا حق مل گیا۔ میں نے کہا سبحان اللہ اس آسانی کے ساتھ اور اتنے مختصر سے وقت میں چند لمحوں میں اتنے بڑے

وہ اس کے احکام پر صرف دطنی معاملات، ٹیکس، شہری حقوق اور شخصی احوال پر عمل کرتے ہیں کہ اگر کسی متدین مسلمان کا جھگڑا کسی بے دین مسلمان سے ہو جائے تو اسے مجبوراً سرکاری عدالت ہی میں جانا پڑتا ہے اس لئے کہ بے دین مسلمان رجال دین کے فیصلہ کو قبول نہیں کرے گا۔ لیکن اگر فریقین پابند شریعت ہیں تو کوئی مسئلہ نہیں پیدا ہوتا ہے اور مزاج دین کا فیصلہ فریقین کے لئے حرف آخر ہوتا ہے۔ اور اسی کی بنیاد پر مزاج کے مقدمات اسی دن طے ہو جاتے ہیں جبکہ عدالتوں کے مقدمات ہینوں اور برسوں میں طے ہوتے ہیں۔

اس حادثہ نے میرے دل میں احکام الہیہ کی اہمیت کا شعور پیدا کر دیا اور میں قرآن مجید کے اس ارشاد کے معنی سمجھ گیا "جو خدائی قانون کے خلاف فیصلہ کریں وہ کافر ہیں ظالم ہیں اور فاسق ہیں" جس طرح کہ میرے نفس میں ان مدعیوں کے خلاف نفرت و عداوت کا شعور بھی بیدار ہوا جو اللہ کے عادلانہ احکام کو انسان کے بنائے ہوئے ظالمانہ احکام سے بدل دیتے ہیں اور اس پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ پوری بے حیائی کے ساتھ احکام الہیہ کا مذاق بھی اڑاتے ہیں اور انہیں وحشت دہر بریت کا نام دیتے ہیں کہ انہیں چور کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں۔ زنا کار کو سنگسار کیا جاتا ہے اور قاتل کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ خدا جانے یہ ہماری مذہبی وراثت سے بیگانہ نظریات کہاں سے ہماری صفوں میں آگئے۔ بیشک یہ مغرب اور دشمنان اسلام کی دین ہے جنہیں معلوم ہے کہ احکام الہیہ کا نفاذ ان کے خاتمہ کا اعلان ہے، اس لئے کہ وہ سب چور، خائن، زنا کار، مجرم اور قاتل ہیں اور اگر ان پر احکام الہیہ منطبق کر دیئے جائے تو آج سب کو ان سے راحت مل چکی ہوتی۔

ہمارے اور سید محمد باقر الصدر کے درمیان ان دنوں مختلف باتیں ہوتی رہیں جہاں میں ہر چھوٹی ٹپی مات کے مارے میں سوال کرتا تھا اور دیگر رفقائے صحابہ اور ائمہ

جھگڑے کا فیصلہ، ایسے معاملات تو ہمارے ملکوں میں کم سے کم دس سال میں طے ہوتے ہیں جب بعض صاحبان معاملہ جاتے ہیں اور ان کی اولاد ان کی جگہ پر آجاتی ہے اس کے بعد عدالت اور وکیلوں کو اتنی فیس دینا پڑتی ہے کہ جو بعض اوقات خود مکان کی قیمت سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ابتدائی عدالت سے اپیل تک اور اپیل سے تجدید نظر تک اور آخر میں سب راضی بھی نہیں ہوتے ہیں جبکہ زحمت، مصارف، رشوت اور بغض و عداوت سب برداشت کر چکے ہوتے ہیں۔ ابوشبر نے جواب دیا یہی حال ہمارے ملکوں میں بھی ہوتا ہے بلکہ بدتر ہے۔ میں نے کہا یہ کیسے؟ انھوں نے کہا کہ اگر لوگ اپنے مقدمہ کو سرکاری عدالت میں لے جانا چاہتے ہیں تو یہی حال ہوتا ہے جو آپ نے بیان کیا ہے لیکن جب مزاج دین کی تقلید کرتے ہیں اور اسلامی احکام کی پابندی کرتے ہیں تو اپنے مقدمات کو اسی کے پاس لے جاتے ہیں اور وہ چند لمحوں میں فیصلہ کر دیتا ہے اور "صاحبان عقل کے لئے اللہ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے"۔ سید الصدر نے ان سے ایک پیو بھی نہیں لیا۔ جب کہ سرکاری عدالت میں جائے تو میری مونڈ لیا جاتا ہے۔ میں اس تعبیر پر خوش ہوا کہ ہمارے یہاں بھی یہی تعبیر رائج ہے اور میں نے کہا سبحان اللہ میں ابھی اپنے مشاہدات کو جھٹلاتا رہا ہوں اور اگر یہ منظر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتا تو تصدیق نہ کرتا۔

ابوشبر نے کہا کہ برادریہ تو بہت سادہ سا مسئلہ تھا۔ یہاں ایسے پیویدہ مسائل آتے ہیں جن میں درمیان میں خونریزی کا معاملہ بھی ہوتا ہے اور مزاج چند گھنٹوں میں اس کا فیصلہ کر دیتے ہیں تو میں نے حیرت سے کہا کہ کیا عراق میں دو حکومتیں ہیں، سرکاری حکومت اور رجال دین کی حکومت۔ تو انھوں نے کہا کہ انہیں حکومت تو صرف سرکاری ہے لیکن شیعہ موئین اپنے مزاج دین کی تقلید کرتے ہیں جس کا حکم ہر تعلقہ، نندہ، ... لے لے کہ حکومت بعثی ہے اسلامی نہیں ہے



چٹائی پر بھی ہو سکتا ہے

امام حسینؑ کا ذکر آگیا تو میں نے کہا کہ شیعہ دوستے کیوں ہیں؟ سینہ زنی کیوں کرتے ہیں؟ اور اپنے کو اتنا کیوں مارتے ہیں کہ خون جاری ہو جائے جب کہ اسلام میں یہ عمل حرام ہے۔ اور رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے جو منہ پر ٹھانچے مالھے گرجان چاک کرے اور جاہلیت کی دعوت دے۔

سید نے فرمایا کہ بے شک یہ حدیث صحیح ہے لیکن یہ ماتم حسینؑ پر منطبق نہیں ہوتی ہے۔ جو شخص انتقام خون حسینؑ کا نعرہ لگاتا ہے وہ حسینؑ کے راستہ پر چلتا ہے اس کی دعوت جاہلیت کی دعوت نہیں ہے پھر شیعہ بھی انسان ہیں ان میں عالم بھی ہیں اور جاہل بھی ہیں اور سب کے پاس جذبات ہیں۔ پھر جب یہ جذبات امام حسینؑ اور ان کے گھر پر وارد ہونے والے مصائب قتل، ہجرت اور اسیری کی یاد میں بھرناک جاتے ہیں تو ان کا اظہار ان طریقوں سے کیا جاتا ہے لہذا وہ اجر و ثواب کے مستحق ہیں کہ ان کی نیت فی سبیل اللہ ہے اور اللہ ہر عمل پر باعتبار نیت ثواب دیتا ہے۔ ابھی میں نے چند دنوں پہلے جمال الدین نامہ کی موت پر مصری حکومت کی رپورٹ پڑھی تھی جس میں یہ درج تھا کہ اس خبر کو سن کر لوگوں نے آٹھ طریقوں سے خودکشی کر لی۔ کسی نے اپنے کو پھت سے گرا دیا اور کسی نے اپنے کو ریل کے نیچے ڈال دیا۔ مجروحین اور زخمیوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔ ان مثالوں کا مقصد ان جذبات کو بیان کرنا ہے جو بعض اوقات بھرناک جایا کرتے ہیں تو اگر کچھ مسلمان جمال الدین نامہ کی موت پر جو بالکل طبعی اعتبار سے واقع ہوئی تھی اپنے کو قتل کر دیں تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ مذہب المہنت غلط ہے اور نہ برادران المہنت کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے برادران شیعہ کو غلط کار قرار دیں صرف اس بات پر کہ انہوں نے مصائب امام حسینؑ کا احساس کیا ہے اور برابر کر رہے ہیں اور ان پر اس لئے آنسو بہا رہے ہیں کہ خود رسول اکرمؐ

ذمہ دار ہیں۔ اور ان کے ساتھ جمل بھلائیوں کو نہ رہے۔

میں نے کہا کہ یہ شیعہ اپنے اویا کی قبروں کو سونے چاندی سے کیوں مرصع کرتے ہیں، جبکہ یہ عمل اسلام میں حرام ہے؟

تو سید صدر نے فرمایا کہ یہ بات نہ شیعوں میں منحصر ہے نہ اسلام میں حرام ہے۔ برادران المہنت میں عراق، مصر، ترکی وغیرہ میں کتنی مسجدیں ہیں جو سونے چاندی سے مزین ہیں۔ خود مدینہ منورہ میں مسجد رسولؐ میں سونے کا کام ہے اور مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کو ہر سال سونے کے کام کا غلاف پھنایا جاتا ہے جس پر لاکھوں ریال خرچ ہوتے ہیں لہذا یہ بات صرف شیعوں سے متعلق نہیں ہے۔

میں نے کہا کہ علماء سعودیہ کا کہنا ہے کہ ہنردوں کو بوسہ دینا اور اللہ کے نیک بندوں کو پکارنا شرک ہے تو آپ کی رائے کیا ہے؟ سید محمد باقر اصفہانی نے فرمایا کہ اگر قبروں کو سس کرنا اور اولیاء اللہ کو پکارنا اس نیت سے ہے کہ وہ مستقل طور پر نفع و نقصان کے مالک ہیں تو یہ یقیناً شرک ہے۔ لیکن مسلمان موجد ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ نفع و نقصان کا مکمل اختیار صرف پروردگار کے ہاتھوں میں ہے وہ اولیاء اور ائمہ علیہم السلام کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا چاہتا ہے اور یہ شرک نہیں ہے جس پر شیعہ اور سنی دونوں رسول اکرمؐ کے زمانہ سے آج تک متفق ہیں سوائے سعودیہ کے وہابی علماء کے جن کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ کہ یہ اپنے تازہ ترین مذہب کی بنا پر اجماع مسلمین کے مخالف ہیں۔ اور انہوں نے اس عقیدہ کی بنا پر مسلمانوں میں ایک فتنہ برپا کر رکھا ہے۔ انہیں کا فر قرار دے رہے ہیں اور ان کے خون کو مباح بنائے ہوئے ہیں۔ بوڑھے بوڑھے حجاج بیت اللہ کو صرف اس لئے سزا دیتے ہیں کہ اس نے السلام علیک یا رسول اللہؐ کہہ دیا ہے۔ کسی آدمی کو ضرب آندھس کو مس کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ہمارے علماء کے ان سے متعدد مناظرے ہو چکے ہیں لیکن وہ لوگ اپنے عقائد و استکبار پر اڑے ہوئے ہیں۔

ہمارے شیخ عالم سید شرف الدین نے جب عبدالعزیز ابن سعود کے زمانہ میں حج بیت اللہ کیا اور انہیں دیگر علماء کے ساتھ عید الفصحیٰ کی مبارک باد دینے کے لئے قصر شاہی میں مدعو کیا گیا تو جب مبارکباد میں ان کی باری آئی تو انہوں نے بادشاہ سے مصافحہ کیا اور اسے ایک ہدیہ غلاف میں لپیٹا ہوا قرآن مجید پیش کیا۔ ابن سعود نے اسے لے کر سر پر رکھا اور احتراماً گلاب سے دیئے۔ سید شرف الدین نے فرمایا کہ آپ اس جلد کو کیوں بوسے دے رہے ہیں اور اس کی کیوں تعظیم کر رہے ہیں، یہ تو ایک بکری کی کھال ہے۔ تو بادشاہ نے جواب دیا کہ میرا مقصد جلد کی تعظیم نہیں ہے اس قرآن کریم کی تعظیم ہے جو اس کے اندر ہے۔ تو سید شرف الدین نے فرمایا کہ احسنت ہم جب حجرہ پینیز کی جالیوں یا دروازوں کو بوسہ دیتے ہیں تو ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ لوہا ہے جس کا کوئی نفع و نقصان نہیں ہے لیکن ہمارا مقصد مادہ رائے حدید سوتا ہے اور ہم اس سے پینیز کی تعظیم کرنا چاہتے ہیں۔ جس طرح آپ نے جانور کی کھال کو بوسہ دیکر قرآن مجید کی تعظیم کا اظہار کیا ہے۔ یہ سنکر حاضرین نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور کہا کہ آپ نے سچ فرمایا ہے اس وقت بادشاہ نے مجبوراً حجاج کو آثار پینیز سے برکت حاصل کرنے کی اجازت دے دی۔ لیکن اس کے بعد آنے والے بادشاہ نے پھر پرانا قانون نافذ کر دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ مسئلہ لوگوں کے مشرک ہو جانے کا نہیں ہے۔ مسئلہ سیاسی ہے جس کی بنیاد مسلمانوں کی مخالفت اور ملک و سلطنت کے استحکام کے لئے ان کا قتل عام ہے جس کی تاریخ بہترین گواہ ہے۔ آخر میں میں نے ان سے صوفی طریقوں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے مختصر لفظوں میں فرمایا

۱۔ کرم لفظ پہلو مثلاً۔ ۲۔ کرم لفظ منفی۔ ۳۔ مثبت پہلو۔ نفس کی ترست اور

اس کا سادہ زندگی اور لذات دنیا کے مقابلہ میں زہد سے آشنا کرنا ہے تاکہ وہ عالم ارواح کی طرف بلندی حاصل کر سکے۔ اور منفی پہلو گوشہ نشینی اور میدان زندگی سے فرار ہے اور ذکر خدا کا لفظی اعداد میں محدود کر دینا ہے اور اسلام مثبت پہلوؤں کی یقیناً تائید کرتا ہے لیکن منفی پہلوؤں کو یکسر رد کرتا ہے اور ہمیں یہ کہنے کا حق ہے کہ اسلام کے اصول اور تعلیمات مثبت ہیں۔ لہذا وہ ایسے اعمال کو برداشت نہیں کر سکتا جن میں منفی پہلو بھی پائے جاتے ہیں۔

## شک و حیرت

سید محمد باقر الصدر کے جوابات واضح اور مطمئن کرنے والے تھے لیکن ایسے جوابات اس شخص کے دل کی گہرائیوں میں کیسے اتر سکتے ہیں جس نے اپنی عمر کے پچیس سال تقدیس و احترام صحابہ بالخصوص خلفاء راشدین کے ماحول میں گزارے ہوں جن کے سربراہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ہوں اور اس نے عراق میں وارد ہونے کے بعد سے ان کا نام بھی نہ سنا ہو بلکہ ایسے عجیب و غریب نام سنے ہوں جو کبھی نہیں سنے تھے۔ اور بارہ اماموں کا ذکر سنا ہو جن کے بارے میں یہودی کیا جاتا ہے کہ پیغمبر نے اپنی وفات سے پہلے ہی حضرت علیؑ کی خلافت پر نص کر دی تھی بھلا میں کس طرح اس بات کی تصدیق کر سکتا تھا کہ تمام مسلمان اور وہ صحابہ کرام جو رسول اکرمؐ کے بعد خیر البشر تھے حضرت علیؑ کے خلاف متحد ہو جائیں جبکہ ہم کو بچپنے سے یہ سکھا یا گیا ہے کہ صحابہ کرام حضرت علیؑ کا امت سرام کرتے تھے اور ان کے حق کا اعتراف کرتے تھے کہ وہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے شوہر تھے اور حضرت حسنؑ و حسینؑ کے پرد بزرگوار اور باب مرینہ علم تھے۔ جس طرح کہ سیدنا علیؑ حضرت ابو بکر کے حق سے باخبر تھے کہ وہ سب سے پہلے اسلام لائے اور غار میں رسول اکرمؐ کے ساتھ رہے جس کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے اور رسول اکرمؐ نے مرض الموت میں انہیں امام جہالت بنا یا اور یہ فرمایا کہ اگر میں کسی کو اپنا خلیفہ بنا تا تو وہ ابو بکر ہی ہوتے اور اسی بنیاد پر مسلمانوں نے انہیں خلیفہ بنا یا تھا جس طرح کہ حضرت علیؑ سیدنا عمر کے حق سے بھی باخبر تھے جن کے ذریعہ اللہ نے اسلام کو عزت دی اور جنہیں رسول اللہ نے فاروق کا

نے تنگ دستی کے، ہمیں لشکر مرتب کیا تھا اور جن کو رسول اکرمؐ نے ذوالنورین کا لقب دیا تھا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے برادران شیعہ ان حقائق سے بے خبر ہوں اور ان شخصیتوں کو ایسے معمولی افراد بنا دیں جن کو ہوا و ہوس اور طمع دنیا اتباع حق سے روک دے اور وہ وفات کے بعد ہی رسول اکرمؐ کے احکام کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں جبکہ ان کی زندگی میں ان کے احکام کی اطاعت کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی فکر میں رہتے تھے اور عزت و اسلام کے لئے اپنے گھرانہ کو قربان کر دینے کے لئے آمادہ تھے بلکہ اپنے قریبی قرابتداروں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ یہ ناممکن ہے کہ کبیرا کی طمع دنیا انہیں گمراہ کر دے اور وہ منصفہ خلافت پر آنے کے لئے رسول اکرمؐ کے احکام کو پس پست ڈالیں۔ بیشک میں ان خیالات کی بنا پر شیعوں کی تمام باتوں کی تصدیق نہیں کر سکتا تھا اگرچہ بہت سی باتوں سے مطمئن بھی ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں شک اور حیرت کی درمیانی کیفیت کا شکار ہو گیا۔ شک وہ جسے علماء شیعہ نے میرے دماغ میں پیدا کر دیا تھا۔ اس لئے کہ ان کا کلام معقول اور منطقی تھا اور حیرت اس بات پر کہ میں اس امر کی تصدیق نہیں کر سکتا تھا کہ صحابہ کرام اخلاق کی اس منزل تک گر جائیں کہ ہم جیسے عام انسان بن جائیں۔ نہ ان میں انوار رسالت کی چمک رہ جائے اور نہ انہیں ہدایت محمدی ہدیب بنا سکے۔

خدایا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ صحابہ اس منزل پر ہوں جو شیعہ کہتے ہیں؟ میں یہ تو فیصلہ نہ کر سکا لیکن اس شک و حیرت نے میرے ذہن میں یہ اعتراف پیدا کر دیا کہ کچھ باتیں پس پردہ ہیں جن کا دریافت کرنا حقیقت تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے۔

میں اپنے ساتھی منعم کی داپسی پر کربلا چلا گیا۔ اور وہاں امام حسینؑ کے ان مصائب کو محسوس کیا جن کا احساس شیعوں میں دور قدیم سے پایا جا رہا ہے



وہاں پہنچ کر مجھے اندازہ ہوا کہ شہید کربلا امام حسینؑ ابھی زندہ ہیں اور لوگ پر دانہ دار  
ان کی فریخ کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ اور اس سوزش قلب اور فریاد و فغاں کے  
سامعہ گریہ کر رہے ہیں کہ اس کا نمونہ میں نے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ گویا امام حسینؑ ابھی  
شہید ہوئے ہیں۔ میں نے خطباء کو بھی دیکھا کہ وہ واقعات کربلا کو بیان کر کے سامعین  
کے شعور کو گرما رہے ہیں۔ اور شور و گریہ اور شیون بلند ہے اور کوئی شخص اپنے نفس پر  
قابو نہیں رکھتا ہے یہ حالات دیکھ کر میں نے بھی بے حد گریہ کیا اور عنان نفس میرے  
ہاتھ سے پھوٹ گئی اور اس گریہ کے بعد میں نے ایک نفسانی سکون کا احساس کیا جو  
اس سے پہلے کبھی محسوس نہ کیا تھا اور گویا کہ میں دشمنان حسینؑ کی صفوں میں تھا اور  
آج اتباع و اصحاب حسینؑ کی صفوں میں آ گیا ہوں جو ان پر جان قربان کرنے کے لئے  
تیار تھے اس وقت خطیب حرمین یزید کی داستان بیان کر رہا تھا جو لشکر یزید کی طرف  
سے امام حسینؑ کے قتل پر مامور تھا لیکن سامنے آ کر رک گیا اور معرکہ میں لڑنے لگا  
اور جب کسی نے پوچھا کہ کیا آپ موت سے ڈر رہے ہیں تو اس نے کہا کہ لا ایلہ الا اللہ  
اپنے نفس کو جہنم و جنت کے درمیان پار رہا ہوں اور اس کے بعد گھوڑے کو ایڑ لگا کر  
لشکر حسینؑ کی طرف یہ کہہ کر چلا کہ فرزند رسولؐ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ —  
یہ سن کر میں اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکا اور خدشہ گریہ سے زمین پر گر پڑا اور گویا کہ  
میں حرم کی منزل میں تھا۔ اور امام حسینؑ کو آواز دے رہا تھا کہ فرزند رسولؐ کیا میری  
توبہ قبول ہو سکتا ہے؟ فرزند رسولؐ میری خطا کو معاف کر دیں۔ خطیب کی آواز  
پہنچ نہ سکتی تھی۔ اور لوگوں کے نالہ و شیون کی آواز جید بلند تھی۔ میرے دوست نے  
میرے گریہ کی آواز سنی اور مجھے گلے سے لگا لیا۔ اور حالت گریہ میں مجھے سینے سے لگا کر  
اس طرح اظہارِ محبت شروع کر دیا جس طرح ایک مادرِ مہربان اپنے بچے پر مہربانی کرتی  
ہے۔ اس کی زبان پر مسلسل یا حسینؑ یا حسینؑ کی آواز تھی۔ یہی وہ چند لمحے تھے جن میں

میں نے حقیقہ گریہ اور واقعی شیون کا احساس کیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ میرے  
آنسو میرے قلب اور میرے جسم کو اندر سے دھور رہے ہیں اور میں رسولؐ اکرم کے اس  
ارشاد کے معنی محسوس کر رہا تھا "اگر تمہیں ان باتوں کا غم ہوتا جن کا مجھے ہے تو تمہاری  
ہنسی کم اور گریہ زیادہ ہو جاتا"۔

میں تمام دن انتہائی دل تنگ رہا۔ میرے دوست نے مسلسل تسلی دی اور  
میرے واسطے ٹھنڈے شربت وغیرہ کا انتظام کیا لیکن میری اشتہا بالکل ختم ہو چکی تھی  
اور میں برابر یہ تقاضا کر رہا تھا کہ میرے سامنے مقل حسینؑ کا تذکرہ کرے اس لئے کہ  
میں اس واقعہ سے مکمل طور پر بے خبر تھا۔ اور میرے شیوخ اس واقعہ کا تذکرہ صرف اس  
انداز سے کیا کرتے تھے کہ جن دشمنان اسلام اور منافقین نے سیدنا عمرؓ سیدنا عثمانؓ  
اور سیدنا علیؓ کو قتل کیا تھا انھوں نے ہی سیدنا حسینؑ کو بھی قتل کیا ہے اور مجھے  
اس کے علاوہ کچھ نہیں معلوم تھا بلکہ ہم روز عاشورا جشن منایا کرتے تھے کہ یہ اسلامی  
عید ہے جس میں مال کی زکوٰۃ نکالی جاتی ہے، عمدہ کھانے پکائے جاتے ہیں اور بچہ  
بزرگوں کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں تاکہ ان سے عید کی لیکر مٹھائیاں اور  
کھلونے خرید سکیں۔

بیشک بعض دیہاتوں میں یہ رواج تھا کہ لوگ اس دن آگ روشن کرتے  
تھے۔ اور کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ کوئی خوشی یا شادی کی تقریب نہیں کرتے تھے  
لیکن ہم اسے صرف آبائی تقلید سمجھتے تھے اور ہمارے لئے اس کی کوئی دوسری  
تفسیر نہیں تھی۔ ہمارے علماء و فضائل عاشورا کی روایات بیان کرتے تھے اور  
اس کی برکتوں اور رحمتوں کا حیرت انگیز انداز تک تذکرہ کیا کرتے تھے۔

ہم نے اس کے بعد سیدنا حسینؑ کے بھائی سیدنا العباسؑ کی زیارت کی۔ ہمیں  
معلوم بھی نہ تھا کہ یہ کون ہیں لیکن ہمارے ساتھی نے ان کی جرات اور شجاعت کی داستان

بیان کی۔ اس کے بعد ہم نے متعدد علماء کرام سے ملاقات کی جن کے نام تفصیلاً یاد نہیں ہیں صرف چند القاب یاد ہیں بحر العلوم، سید الحکیم، کاشف الغطاء، آل یاسین، طباطبائی، فیروز آبادی، اسد حیدر وغیرہ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ بزرگ علماء و تھے جن کے چہرے سے ہیبت و قار کے آثار نمایاں تھے اور شیعہ ان کا شدت سے احترام کرتے تھے اور انھیں اپنے اموال کا فخر لاکر دیتے تھے۔ اور اس کے ذریعہ حوزہ ہائے علمیہ اور مدارس دین کا ادارہ کرتے تھے اور مختلف ممالک سے آئے ہوئے طلاب علوم کی کفالت کرتے تھے۔ یہ حضرات اپنے مقام پر بالکل مستقل تھے اور ان کا حکام کا کسی طرف سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ برخلاف ہمارے علماء کے کہ وہ حکام کی اجازت کے بغیر فتویٰ بھی نہیں دے سکتے تھے کہ وہی ان کے معاشیات کے کفیل اور ان کے تقرر اور معزولی کے صاحب اختیار تھے۔

گویا یہ ایک نئی دنیا تھی جس کا میں نے انکشاف کیا تھا اور خدا نے میرے لئے اسکے دروازے کھول دیئے تھے جب کہ اس سے پہلے میں اس سے سخت متنفر تھا اور اب اپنے کو بالکل ہم آہنگ کر دیا تھا۔ اس نئی دنیا نے میرے اندکار میں انقلاب پیدا کر دیا اور مجھ میں بحث و تمحیص اور فکر و نظر و تحقیق کا جذبہ پیدا ہو گیا تاکہ میں واقعی حقیقت کو دریافت کر سکوں یہ جذبات میرے ذہن میں اس وقت سے گردش کر رہے تھے جب سے میں نے سرکارِ دو عالم کی یہ حدیث پڑھی تھی "عنقریب میری امت بہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ایک کے علاوہ سب جہنمی ہوں گے۔"

میرسی گفتگو ان ادیان کے بارے میں نہیں ہے جنہیں ہر ایک اپنی حقانیت اور دوسرے کے باطل پر ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں تو اس حدیث کو پڑھ کر حیرت و استعجاب میں پڑ جاتا تھا۔ نہ خود حدیث کے بارے میں بلکہ ان مسلمانوں کے بارے میں جو اس حدیث کو پڑھتے ہیں۔ خطبوں میں دہراتے ہیں اور اس کے قریب سے

نہایت آرام سے گزر جاتے ہیں اور نہ کوئی تحلیل کرتے ہیں اور نہ اس کے مضمون کا تجزیہ کرتے ہیں کہ اس طرح فرقہ ناجیہ کا پتہ لگائیں اور راہ حق کو دریافت کر لیں۔

اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ ہے کہ ہر فرقہ اس بات پر مطمئن ہے کہ وہی ناجی ہے۔ اور حدیث کے ذیل میں یہ فقرہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ رسول اکرم سے دریافت کیا گیا کہ وہ فرقہ کون ہے تو آپ فرمایا کہ جس راستہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں تو کیا کوئی فرقہ ایسا ہے جو کتاب و سنت سے تمسک کا مدعی نہ ہو اور اس صفت کا دعویٰ نہ کرتا ہو۔ یہ اگر امام مالک، ابو حنیفہ، شافعی، یا احمد بن حنبل سے دریافت کیا جائے تو ان میں سے کون کتاب و سنت کے علاوہ کسی اور شے سے تمسک ہے۔ اس کے بعد شیعوں کے فرقوں سے دریافت کیا جائے جن کے فساد مذہب کا عقیدہ ہمارے درمیان رائج ہے تو کیا وہ اس کے سوا کوئی اور جواب دیں گے کہ ہمارا تمسک کتاب الہی اور سنت صحیحہ سے ہے جس کے راوی اہلبیت رسول ہیں اور گھر والے گھر کے حالات سے بہتر واقف ہوتے ہیں۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ سب ہی اپنے دعویٰ کے مطابق برحق ہیں۔ ہرگز نہیں۔ حدیث شریف تو اس کے بالکل برعکس ہے مگر یہ کہ اسے دھنسی اور جعلی قرار دیدیا جائے۔ لیکن اس کا بھی امکان نہیں ہے کہ حدیث و دونوں فرقوں کے درمیان متفق علیہ اور متواتر ہے۔ تو کیا اس کے منہوم کو بے معنی قرار دیدیا جائے؟ لیکن یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ رسول اللہ کی شان میں بمعنی کلام کرنے کی جسارت کی جائے جبکہ وہ اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں کرتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جو وحی الہی ہوتی ہے۔ اور ان کے تمام کلمات حکمت و عبرت ہیں۔ تو اب ہمارے سامنے ایک ہی بات رہ گئی کہ ہم اس امر کا اقرار کر لیں کہ ان میں ایک فرقہ حق ہے اور باقی سب باطل۔ گویا حدیث حیرت و استعجاب کے ساتھ بحث و تمحیص کا دعویٰ ہماری ہمت سے کہ ہر دعویٰ نجات انے راستہ کے بارے میں تحقیق کرے اور

اور اس کے بعد اس پر باقی رہنے کا فیصلہ کرے۔

## سفر حجاز

میں جدہ وارد ہوا تو میں نے اپنے ایک دوست بشیر سے ملاقات کی جو میری آمد سے بے حد خوش ہوئے اور انہوں نے مجھے اپنے گھر میں بہان کیا۔ اور میرا بیجا احترام کیا۔ وہ اپنے خالی اوقات میرے ساتھ تفریح اور مزارات کی زیارات میں گزارا کرتے تھے ہم انہیں کے ساتھ عمرہ کے لئے گئے اور وہاں کے چند روز تقویٰ اور عبادتِ آلہی کے ماحول میں گزارے ہیں ان سے اپنی تاخیر کی معذرت کرتے ہوئے سفر عراق کا تذکرہ کیا اور وہاں سے حاصل ہونے والے جدید ترین انکشافات کا تذکرہ کیا۔ تو وہ اگرچہ روشن فکر اور باخبر آدمی تھے لیکن انہوں نے برجستہ کہا کہ ہاں شیعوں کے یہاں بعض علماء بزرگ ہیں جن کا مسلک یہی ہے لیکن ان میں سے بعض فرقے بالکل منحرف اور کافر ہیں جو ہمارے لئے مسلسل مشکلات ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ میں نے ان مشکلات کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ لوگ قبروں کے گرد نماز ادا کرتے ہیں۔ جنت البقیع میں گروہ درگروہ داخل ہوتے ہیں اور وہاں گریہ و بکا اور نوحہ و زاری کرتے ہیں۔ اپنے پاس پتھر کے ٹکڑے رکھتے ہیں۔ اور انہیں پر سجدے کرتے ہیں اور جب احد میں حضرت حمزہ کی قبر پر جاتے ہیں تو وہاں گریہ و بکا اور سینہ زنی کرتے ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہ آج ہی شہید ہوئے ہیں، اسی لئے حکومت سعودیہ نے مزارات میں ان کا داخلہ بند کر دیا ہے۔

میں یہ سن کر مسکرا دیا اور میں نے کہا کہ کیا انہیں اسباب کی بنا پر یہ لوگ دین سے منحرف ہو گئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں اور کبھی بہت سے اسباب ہیں مثلاً درگزر، زمارت، قبر بزم کے لئے آتے ہیں تو حضرت ابو بکر و عمر کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر

اس بنیاد پر میرے دل میں شیعوں سے ملاقات کرنے کے بعد ایک شک اور پتھر بپرا ہو گیا کہ شاید یہی حق کہتے ہوں اور انہیں کا بیان حامل صداقت ہو تو پھر میں کیوں نہ تحقیق و تفتیش کروں جب کہ قرآن حکیم نے مسلسل بحث و تمحیص کی دعوت دی ہے اور یہ وعدہ کیا ہے کہ ”جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں گے ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت دینگے“ جو لوگ باتیں سن کر بہترین بات کا اتباع کرتے ہیں انہیں کو خدا نے ہدایت دی ہے اور وہی صاحبان عقل ہیں“ اور رسول اکرم نے بھی فرمایا ہے کہ ”تم اپنے دین کے بارے میں اس قدر تحقیق کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہنے لگیں لہذا جمت۔ تحقیق ایک واجب شرعی ہے جس کی ذمہ داری ہر مکلف پر ہے۔

اس فیصلہ اور اس عزم صادق کا وعدہ میں نے اپنے نفس اور عراق میں اپنے شیعوں سے اس وقت کر لیا جب میں ان سے رخصت ہو رہا تھا اور انکی برائی سے شدت کے ساتھ متاثر تھا کہ انہوں نے مجھ سے محبت کی تھی اور میں نے ان سے محبت کی تھی اور انکو مخلص عزیز و دوست کی شکل میں خدا حافظ کہا تھا۔ انہوں نے میری خاطر بڑا وقت قربان کیا تھا جبکہ مجھ کو کوئی خوف تھا نہ طمع۔ یہاں کام لفظ مضمی پر در دگار کے لئے ہو رہا تھا کہ حدیث شریف میں یہ فقرہ وارد ہوا ہے کہ ”اگر اللہ تمہاری وجہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو تمہارے حق میں اس پوری دنیا سے بہتر ہے جس پر آفتاب کی روشنی پڑتی ہے۔

میں نے ۲۰ دن عراق میں شیعوں اور انکے ائمہ کے جو امیں گزارنے کے بعد اس علاقہ کو خیر باد کہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے میں نے کوئی حسین اور لذیذ خواب دیکھا تھا میں کو تاہی مدت کے صدمہ کے ساتھ اس علاقہ سے رخصت ہوا کہ مجھ سے وہ دل جدا ہو گئے جس میں میری محبت تھی اور وہ قلوب لگ ہو گئے جو محبت الہیہ کے جذبہ کے ساتھ دھڑکتے تھے۔ اب میں بیت اللہ اور قرمر کار دو عالم کے ارادہ سے حجاز کی طرف سفر کر رہا تھا۔

ان پر لعنت کرتے ہیں اور بعض ان قبروں پر غلاظت ڈال دیتے ہیں۔

ہمیں اپنے دوست کے اس بیان نے اپنے والد محترم کے اس بیان کو یاد دلا دیا جو انہوں نے حج سے واپسی پر ارشاد فرمایا تھا۔ لیکن ان کا بیان یہ تھا کہ غلاظت قبر پیغمبر پر ڈال دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ منظر انہوں نے خود نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ان کا ارشاد تھا کہ ہم نے سعودی پولیس کو بعض حجاج کو ڈنڈوں سے مارتے دیکھا اور جیلوں پر اظہارِ نفرت کیا تو پولیس والوں نے بتایا کہ یہ تو مسلمان نہیں ہیں۔ یہ شیعہ ہیں اور قرقر رسول پر ڈالنے کے لئے غلاظتیں اپنے ساتھ لے آتے ہیں ان کا فرمانا تھا کہ ہم نے بھی سینکڑوں شیعوں پر لعنت کی اور ان کے منہ پر تھوک دیا۔

آج میں دوبارہ یہ شکایت اپنے سعودی دوست سن رہا تھا جس کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی تھی اور اس کا بیان یہ تھا کہ غلاظت قبر ابو بکر و عمر پر ڈالی جاتی ہے تو مجھے دونوں روایتوں کی صحت کے بارے میں شبہ پیدا ہو گیا اس لئے کہ میں نے خود بھی حج کیا ہے اور اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جب حج میں رسول اکرم ص اور ابو بکر و عمر کی قبریں ہیں اس کا دروازہ مقفل ہے اور کوئی شخص اس دروازے یا جالی کے قریب بھی نہیں سکتا ہے۔ چہ جائیکہ اس میں کسی شے کے ڈالنے کا امکان پیدا ہو جائے۔

اولاً تو اس لئے کہ اس میں کوئی سوراخ یا راستہ نہیں ہے اور ثانیاً اس لئے کہ سعودی سپاہیوں کا پہرہ اتنا سخت ہوتا ہے کہ وہ قریب جانے والوں کی کوڑوں سے مرمت کرتے رہتے ہیں اور حجرہ کے اندر دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دیتے ہیں تو اس میں کسی شے کے ڈالنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

غالباً اصل راز یہ ہے کہ بعض شیعوں کو کافر کہنے والے سپاہیوں نے جب یہ

کرنے کے لئے آمادہ کیا جائے یا کم سے کم وہ ان کی اہانت پر خاموش رہیں اور اپنے وطن واپس جا کر یہ قصے بیان کریں کہ شیعہ قبر پیغمبر پر غلاظت پھینکتے ہیں اور اس طرح ایک تیر سے دو دشمنکار ہو جائیں۔

یہ بالکل ویسا ہی افسانہ ہے جیسا کہ بعض معتبر افراد نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم لوگ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ایک نوجوان کو از ناہم کی کثرت کی بنا پر آپکائی آئی اور اس نے قے کر دی تو سعودی پولیس نے اسے مارنا شروع کر دیا کہ یہ نجاست لیسکر آیا تھا۔ اور لوگوں نے بھی اس امر کی گواہی دیدی۔ نتیجہ میں اسے اسی دن قتل کر دیا گیا۔ میرے ذہن میں یہ افسانے گردش کر رہے تھے اور میں اپنے سعودی دوست کے دلائل کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ آخر شیعوں کے کافر ہونے کی کیا وجہ ہے؟ صرف یہی بات کہ یہ گریہ و زاری کرتے ہیں یا پتھر پر سجدہ کرتے ہیں یا قبروں کے پاس نماز پڑھتے ہیں۔ تو ان امور میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے کے کافر ہونے کا کیا جواز ہے، جب کہ وہ نماز بھی پڑھتے ہیں روزہ بھی رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں۔ حج بیت اللہ بھی کرتے ہیں۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی انجام دیتے ہیں۔

میں اپنے دوست سے کوئی جھگڑا یا بحث نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ لہذا میں نے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ اللہ ہمیں اور انہیں دونوں کو بیدھے راستہ کی ہدایت دے اور ان دشمنانِ خدا پر لعنت کرے جو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔

میرا یہ دستور تھا کہ میں عمرہ یا زیارات کے دوران جب بھی خانہ کعبہ کا طواف کرتا تھا تو نماز پڑھ کر اپنے پورے وجود کے ساتھ یہ دعا کرتا تھا کہ رب کریم میری

میں نے مقام ابراہیمؑ کے پاس کھڑے کر اس آریہ کو یہ کو ذہن میں  
گردش دی کہ "اللہ کے بارے میں اس طرح جہاد کرو جو جہاد کرنے کا حق ہے  
کہ اس نے ہمیں منتخب بنایا ہے اور دین میں کسی طرح کی زحمت نہیں رکھی ہے۔ یہ تمہارے  
باپ ابراہیمؑ کا راستہ ہے۔ اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ پہلے بھی اور اس  
قرآن میں بھی تاکہ رسول تمہارے اعمال کا گواہ رہے اور تم تمام لوگوں  
کے گواہ رہو۔ لہذا نماز قائم کرو و زکوٰۃ ادا کرو اللہ سے وابستہ رہو کہ وہی  
تمہارا مولا ہے اور وہی بہترین مولا ہے" (سج آیت ۷۸)

میں اس وقت اپنے سرکار بلکہ نبی قرآن پر بزرگوار حضرت ابراہیمؑ سے  
مناجات کر رہا تھا کہ "میرے پر بزرگوار جس نے ہمارا نام مسلمان رکھا ہے۔ آج آپ  
کی اولاد مختلف فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو گئی ہے کوئی یہودی، تو کوئی عیسائی اور کوئی مسلمان  
پھر یہودی بھی آپس میں، فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور نصاریٰ بھی بہتر فرقوں میں بٹ  
گئے اور مسلمان بھی بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں جن میں سے ایک کے علاوہ سب جہنمی ہیں  
جیسا کہ آپ کے فرزند حضرت محمدؐ نے خبر دی ہے کہ آپ کے عہد پر صرف ایک فرقہ باقی رہنے  
والا ہے تو کیا یہ کوئی سنت الہیہ ہے جیسا کہ قدریہ فرقہ کا خیال ہے کہ خدا ہی نے یہ طے  
کر دیا ہے کہ انسان یہودی، عیسائی یا مسلمان بن جائیں۔ یا ملحد اور یدین یا  
مشرک بن جائیں۔ یا یہ صحت دنیا کا اثر ہے کہ لوگ تعلیمات الہیہ سے دور ہو گئے  
ہیں اور لوگوں نے خدا کو بھلا دیا ہے تو اس نے بھی انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔

میرے عقل اس قصدا و قدر کی تائید تو نہیں کر سکتی ہے کہ اس نے اس گمراہی  
کو مقدر کر دیا ہے بلکہ میرا میلان یا یقین تو یہ ہے کہ اس نے پیدا کر کے نیک و بد کی ہدایت  
کر دی ہے۔ اور رسولوں کو بھیج کر مشکل مسائل کو واضح کر دیا ہے اور حق و باطل میں  
.....

کر دیا ہے اور وہ اپنی اہمیت، جہالت، غرور و نخوت، عناد و بغاوت یا ظلم و شقاوت  
کی بنیاد پر حق سے کنارہ کش ہو گیا ہے اور اس نے شیطان کا اتباع کر کے رحمان کے درمی  
اختیار کر لی ہے۔ اس کی منزل دوسری منزل ہو گئی ہے اور اس کی غذا دوسری غذا  
قرآن حکیم نے اس صورت حال کی بہترین تعبیر اس طرح کی ہے کہ اللہ کسی پوزرہ برابر  
ظلم نہیں کرتا ہے یہ انسان ہی ہیں جو اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں۔ (یونس آیت ۶۲)

پر بزرگوار۔۔۔ میں یہودیوں اور عیسائیوں کو کیا کہوں جنہیں انکے  
عناد نے حق سے منحرف کر دیا ہے۔ اور وہ دلائل کے باوجود بہک گئے ہیں میری  
فریاد تو اس امت مسلمہ کے بارے میں ہے جسے خدا نے آپ کے فرزند حضرت محمدؐ کے ذریعہ  
ظلمتوں سے نکال کر نور تک پہنچا دیا تھا۔ اور اسے بہترین امت قرار دیکر لوگوں کی رہنمائی  
کا فرمان سپرد کر دیا تھا آج وہ کچھ زیادہ ہی نڈرا مختلف ہو گئی ہے اور اس میں کچھ زیادہ  
ہی تفریق و تقسیم ہو گئی ہے اور سب ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں جب کہ  
نبی کریمؐ نے اس خطرہ سے آگاہ کر دیا تھا اور انہیں ہوشیار کر دیا تھا کہ کسی مسلمان کو یہ  
حق نہیں ہے کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ کنارہ کش رہے۔" تو پھر اس  
امت کو کیا ہو گیا ہے جو تفریق و تقسیم کا شکار ہو کر مختلف حکومتوں میں بٹ گئی ہے اور ہر  
دوسرے کا دشمن اور دوسرے سے برسر پیکار ہے بلکہ دوسرے کو کافر بنانے کے لئے  
تیار ہے یہاں تک کہ ایک دوسرے کو بچاؤتا بھی نہیں ہے اور ساری زندگی کے لئے  
اس سے کنارہ کش رہتا ہے۔

آخر اس امت کو کیا ہو گیا ہے کہ خیرالام ہونے کے بعد بدترین امت ہو گئی  
ہے اور مشرق و مغرب عالم پر حکومت کرنے کے بعد اور لوگوں کو ہدایت علوم و فنون  
اور تہذیب و تمدن سے آشنا بنانے کے بعد قلیل ترین اور ذلیل ترین امت ہو گئی  
ہے۔ اس کی زمینیں غصب ہو چکی ہیں اس کے قبائل آوارہ وطن ہو چکے ہیں، اس کی

مسجد اقصیٰ پر یہودیوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور وہ اس کی آزادی پر قادر نہیں ہے اور آپ اس کے مالک کی سیر کریں تو آپ کو تباہ کن افلاس، قاتل بھوک، بنجر زمینوں اور موذی امراض اور بد اخلاقی کے علاوہ کچھ نظر نہ آئے گا۔ فکری اعتبار سے پسماندگی، ظلم و استبداد، گندگی اور حسرت الارض اس کی سر زمین کے امتیازات ہیں۔ جدید ہے کہ یورپ اور مشرق کے بیت الخلاء کا بھی مقابلہ کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ یورپ کے بیت الخلاء میں داخل ہونے والا صفائی اور بلور جیسی چمک کا مشاہدہ کرتا ہے اور ہمارے ملکوں میں مسافر بیت الخلاء میں داخل ہونے کی ہمت بھی نہیں کرتا ہے۔ جبکہ اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی تھی کہ صفائی ایمان کا ایک حصہ ہے۔ اور کثافت شیطنت کی پیداوار ہے۔ تو کیا یہ ایمان ہمارے یہاں سے منتقل ہو کر یورپ چلا گیا ہے اور یہاں صرف شیطان کا قبضہ رہ گیا ہے۔

آخر مسلمانوں میں اپنے ملکوں میں اظہار عقیدہ کی آزادی کیوں نہیں ہے اور مسلمان کے چہرہ پر اسلام کی حکومت کیوں نہیں ہے۔ اور ان کی ڈاڑھی کیوں نظر نہیں آتی ہے۔ ان کا لباس اسلامی کیوں نہیں ہے جبکہ دوسری قومیں علی اللہ شراب پی رہی ہیں، زنا کر رہی ہیں۔ بیکرمی عام ہے اور مسلمان انہیں روک بھی نہیں سکتا ہے۔ بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی نہیں کر سکتا ہے۔ مجھے تو یہاں تک اطلاع ملی ہے کہ مہراد مغرب جیسے اسلامی ممالک میں ماں باپ خود اپنی لڑکیوں کو نفل و فاقہ اور افلاس کی بنیاد پر زنا کاری کے لئے بھیجتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ چند پیسے حاصل کر سکیں۔ فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

خدایا! تو کیوں اس امت سے اس قدر دور ہو گیا ہے اور تو نے اس کے لئے کچھ نہیں کیا۔ ذکر لکھو ڈرامے۔ استغفر اللہ۔

خیال خام ہے جس کے لئے میں توبہ کرتا ہوں۔ حقیقت امر یہ ہے کہ یہ امت تجھ سے دور ہو گئی ہے اور اس نے شیطان کے راستہ کو اختیار کر لیا ہے۔ تیری حکمت عظیم اور تیری قدرت بلند ترین ہے۔ تو نے پہلے ہی کہہ دیا تھا "جو شخص یا خدا سے غافل ہو گا ہم اسے شیطان کے حوالے کر دیں گے اور وہی اس کا ہمدم و ہم نشین ہو گا" (ذخرف ۳۶)۔ "مگر صرف اللہ کے رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ کیا وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم اٹے پاؤں پیچھے کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ تو یاد رکھو جو پلٹ جائے گا وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے اور اللہ عنقریب شکر گزار افراد کو جزا عطا کرے گا۔" (آل عمران ۱۴۴)

بیشک امت اسلامیہ کا یہ انحطاط اور اس کی ذلت و مسکنت دپسماندگی دلیل ہے کہ وہ صراط مستقیم سے دور ہو گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک اقلیت یا ایک فرقہ کا راہ راست پر ہونا امت کی راہ عمل پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ہے۔ خود رسول اکرم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ خدا تمہارے اوپر اشرار کو مسلط کر دے گا جس کے بعد نیک بندے دعا بھی کریں گے تو قبول نہ ہو گی۔"

پروردگار ہم تیرے احکام پر ایمان لائے ہیں اور تیرے رسول کا اتباع کیا ہے۔ لہذا ہمیں گواہوں میں درج کر لے۔ پروردگار! ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو صراط مستقیم سے منحرف نہ ہونے دینا اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت خاص عطا فرمانا کہ تو بہترین عطا کرنے والا ہے۔ پروردگار! ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے معاف نہ کر دیا اور رحم نہ کیا تو ہمکرا شمار خسارہ والوں میں ہو جائے گا۔

اس کے بعد میں نے مدینہ منورہ کا سفر کیا اور اسے ہمراہ اپنے دست

کا ایک خط اس کے ایک رشتہ دار کے نام لے آیا تاکہ اس کے یہاں میرا قیام رہے اور اس نے ٹیلیفون سے بھی اس امر کی اطلاع دیدی تھی چنانچہ اس کے عزیز نے میرا استقبال کیا اور مجھے خوش آمدید کہا اور میں وہاں پہنچنے کے فوراً بعد زیادہ تر پیغمبر کے لئے ردانہ ہو گیا۔ غسل زیارت کرنے، خوشبو لگانے اور بہترین اور پاکیزہ ترین لباس پہننے کے بعد میں نے روضہ اقدس کا رخ کیا اس وقت موسم حج کی نسبت سے زائرین کا مجمع کم تھا لہذا میں قبر رسول اور قبر ابو بکر و عمر کے سامنے سکون سے کھڑا ہو سکا جو کام ایام حج میں ممکن نہ تھا۔ میں نے چاہا کہ تبرک کے طور پر کسی ایک دروازہ کو ہاتھ لگاؤں کہ پہرہ دار نے مجھے بھڑک دیا اور وہ ہر دروازہ پر قبضہ جمائے ہوئے تھے۔ اس کے بعد جب میں نے دعا میں طول دیا اور یہ چاہا کہ اپنے احباب کی امانت (سلام) صاحب قبر تک پہنچا دوں تو پہرہ دار نے مجھے وہاں سے دور ہو جانے کا حکم دیا اور میں نے چاہا کہ اس موضوع پر گفتگو کروں لیکن بے فائدہ سمجھ کر خاموش ہو گیا۔

پھر میں روضہ مطہر کی طرف واپس آیا اور وہاں بیٹھ کر بقدر امکان تلاوت قرآن میں مصروف ہو گیا۔ میں نے باقاعدہ قواعد و قوانین کے مطابق تلاوت شروع کی اور بار بار کلمات کی تکرار کرتا رہا اس احساس کی بنیاد پر کہ گویا مرسل اعظم میری تلاوت کو سن رہے ہیں اور میرا دل یہ پوچھ رہا تھا کہ کیا واقعا رسول اکرمؐ دوسرے انسانوں کی طرح مردہ ہو چکے ہیں اور اگر ایسا ہے تو ہم اپنی نمازوں میں بطور خطاب "السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کیوں کہتے ہیں۔! اور اگر مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جناب خضر زندہ ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں بلکہ ہمارے صوفی مشائخ کا تو یہ ایمان ہے کہ ان کے شیخ حضرت احمد تيجانی یا حضرت عبد القادر جیلانی

بیٹے جاسکتے ان کے پالاک شریف لگاتے ہیں اور یہ کوئی خواب نہیں ہوتا ہے تو ہم سارا بخل رسول اکرمؐ ہی کے کرامات کے بارے میں کیوں کہتے ہیں۔ جب کہ وہ تمام کائنات اور مخلوقات سے بہر حال افضل ہیں لیکن پھر میرے نفس کو یہ سمجھ کر تسکین ہو رہی تھی کہ تمام مسلمان رسول اکرمؐ کے کرامات میں بخل سے کام نہیں لیتے ہیں بلکہ صرف وہابی فرقہ کے لوگ ہیں جن سے اب دھیرے دھیرے میرے دل میں نفرت پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی جس کے مختلف اسباب تھے۔ اور ان میں سے ایک سبب وہ بد اخلاقی اور تند خوئی تھی جس کا مشاہدہ میں نے خود کیا تھا اور جس کا نشانہ وہ صاحبان ایمان تھے جو وہابیوں سے عقائد میں اختلاف رکھتے تھے۔

میں نے بقیع کی زیارت کی اور تجمود اہلبیت کے قریب کھڑے ہو کر ان کے اردواح طیبہ کے لئے فاتحہ پڑھ رہا تھا اور میرے پاس ایک بہت ہی بوڑھا انسان کھڑا ہوا اور رہا تھا جسکے گریہ سے میں نے یہ اندازہ کیا کہ یہ شیعہ ہے اور بھوڑی دیر کے بعد اس نے رد قبیلہ ہو کر نماز شروع کر دی کہ اچانک ایک سپاہی دوڑ کر آیا اور گویا کہ وہ اس مومن کے حرکات کی مسلسل نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے آتے ہی اسے ایک لات ماری جبکہ وہ غریب حالت سجدہ میں تھا اور وہ اسی حالت میں الٹ گیا اور چند منٹ تک بیہوش بڑا رہا لیکن سپاہی کی مار پیٹ اور گانگن کلچ کا سلسلہ جاری رہا۔ مجھے اس بوڑھے پر بے حد رحم آیا اور میرا خیال تھا کہ وہ مر چکا ہے لہذا میری غیرت نے مجھے لاکارا اور میں نے مداخلت کرتے ہوئے اس سپاہی سے یہ کہا کہ حالت نماز میں کسی نمازی کو مارنا حرام ہے تو اس نے مجھے یہ کہہ کر ڈانٹ دیا کہ خاموش رہو اور ان معاملات دخل نہ دو ورنہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کیا جائے گا۔ اور جب میں نے اس کی آنکھ سے شرارت کے شعلے بھڑکتے

ہوئے دیکھے تو خاموش ہو گیا۔ اور اپنے نفس کی ملامت کر۔ لگا کہ میں ایک مظلوم کی مدد بھی نہیں کر سکتا اور پھر مسودوں کے خلاف دل ہی دل میں اظہارِ غیظ و غضب کرنے لگا۔ جو لوگوں کے ساتھ آزادانہ طور پر ایسا برتاؤ کرتے ہیں اور انہیں کوئی ٹوکنے والا بھی نہیں ہے۔

اس مقام پر جو زائرین موجود تھے ان میں سے بعض نے اس واقعہ پر لاٹھیاں پڑھی اور بعض نے کہا کہ یہ اسی برتاؤ کا عقدار تھا اس لئے کہ یہ قبروں کے پاس نماز پڑھ رہا تھا جب کہ یہ عمل حرام ہے۔

میں اس بات کو برداشت نہ کر سکا اور میں نے لوگ کو اس شخص سے کہا کہ یہ بات کس نے کہی ہے کہ قبروں کے پاس نماز حرام ہے۔ اس نے کہا کہ رسول اکرم کے ممانعت فرمائی ہے۔

میں نے بے خیالی میں یہ کہہ تو دیا کہ یہ رسول اللہ پر الزام ہے لیکن پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں حاضرین مجھ پر بھی نہ ٹوٹ پڑیں یا اس سپاہی کو نہ بلا لیں جو میرے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کرے جیسا اس مومن کے ساتھ کر چکا ہے اس لئے میں نے نہایت نرمی سے یہ کہا کہ اگر رسول اکرم نے اس بات سے منع فرمایا ہے تو لاکھوں حجاج اور زائرین آپ کے حکم کی مخالفت کیوں کرتے ہیں اور خود آپ کی قبر مبارک یا حضرت ابو بکر و عمر کی قبر کے پاس مسجد نبوی میں نماز کیوں پڑھتے ہیں یا دنیا کی اور دوسری مسجدوں میں ایسا کیوں ہوتا ہے اور اگر یہ طے بھی ہو جائے کہ قبروں کے گرد نماز پڑھنا حرام ہے تو کیا اس کا علاج اسی شدت کے ساتھ ہونا چاہئے۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ سے اس اعرابی کا قصہ بیان کروں جس نے حضور اکرم اور اصحاب کی موجودگی میں بلا کسی شرم و حیا کے مسجد پیغمبر میں پیشاب کر دیا تھا اور جب اصحاب تلوار کھینچ کر اسے قتل کرنے کے

۶۱  
لئے بڑھے تو آپ نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ایسا اقدام نہ کرو بلکہ اس پیشاب پر ایک ڈول پانی ڈال دو۔ تم آسانیاں پیدا کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو دشواریوں کے لئے نہیں۔ تمہارا کام نیکیوں کی بشارت دینا ہے نفرتیں پیدا کرنا نہیں اور تمام اصحاب نے اس حکم کی تعمیل کی اور آپ نے اعرابی کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور نہایت ہی لطف و محبت کے ساتھ فرمایا کہ یہ جگہ خانہ خدا ہے اور اس کا نجس کرنا جائز نہیں ہے۔ جس صن عمل کو دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا اور ہمیشہ مسجد میں بہترین اور پاکیزہ ترین لباس کے ساتھ حاضری دینے لگا۔ اور کیوں نہ ہوتا پروردگار نے سچ کہا تھا کہ "پیغمبر اگر نرم یداً خلاق اور تند خو ہوتے تو یہ سب تمہارے پاس سے ٹوٹ ٹوٹ کر چلے جاتے۔" (آل عمران آیت ۱۵۹)

میرے اس بیان سے بعض حاضرین بے حد متاثر ہوئے اور ایک شخص نے الگ لے جا کر مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ میں نے بتایا کہ تیونس کا!

اس نے مجھے سلام کیا اور کہا کہ بھائی اللہ اپنے نفس کی حفاظت کیجئے اور یہاں اس قسم کی باتیں نہ کیجئے۔ میں آپ کو برائے خدا نصیحت کرتا ہوں جسکے بعد میرے بغض و عداوت میں اور اضافہ ہو گیا کہ یہ لوگ جو اپنے کو حرمین کا محافظ کہتے ہیں وہ اللہ کے ہمانوں سے ایسی سختی کا برتاؤ کرتے ہیں اور کوئی شخص نہ اظہارِ خیال کر سکتا ہے اور نہ ان کے خیالات و اعتقادات کے خلاف کوئی واقعہ بیان کر سکتا ہے۔

میں اپنے اس نئے دوست کے گھر واپس آ گیا جس کے نام سے بھی واقف نہیں تھا۔ اس نے شام کا کھانا لاکر سامنے رکھا اور قبل اس کے کہ میں کھانا شروع کروں اس نے یہ سوال کر لیا کہ آپ کہاں چلے گئے تھے۔



میں نے اس سے پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا اور درمیان میں یہ بھی کہہ دیا کہ بھائی صاحب بات پیچھے اب مجھے دبا بیوں سے سخت نفرت ہونے لگی ہے۔ اور میرا رجحان شیعوں کی طرف ہو رہا ہے۔

یہ سنکر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس نے کہا کہ آئندہ کوئی ایسی بات یہاں نہ کیجئے گا۔

یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور میرے ساتھ کھانا بھی نہیں کھایا۔ میں تا دیر انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سو گیا۔ صبح کو علی الصبح مسجد پیغمبر کی اذان کی آواز سنکر اٹھا تو دیکھا کہ کھانا اسی طرح رکھا ہوا ہے اور صاحب خانہ واپس نہیں آیا، مجھے یہ شبہ پیدا ہوا کہ کہیں یہ شخص جا سوس تو نہیں ہے اس لئے میں فوراً اٹھا اور پھر اس کا گھر چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

میں نے تمام دن حرم پیغمبر میں زیارت اور نماز میں گزارا۔ صرف ضروریات اور وضو کے لئے باہر نکلتا تھا اور پھر آکر صرف عبادت ہو جاتا تھا۔ نماز عصر کے بعد میں نے خطیب کو دیکھا جو نمازیوں کی ایک جماعت کو درس دے رہا تھا۔ میں ادھر متوجہ ہو گیا اور آثار سے یہ اندازہ کیا کہ یہ مدرسہ کا قاضی ہے۔

وہ قرآن مجید کی بعض آیتوں کی تفسیر بیان کر رہا تھا اور جب درس تمام کر کے نکلنے لگا تو میں نے اسے روک کر سوال کیا کہ حضور کیا آپ بنا سکتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم کیا ہے؟ انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل

البيت و یطہرکم تطہیراً (سورہ احزاب آیت ۳۲)

یہ اہلبیت کون حضرات ہیں۔ اس نے فوراً جواب دیا کہ ازواج پیغمبر

اور پھر ابتدا آیت کا حوالہ دیا "یا نساء النبی"

میں نے کہا کہ اس کا جواب ہے کہ آیت ۴ و فاطمہ ۴ اور حسن و حسین

کے ساتھ مخصوص ہے اور جب میں نے ان پر یہ اعتراض کیا کہ آیت کی ابتدا نساء سے ہوئی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ جب تک ازواج مخاطب تھیں صیغہ سب مؤنث کے تھے۔ لکن۔ ان اقلیت۔ فلا تخضعن۔ وقلن۔ وقرن فی بیوتکن۔ ولا تبرجن۔ وامنن الصلوٰۃ۔ و آتین۔ واطعن اور جب آیت کا یہ ٹکڑا آیا جو اہلبیت کے ساتھ مخصوص تھا تو صیغہ بدل گیا اور مذکر کے الفاظ استعمال ہونے لگے۔ "لیذہب عنکم" "یطہرکم"۔

اس نے ایک مرتبہ چشمہ اٹھا کر مجھے غور سے دیکھا اور کہا کہ ایسے زہریلے انکار سے ہوشیار رہنا۔ شیعہ ہمیشہ اپنے خواہشات کے مطابق کلام الہی کی تاویل کر لیتے ہیں۔ ان کے پاس علی اور ولاد علی کے بارے میں ایسی آیتیں ہیں جن کو ہم جانتے بھی نہیں ہیں اور ان کے پاس ایک خاص قرآن ہے جس کو مصحف فاطمہ کہتے ہیں۔ لہذا خبردار ان کے دھوکے میں نہ آجانا۔

میں نے کہا کہ حضور بالکل مطمئن رہیں میں ان کی بہت سی باتوں کو جانتا ہوں اور پورے طور پر ہوشیار ہوں لیکن میں کچھ تحقیق کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ میں نے کہا "تونس" فرمایا آپ کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا تیجانی۔

انہوں نے فاتحانہ انداز سے مسکرا کر فرمایا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ امر تیجانی کون ہے۔

میں نے کہا کہ طریقت کے شیخ ہیں۔

انہوں نے فرمایا کہ جی نہیں وہ فریسی استعمار کا ایک ایجنٹ ہے جسے

نیشن لائبریری میں خود جا کر فرانسیسی قابوس میں باب الف کا مطالعہ کر لیں آپ دیکھیں گے کہ فرانس نے احمد تاجانی کو کیا مرتبہ دیا ہے اور انہوں نے فرانسیسی حکومت کی کس قدر بے پناہ خدمت انجام دی ہے۔

میں یہ سنکر حیرت زدہ رہ گیا اور ان کا شکریہ ادا کر کے واپس آ گیا۔

مدینہ میں میرا قیام مکمل ایک ہفتہ تک رہا جس میں چالیس نمازیں پوری کیں اور مزارات کی زیارت کی۔ دوران قیام تمام حالات کو بڑی گہری نظر سے دیکھتا رہا اور دہا بیت سے میری نفرت میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔

مدینہ منورہ سے میں اردن آیا جہاں بعض ان دوستوں سے ملاقات کی جن کا حج کا فرانس کے دوران تعارف حاصل ہوا تھا۔ میں ان کے ساتھ تین دن قیام پذیر رہا۔ اور میں نے دیکھا کہ ان کے پاس تیونس والوں سے کچھ زیادہ ہی شیعوں سے نفرت اور عداوت پائی جاتی ہے۔

وہی روایات وہی افسانے اور وہی پروپیگنڈے۔

میں نے جس سے بھی دلیل کے بارے میں پوچھا ہر ایک کا ایک ہی جواب تھا کہ ہم برابر سنتے چلے آ رہے ہیں۔ کسی نے نہ کسی شیعہ کو دیکھا تھا نہ شیعوں کی کوئی کتاب پڑھی تھی اور نہ پوری زندگی میں کسی شیعہ سے ملاقات کی تھی۔

میں اردن سے شام آیا اور یہاں دمشق میں مسجد اموی کی زیارت

کی جس کے پہلو میں مرقد راس المسین ہے۔ اور وہیں صلاح الدین ایوبی اور سیدہ زینب کی بھی زیارت کی اور بیروت سے براہ راست طرابلس آ گیا۔

یہ سفر چار دن سمندر میں رہا جہاں مجھے جسمانی اور فکری اعتبار سے قدرے آرا ملا۔ اور اس سفر کے دوران میں نے سوچا کہ اس لوری فلم کو دہرا رہا تھا جو خاتمہ

کے قریب پہنچ چکی تھی۔ میرے دل میں شیعوں کا احترام اور ان کی طرف رجحان اور اس کے مقابلہ میں دہائیوں سے بیزاری اور نفرت کا جذبہ پیدا ہو چکا تھا کہ میں ان کی مکاریوں اور جعل سازیوں کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ میں نے خدا کی بے پناہ نعمتوں اور عنایتوں پر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس بات کی دعا کی کہ وہ مجھے راہ حق کی ہدایت دیدے۔ میں اپنے وطن کی سرزمین پر اس عالم میں واپس آیا کہ اپنے اہل خانہ، اہل خاندان اور اصحاب و اصدقار کے لئے سراپا شوق بنا ہوا تھا اور الحمد للہ سب کو بحیثیت سر پایا۔

میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے گھر میں داخل ہوتے ہی کتابوں کا انبار دیکھا جو مجھ سے پہلے پہنچ چکی تھیں اور میں نے جب کتابوں کو کھولا تو میرے دل میں ان حضرات کی محبت اور ان کے لئے جذبہ احترام میں اور اضافہ ہو گیا جنہوں نے اپنے وعدہ کی مخالفت نہیں کی اور اس سے کہیں زیادہ کتابیں ارسال کر دیں جو وہاں مجھے بطور تحفہ دی گئی تھیں۔

# آغاز تحقیق

میں کتابوں کو دیکھ کر بیدار خوش ہوا اور میں نے انہیں ایک کمرہ میں لائبریری کی شکل میں مرتب کر دیا۔

چند روز آرام کرنے کے بعد مجھے کالج کی طرف نئے سال کا ٹائم ٹیبل ملا جس میں ہر ہفتہ مسلسل تین دن تدریس کے تھے اور چار دن برابر آرام کے۔

میں نے موقع کو فینمت جانا اور موجودہ کتب کا مطالعہ شروع کر دیا۔

میں نے عقائد الامامیہ اور اصل الشیعہ و اصولہا " جیسی کتابیں پڑھی تو میرا ضمیر شیعوں

کے افکار اور عقائد کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گیا اور اسکے بعد میں نے میرا شرف الدین

الموسوی کی کتاب "الراجعات" پڑھی تو چند ہی صفحات کے بعد کتاب سے ایسا عشق

پیدا ہو گیا کہ سوائے مجبوری کے اسے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا تھا بلکہ بعض اوقات تو اپنے

ساتھ کالج تک لے کر چلا جاتا تھا۔ اس کتاب نے مجھے بالکل مبہوت بنا دیا تھا کہ شیعہ

عالم نے کس صورت کے ساتھ بات کہی ہے اور ان مسائل کو کتنی آسانی سے حل

کیا ہے جو ایک فتنی عالم اور شیخ ازہر کیلئے بھی انتہائی مشکل اور دشوار گزار تھے۔

میں نے اس کتاب میں اپنا رد حاصل کر لیا اس لئے کہ یہ ان کتابوں کے

مانند نہیں تھی جن میں مولف جو چاہتا ہے لکھتا رہتا ہے اور کوئی رد کرنے لڑکنے

والا نہیں ہوتا ہے۔ یہ کتاب مختلف مذاہب کے دو بڑے علماء کی علمی بحث ہے

جس میں ہر ایک دوسرے کی ہر چھوٹی بڑی بات کا محابہ اور مواخذہ کرتا ہے تاکہ

قرآن و سنت سے صحیح طور پر استفادہ کیا جاسکے۔

درحقیقت اس کتاب نے وہی کام کیا ہے جو میں کر رہا تھا۔ کتاب ایک

جو ایسے حق کا کام کر رہی تھی جو حقیقت کو تلاش کر رہا ہوا اور جہاں مل جائے قبول

کر لینے کو تیار ہو۔

کتاب میسر حق میں بیدار عقیدت تھی۔ اور اس کا میرے اوپر احسان عظیم ہے۔

میں اس وقت اور حیرت زدہ رہ گیا جب میں نے کتاب میں یہ بحث دیکھی

کہ صحابہ کرام رسول اکرم کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ اور اس کی متعدد مثالوں کے حوالے

دیکھے جن میں ایک روز چہنبنہ کا حادثہ بھی تھا۔ میں تو یہ تصور کبھی نہیں کر سکتا تھا کہ

حضرت عمر بن خطاب جیسا آدمی بھی رسول اکرم کے احکام میں مداخلت کر کے ان پر

ہدایان کا الزام لگائے گا۔ چنانچہ میں نے ابتداء میں ہی خیال کیا کہ یہ روایت شیعوں

کی کتابوں میں ہوگی لیکن اس وقت میری حیرت و دشت میں اور اضافہ ہو گیا جب

میں نے دیکھا کہ عالم شیعہ نے اس روایت کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے نقل کیا ہے

اور میں نے یہ طے کر لیا کہ اگر یہ روایت صحیح بخاری میں نکل آئی تو میں بھی اپنے بارے

میں کوئی فیصلہ کر لوں گا۔

میں نے دارالحکومت کا سفر کیا اور وہاں جا کر صحیح بخاری، صحیح مسلم،

مسند احمد صحیح ترمذی، موطا امام مالک اور دوسری بہت سی شہور کتابیں خرید لیں۔

اور گھر واپس آنے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ راستہ ہی سے مطالعہ شروع کر دیا۔ میں

بس میں بیٹھا ہوا کتاب کی درق گردانی کر رہا تھا اور روز چہنبنہ کے حادثہ کو

تلاش کر رہا تھا اور میرا دل یہ چاہتا تھا کہ یہ روایت کتاب میں نہ لے۔ لیکن

اس کے برخلاف روایت مل گئی اور میں نے اسے بار بار پڑھا اور دیکھا ہی پایا

جیسا کہ میرا شرف الدین نے نقل کیا تھا۔ چنانچہ میرا دل چاہا کہ میں پورے واقعہ

کا سرے سے انکار کر دوں اس لئے کہ میرے لئے یہ ماننا بہت مشکل تھا کہ حضرت عمر

ایسا سنگین اقدام کر سکتے ہیں لیکن میں ان حقائق کی کیوں کر تکذیب کر سکتا تھا۔

جو ہمارے صحاح میں موجود تھے اور جن کی صحت پر ہم تمام اہلسنت والجماعت کا ایمان تھا۔ اور ان میں شک کرنا یا انکی تکذیب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنے تمام اعتقادات کو ٹھکرا دیں۔ یہ بات اگر عالم شیعہ نے اپنی کتابوں سے نقل کی ہوتی تو میں ہرگز تصدیق نہ کرتا لیکن اب جب کہ ان صحاح سے نقل کی ہے جن کے انکار کی گنجائش نہیں ہے اور جنہیں ہم کتاب خدا کے بعد اصح الکتب مان چکے ہیں تو اب یہ بات ہمارے لئے لازمی ہو گئی ہے ورنہ یہ کتابیں مشکوک قرار پا جائیں گی اور ہمارے پاس احکام اسلامی کا کوئی قابل اعتماد ذریعہ نہ رہ جائے گا۔

کتاب خدا کے سارے احکام عمل ہیں جن کی تفصیلات کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ زمانہ زمانہ و رسول سے صدیوں بعد کا ہے اور احکام دین سب انہیں صحاح کے ذریعہ بطور وراثت ہم تک پہنچے ہیں لہذا ان کے نظر انداز کر دینے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

میں نے اس طوفانی اور دشوار گزار وادی بحث میں قدم رکھے ہوئے یہ عہد کر لیا کہ میں صرف انہیں صحیح احادیث پر اعتماد کروں گا جن پر اہلسنت اور شیعہ دونوں کا اتفاق ہو اور ان احادیث کو نظر انداز کروں گا جن کو کسی ایک فریق نے بیان کیا ہو گا۔ اس معتدل اور درمیانی انداز بحث سے میں تمام جذباتی محرکات، مذہبی تعصبات اور قومی یا وطنی رجحانات و میلانات سے دور رہ سکوں گا۔ اور شک کی راہوں کو طے کر کے یقین کی بندیوں تک پہنچ سکوں گا جو حقیقتاً طریق حق اور صراط مستقیم ہے

# عمیق تحقیقات کا آغاز

## صحابہ اہلسنت اور شیعوں کی نظر میں

منزل حقیقت تک لے جانے والی بحثوں میں سے سب سے اہم بحث جو اس تعمیر میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے صحابہ کی زندگی، ان کے حالات، ان کے اعمال، اور ان کے عقائد کا مسئلہ ہے اس لئے کہ وہی ہر معاملہ میں ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور انہیں سے ہم نے اپنا دین لیا ہے اور احکام خدا کی معرفت کے روشنی حاصل کی ہے۔

علماء اسلام نے سابق میں بھی اس مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ کرتے ہوئے انکی سیرت اور ان کے کردار کے بارے میں بحث کی ہے اور مختلف کتابیں تالیف کی ہیں۔ مثلاً "أسد الغابۃ فی تمییز الصحابۃ"۔ "الاصابة فی معرفة الصحابۃ"۔ اور "میزان الاعتدال" وغیرہ جن کتابوں نے ان کی حیات کا تجزیہ کیا ہے اور ان کے بارے میں بحث کی ہے لیکن یہ تمام بحثیں صرف اہلسنت والجماعت کے نقطہ نگاہ سے ہیں۔

اس مقام پر سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ سابق علماء عام طور سے تاریخ و تحریر میں وہ انداز اختیار کرتے تھے جو اموی اور عباسی حکام کے خیالات کے مطابق ہوں جن کی دشمنی اہلبیت شہرہ آفاق حیثیت رکھتی ہے۔ اس بنا پر یہ انتہائی نا انصافی ہے کہ ان کے بیانات پر اعتماد کر لیا جائے اور دوسرے علماء اسلام کے بیانات کو نظر انداز کر دیا جائے جنہیں ان حکومتوں نے

پامال کیا ہے، آوارہ وطن بنایا ہے یا موت کے گھاٹ اتار دیا ہے صرف اس لئے کہ یہ حضرات اہلبیت کے پیرو تھے اور انھوں نے ان ظالموں اور بے راہرو حکومتوں کے خلاف عدائے انقلاب بلند کی تھی۔

ان تمام مسائل میں بنیادی ذمہ داری صحابہ کی ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس بات میں جھگڑا ڈال دیا کہ رسول اللہؐ تاہم کئی نوشتہ لکھیں جو انہیں قیامت تک گمراہی سے بچائے رہے اور ان کے اسی جھگڑے نے امت اسلامیہ کو اس فضیلت سے محروم کر دیا اور گمراہی کے اس گڑھے میں ڈھکیں دیا۔ جس کے نتیجے میں تقسیم، تفرقہ، جنگ و جدال، کمزوری اور آخر میں تباہی اور بربادی منظر عام پر آگئی۔

انہیں صحابہ نے خلافت میں جھگڑا ڈالا اور پھر حزب حاکم اور حزب متکلف میں تقسیم ہو گئے۔ اور اس کے نتیجے میں امت پسماندہ ہو کر شیعہ علیؑ اور شیعہ معاویہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔

انہیں صحابہ کرام نے کتاب و سنت کی تفسیر میں اختلاف پیدا کیا جس کے بعد مذاہب، فرقے، ملتیں اور گروہ وجود میں آئے۔ اور اس کے زیر اثر علم کلام کے مدرسے، افکار کے جھگڑے اور طرح طرح کے فلسفے منظر عام پر آئے جنہیں سیاسی محرکات نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے خوب خوب سہارا دیا۔

حقیقت امر یہ ہے کہ اگر صحابہ نہ ہوتے تو مسلمانوں میں نہ کوئی اختلاف ہوتا نہ کوئی تفرقہ اور جو کچھ بھی تفرقہ پیدا ہوا ہے یا پیدا ہوگا سب کا تعلق انہیں صحابہ کے بارے میں اختلاف ہے ورنہ تمام مسلمانوں کا مذا ایک، رسول ایک، قبلہ ایک اور قرآن ایک ہی ہے اور سب اس بات پر متفق ہیں کہ اختلاف کا سلسلہ روز اول و نوات پیغمبرؐ کے بعد سقیفہ نبی ساعدہ میں صحابہ کے اختلاف سے شروع ہوا ہے اور

آج تک جاری ہے اور نہ جانے کب تک جاری رہے گا۔ میں نے علماء شیعہ سے گفتگو کے دوران یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان کی نظر میں اصحاب کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم ان اصحاب کی ہے جو نیک کردار، خدا و رسول کے مکمل طور پر سچے اپنے والے اور رسول کے ہاتھوں پر مرتنے کے لئے بیعت کرنے والے اقوال میں اٹھے ساتھی اور اعمال میں ان کے مخلص تھے۔ ان میں کسی طرح کا اختلاف نہیں پیدا ہوا اور حضور کے بعد بھی اپنے عہد پر قائم رہے۔ انہیں اصحاب کی قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مدح کی گئی ہے۔ اور انہیں کی شان و صفت کا اعلان مختلف اوقات میں پیغمبر اسلام نے کیا ہے۔

شیعہ ان اصحاب کا نہایت ہی احترام اور تقدیس کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں جس طرح کہ اہلسنت ان کے اعزاز و احترام کے قائل ہیں۔

دوسری قسم ان اصحاب کی ہے جنہوں نے اسلام کو گلے لگایا خوف یا رعبت سے رسول اکرمؐ کا اتباع کیا، اور برابر آپ پر اپنے اسلام کا احسان بتا رہے۔ بلکہ بعض اوقات تو آپ کو اذیت بھی دیتے رہے آپ کے اوامر و نواہی کا اتباع کرنے کے بجائے نصوص صریحہ کے مقابلہ میں اپنے اجتہاد کا راستہ کھولتے رہے یہاں تک کہ قرآن نے کبھی ان کی سرزنش کی اور کبھی انہیں عذاب الہی سے ڈرایا۔ بلکہ مختلف آیات میں ان کی فضیلت کا اعلان کیا اور رسول اکرمؐ نے بھی مختلف احادیث میں ان سے ہوشیار رہنے کی تلقین فرمائی۔ شیعہ حضرات ان اصحاب کا ان کے اعمال و افعال کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں اور الگ سے کسی تقدیس اور احترام کے قائل نہیں ہیں۔

تیسری قسم ان منافق اصحاب کی ہے جو مکاریوں کی بنا پر رسول اکرمؐ کے ساتھ رہے۔ اسلام کا اظہار کیا اور باطن میں کفر کو چھپائے رہے۔ رسول اکرمؐ سے نزدیک صرف اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے آئے اور ان کے بارے میں خدا نے ایک مکمل سورہ نازل فرمادیا۔ اور مختلف مقامات پر ان کی مذمت کی اور جہنم کے آخری طبقے کی تنبیہ کی۔ رسول اکرمؐ نے بھی ان کا تذکرہ کرتے ہوئے ان سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی اور بعض اصحاب کو ان کے نام اور ان کی علامتوں سے بھی باخبر کر دیا اور یہی وہ افراد ہیں جن پر شیعہ اور سنی دونوں لعنت کرتے ہیں اور ان سے دونوں ہی بیزار ہیں۔

ان تینوں قسموں کے علاوہ صحابہ کی ایک اور قسم بھی ہے جنہیں قربت اور جسمانی دروہانی فضیلت کا امتیاز بھی حاصل ہے۔ انہیں خدا و رسولؐ نے ان خصوصیات سے نوازا ہے جہاں تک کوئی دوسرا پہنچ نہیں سکتا۔ انہی کو اہلبیت کہا جاتا ہے جن سے خدا نے ہر جس کو دور رکھا ہے۔ اور انہیں مکمل طریقہ سے پاک اور پاکیزہ بنایا ہے۔ (سورہ احزاب ۳۳)

انہیں پر رسول اکرمؐ کی طرح صلوات کو واجب قرار دیا ہے اور انہیں کے لئے خمس میں ایک حصہ قرار دیا ہے۔ (انفال ۴۱)

انہیں کی محبت کو رسالت کا اجر قرار دیکر تمام مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ (شوریٰ ۲۳)

اور یہی وہ اولی الامر ہیں جنکی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ (نساء ۵۹)

اور یہی را سخنون فی العلم ہیں جو تاویل قرآن سے باخبر اور محکم اور متشابہ کے جاننے والے ہیں۔ (آل عمران ۷)

اور یہی وہ اہل ذکر ہیں جنہیں رسول اکرمؐ نے حدیث ثقلین میں قرآن کا ساتھی

بنا کر دونوں سے تمسک کرنے کو واجب قرار دیا ہے (کنز العمال جلد اول ص ۴۱۰ - مستدرک جلد ۵ ص ۱۸۲)

یہی وہ افراد ہیں جنہیں کشتی نوح کی مثال بنایا گیا ہے کہ جو اس سفینہ پر سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو الگ ہو گیا وہ ڈوب گیا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۵۵، صواعق محرقة ص ۱۸۳ و ۲۳۴)۔

صحابہ کرام خود بھی اہلبیت کی قدر و منزلت سے باخبر تھے اور ان کی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ شیعہ ان اہلبیت کو تمام اصحاب پر فوقیت دیتے ہیں اور ان کے بارے میں ان کے پاس نصوص صریحہ کے مختلف دلائل بھی موجود ہیں۔

اہلسنت والجماعت اگرچہ اہلبیت کے احترام و تعظیم اور تفضیل کے قائل ہیں لیکن صحابہ کی اس تقسیم کے قائل نہیں ہیں۔ اور نہ اصحاب میں منافقین کا شمار کرتے ہیں بلکہ صحابہ ان کی نظر میں سب کے سب رسول اکرمؐ کے بعد تمام مخلوقات سے بالاتر ہیں اور اگر کوئی تقسیم ہے تو صرف اسلام میں سبقت اور راہ خدا میں عبادات کے اعتبار سے ہے۔ اسی لئے پہلی منزل میں خلفاء راشدین کو فضیلت دی جاتی ہے۔

اس کے بعد عشرہ مبشرہ کے باقی چھ افراد کو رکھا گیا ہے جن کو ان کے خیال میں جنت کی بشارت دی گئی ہے اور اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ جب رسولؐ اور آل پر صلوات پھینچتے ہیں تو بلا استثنا تمام اصحاب کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔

یہی وہ حقائک ہیں جن کو میں نے علماء اہلسنت سے سیکھا ہے اور وہ صلوات ہیں جن کو میں نے تقسیم صحابہ کے بارے میں علماء شیعہ سے حاصل کیا ہے اور اسی بات نے مجھے مجبور کیا ہے کہ میں اپنی بحث کا آغاز صحابہ کے بارے میں عمیق ترین گفتگو سے کر دوں۔ اور میں نے پروردگار سے یہ عہد کیا ہے کہ اگر اسکی توفیق شامل حال رہے تو تمام جذبات سے الگ ہو کر غر حاندارانہ انداز سے بحث کروں گا (ص ۱۸) طرح

کہ دونوں فرقوں کی باتیں سنوں گا اور جو بہتر ہو گا اس کا اتباع کروں گا۔  
اس سلسلہ میں میری دو بنیادیں ہیں۔ ۱۔ منطق سلیم کا قانون اور  
اس کا مطلب یہ ہے کہ میں کتابِ خدا اور سنتِ پیغمبر کی تفسیر میں صرف ان باتوں پر  
اعتبار کروں گا جو فریقین کے درمیان متفق علیہ ہوں گی۔

۲۔ عقل جو انسان کے لئے اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے اور اس کے  
ذریعہ اللہ نے اسے تمام مخلوقات سے افضل و بہتر قرار دیا ہے کہ جب بھی کسی  
بات پر احتجاج کرنا ہوتا ہے تو اسی کا حوالہ دیکر فرماتا ہے کہ کیا ان کے پاس  
عقل نہیں ہے؟ کیا یہ فہم نہیں رکھتے ہیں؟ کیا یہ تدبیر سے کام نہیں لیتے ہیں؟  
اور کیا انہیں کچھ نہیں دکھائی دیتا ہے۔

بحث سے پہلے میرے اسلام کی بنیاد یہ ہے کہ میں اللہ بڑا مکہ۔ صحیفے اور  
رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ حضرت محمد کو اس کا بندہ اور رسول سمجھتا ہوں  
اور اسلام کو اس کا پسندیدہ دین قرار دیتا ہوں۔

اس سلسلہ میں میرا اعتماد کسی صحابی پر نہیں ہے چاہے وہ کیسی ہی قربت  
یا منزلت کا مالک کیوں نہ ہو۔ میں نہ اموی ہوں نہ عباسی نہ فاطمی۔ میرا مسلک  
نہ سُنی ہے نہ شیعہ۔ میں نہ ابو بکر، عمر و عثمان سے عداوت رکھتا ہوں نہ علی سے۔  
حدیہ ہے کہ حضرت حمزہ کے قاتل وحشی سے بھی نہیں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا اور  
اسلام پرانے معاملات کو ختم کر دیتا ہے اور رسول اکرم نے بھی اسے معاف کر دیا ہے؟  
اور جبکہ میں نے حقیقت کی تلاش کرنے میں اپنے نفس کو اس ہملکہ میں ڈال دیا  
ہے اور پورے انخلاص کے ساتھ تمام سابق افکار سے آزادی حاصل کر لی ہے۔  
تو رحمتِ خدا کے سہارے میری بحث کا آغاز صحابہ کے موقف اور انکے اعمال و افعال

## صحابہ۔ صلح حدیبیہ میں

اس قصہ کا اجمال یہ ہے کہ سترھ میں رسول اکرم اپنے چودہ سو  
اصحاب کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے مدینہ سے نکلے اور سب کو حکم دیا کہ تلواروں  
کو نیام میں رکھیں۔ ذی الحلیفہ میں سب نے احرام باندھا اور تقلید کے ساتھ  
قربانی کو ساتھ لے کر چلے تاکہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ زیارت اور عمرہ کی نیت  
سے آرہے ہیں اور جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن قریش کو اپنے غرور اور  
نخوت کی بنا پر یہ خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں عرب کو یہ احساس نہ پیدا ہو جائے کہ  
محمد نے طاقت کے زور پر مکہ میں قریش کی شان و شوکت کو توڑ دیا ہے۔ اسلئے  
سہیل بن عمرو بن عبد و ذوالعالی کی سرکردگی میں ایک وفد بھیجا اور یہ مطالبہ  
کیا کہ پیغمبر اسلام اس سال واپس چلے جائیں اور اگلے سال ان کے لئے تین  
دن کے واسطے مکہ خالی کر دیا جائے گا۔ اور وہ اطمینان سے عمرہ کر لیں گے۔

اس سلسلہ میں کچھ سنگین شرطیں بھی رکھیں لیکن حضور اکرم نے مصلحت  
اسلام کے لئے سب کچھ قبول کر لیا۔ لیکن بعض اصحاب کو آپ کے تصرفات اچھے  
نہیں معلوم ہوئے اور انہوں نے ان اقدامات کا شدت سے مقابلہ کیا یہاں  
تک کہ عمر بن خطاب نے آکر کہا کیا آپ واقعتاً نبی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا بیشک!  
انہوں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا بیشک!

حضرت عمر کا یہ قول درحقیقت مقصد حدیث کی گواہی دیتا ہے اس لئے کہ ارشاد سرکارِ دو عالم تھا کہ امت کو قرآن اور عزت دونوں سے تمسک کرنا ہے اور عمر بن الخطاب نے فرمایا کہ قرآن ہمارے پاس موجود ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے ہمیں عزت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب اس حادثہ کی اس کے علاوہ کیا تفسیر ہو سکتی ہے کہ صحابہ کا مقصد رسول اکرم کی مخالفت کرنا تھا اور بس۔ ہاں صرف یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ حسب کتاب اللہ کا مقصد یہ تھا کہ خدا کافی ہے اور رسول کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ بات بھی خلاف اسلام اور غیر منقول ہے۔

اس لئے میں نے اندھے تعصب اور بیجا جذباتیت کے راستہ کو چھوڑنے کے بعد عقل سلیم اور فکر آزاد کے فیصلہ کی بنا پر یہ طے کر لیا کہ شیعوں کا تجزیہ بالکل صحیح ہے اور اگر میرا یہ خیال غلط بھی ہے تو یہ غلطی اس فعل سے کتر ہے کہ حینا کتاب اللہ کہہ کر سیرت پیغمبر کو ٹھکرا دیا جائے اور اگر بعض مسلمان حکام نے سیرت پیغمبر کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا ہے کہ اس میں تناقض پایا جاتا ہے تو اس میں بھی اسلامی تاریخ کے اسی سابقہ کا اتباع کیا گیا ہے اور میں تو اس غلطی کی ذمہ داری تنہا حضرت عمر پر نہیں ڈالتا بلکہ انصاف کے راستے پر چلتے ہوئے ان تمام صحابہ کو ذمہ دار قرار دیتا ہوں جنہوں نے عمر جیسی بات کہی اور رسول اللہ کے مقابلے میں ان کے موقف کی تائید کر دی۔

مجھے تو ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو اس حادثہ کو پڑھ کر یوں گزر جاتے ہیں جیسے کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں جبکہ بقول ابن عباس یہ تاریخ کا سب سے بڑا حادثہ ہے اور سب سے زیادہ تعجب ان لوگوں کے حال پر ہوتا ہے جو ایک صحابی کی عزت بچانے اور اس کی غلطی کی توجیہ کرنے میں سارا زور صرف کر دیتے ہیں چاہے اس

راہ میں رسول اللہ کی شہادت اور اسلام کے قوانین ہی کو کیوں نہ قربان کرنا پڑے۔ عزیزانِ گرامی، آخر ہم حقیقت سے کیوں بھاگنا چاہتے ہیں، اور ان معاملات کو کیوں دباننا چاہتے ہیں جو ہماری خواہشات کے مطابق نہیں ہیں۔ ہم یہ اعتراف کیوں نہیں کرتے کہ صحابی ہمیں جیسے انسان ہیں۔ ان کے پاس بھی خواہشات مفادات اور میلانات سب کچھ ہیں۔ وہ صحیح کام بھی کرتے ہیں اور ان سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔

ہاں میرا تعجب اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب میں کتاب خدا کا مطالعہ کرتا ہوں اور وہ انبیاء کرام کے واقعات اور معجزات کو دیکھنے کے بعد کبھی قوموں کی طرف سے ان کے حق میں شدید قسم کی مخالفت کرتا ہے (خدا یا! ہدایت کے بعد ہمارے دلوں میں کبھی نہ پیدا ہونے دینا اور ہمیں اپنے خزاں خاص سے رحمت عطا فرمائے کہ تو بہترین عطا کرنے والا ہے۔

اب مجھے یہ اندازہ ہونے لگا ہے کہ شیعہ حضرات جو مسلمانوں کی زندگی کے بیشتر مصائب کی ذمہ داری خلیفہ دوم پر ڈالتے ہیں کہ انہوں نے امت کو اس نوشتہ ہدایت سے محروم کر دیا ہے جو رسول اکرم اس کے واسطے لکھنا چاہتے تھے۔ ان کے اس موقف کا پس منظر کیا ہے اور میں اس اعتراف پر مجبور ہوں کہ جس شخص نے کبھی شخصیتوں سے بالاتر ہو کر حق و عرفان حاصل کیا ہے وہ ان کے موقف کی تائید کرے گا۔ اور جس نے حق کو شخصیتوں ہی سے پہچانا ہے اس سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

## ۳ صحابہ شکر اسامہ میں

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم نے اپنی وفات سے دو دن پہلے



روم سے مقابلہ کرنے کے لئے ایک لشکر تیار کیا اور اس کا سردار سامہ ابن زید ابن حارثہ کو قرار دیا۔ جن کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی اور اس لشکر میں ابو بکر عمر اور ابو عبیدہ جیسے مشاہیر اصحاب اور ہاجرین و انصار کے نمایاں افراد کو بھی شامل کر دیا۔ جس پر ایک جماعت نے اسامہ کی سرداری پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہم پر ایسے جوان کو کیوں سردار بنا دیا گیا ہے۔ جس کا سبزہ آغاز نہیں ہوا ہے اور یہی بات اس سے پہلے ان کے باپ کی سرداری کے موقع پر کہی جا چکی تھی۔

چنانچہ صحابہ کے اس طرز و تہذیب کو سن کر سرکار کو بید غصہ آیا اور آپ بخار کے عالم میں سر پر بٹی باندھے دو افراد پر تکیہ کئے ہوئے یوں بیت الشرف سے برآمد ہوئے کہ آپ کے پاؤں زمین پر خط دیتے جاتے تھے۔ اور پھر منبر پر جا کر حمد و ثنائے الہی کے بعد فرمایا ”ایہا الناس یہ اسامہ کی سرداری کے بارے میں میں کیا باتیں سن رہا ہوں۔ اور آج یہ کوئی نیا اعتراض نہیں ہے تم ان سے پہلے ان کے باپ کی سرداری پر بھی اعتراض کر چکے ہو۔ خدا کی قسم زید سرداری کے حق دار تھے اور ان کے بعد ان کا بیٹا اس منصب کا اہل ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۹۔ تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۷۔ السیرۃ العلییہ جلد ۳ صفحہ ۲۰۷۔ تاریخ طبری

جلد ۳ صفحہ ۲۲)

اس کے بعد آپ نے قوم کو غلبت پر آمادہ کرنا شروع کر دیا اور فرمایا کہ لشکر اسامہ کو تیار کرو۔ لشکر اسامہ کو روانہ کرو۔ لشکر اسامہ کو آگے بڑھاؤ اور اس بات کی سلسل تکرار فرماتے رہے لیکن لوگوں کی سستی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ تو اب میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر خدا در رسول کے مقابلے میں یہ جرات کیسی ہے اور پیغمبر اکرم کے حق میں یہ نافرمانی کیا معنی رکھتی ہے جب کہ وہ بوہین کے فائدہ کے لئے بیچین اور ان کے حال پر مہربان رہتے ہیں۔

میں تو ایسی مخالفت اور ایسی جرات کی کوئی معقول تفسیر نہیں سوچ سکتا ہوں اور میری طرح کوئی دوسرا انسان بھی نہیں سوچ سکتا ہے۔

میرادل چاہتا تھا کہ میں دیگر واقعات کی طرح اس واقعہ سے بھی آنکھ بند کر کے گذر جاؤں یا اس کی تکذیب کر دوں کہ اس سے قریب یا دور سے صحابہ کی عظمت کو ٹھیس لگ گئی ہے۔ لیکن میں اس حقیقت سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔ جسے شیعہ اور سنی دونوں طرح کے مورخین اور محدثین نے بالافتقار نقل کیا ہے۔

میں اپنے خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ انصاف کر دوں گا اور کسی مذہبی تعصب سے کام نہیں لوں گا اور حق کے علاوہ کسی چیز کو کوئی اہمیت نہیں دوں گا۔ اگرچہ حق اس مقام پر انتہائی تلخ ہے۔ اور سرکار دد عالم نے فرمایا ہے کہ ”حق کہو چاہا اپنے ہی خلاف کیوں نہ ہو اور حق کہو چاہے تلخ ہی کیوں نہ ہو“

اور حق اس واقعہ میں یہی ہے کہ جن صحابہ نے اسامہ کی سرداری پر اعتراض کیا انہوں نے حکم الہی کی مخالفت کی اور ان صریح نصوص کی مخالفت کی جن میں کسی شک اور تاویل کی گنجائش نہیں اور اس سلسلے میں ان کے پاس کوئی معقول عذر بھی نہیں ہے۔

علاوہ ان بے جان معذرتوں کے جنہیں بعض لوگوں نے صحابہ اور سلف صراح کی عزت کے تحفظ کے لئے تلاش کیا ہے۔ جب کہ آزاد فکر اور صاحب عقل ایسی باتوں کو کسی قیمت پر مستبول نہیں کر سکتا ہے مگر یہ کہ ان لوگوں میں شامل ہو جائے جو بقول قرآن کوئی بات ہی نہیں سمجھتے ہیں۔ یلبے عقل ہیں یا تعصب نے انہیں اتنا اندھا بنا دیا ہے کہ واجب و حرام میں کوئی امتیاز نہیں قائم کر پاتے ہیں۔

میں نے بہت غور کیا کہ ان صحابہ کے لئے کوئی عذر تلاش کر دوں لیکن میری

پھر میں نے اہلسنت کی یہ معذرتیں پڑھیں کہ یہ سب قریش کے شیوخ اور بزرگ تھے انہیں اسلام میں سبقت حاصل تھی اور اسامہ بالکل نوجوان تھے، انہوں نے بدر واحد و حنین جیسے غزت اسلام کیلئے فیصلہ کن معرکوں میں شرکت بھی نہیں کی تھی۔ ان کا اسلام میں کوئی سابقہ بھی نہیں تھا بلکہ وہ بالکل ایک کمسن نوجوان تھے جسے فطری طور پر بزرگ اور بوڑھے افراد برداشت نہیں کر پاتے ہیں اور طبعی طور پر ان کے احکام کی اطاعت کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں اور اسی لئے ان لوگوں نے اسامہ کی سرداری پر اعتراض کیا تھا۔ اور یہ چاہا تھا کہ حضور ان کی جگہ پر کبھی بزرگ اور نمایاں صحابی کو سردار بنا دیں۔ لیکن مجھے ان معذرتوں کی کوئی عقلی یا شرعی دلیل نہیں مل سکی۔ اور کسی قرآن پڑھنے والے اور اس کے احکام جاننے والے مسلمان کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ ان معذرتوں کو رد کر دے۔ اس لئے کہ پروردگار نے فرمایا ہے (جو تمہیں رسول دیدیں لے لو اور جس چیز سے روک دیں رک جاؤ۔ سورہ جز آیت ۷)۔ (خدا و رسول اگر کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو کسی مومن مرد یا عورت کو کوئی اختیار نہیں رہ جاتا اور جو خدا و رسول کی مخالفت کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو گا۔ احزاب ۳۶)

ان صریحی نصوص کے بعد وہ کون سا عذر باقی رہ جاتا ہے جسے صابان عقل قبول کر لیں اور میں اس قوم کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں جس نے یہ جانتے ہوئے رسول اکرم کو غضبناک کیا کہ ان کا غضب اللہ کا غضب ہے اور انہیں ہذیان گو قرار دیا اور مرض الموت کے عالم میں ان کے سامنے اتنا ہلکا اور ہتکامہ کیا کہ سب کو حجرہ سے باہر نکال دینا پڑا۔ کیا یہ حادثہ اس امر کے لئے کافی نہیں تھا

کہ لوگ راہ راست پر آجائیں اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کریں اور رسول سے بھی اپنے حق میں استغفار کا مطالبہ کریں جیسا کہ قرآن نے اشارہ دیا ہے یہ جا بیکہ اس کے بعد بقول عرب "مٹی کو اور گیلانا دیں، اور رحیم و کریم پیغمبر کے مقابلہ میں ایسی جسارتیں کریں کہ نہ ان کے حق کی رعایت رہ جائے اور نہ ان کے احترام کی کوئی حیثیت رہ جائے اور اسامہ کی سرداری پر اس دقت طعن و طنز کریں جب کہ ابھی ہذیان کا زخم مندمل بھی نہیں ہوئے پایا تھا اور بقول مورخین رسول اکرم کو اس شدت مرض کے عالم میں باہر نکلنے پر مجبور کر دیں جبکہ آپ دوا دیوں پر تکیہ کئے ہوئے تھے اور آپ کے پاؤں زمین پر خط دیتے جا رہے تھے پھر آپ کو اس بات کی قسم بھی کھانا پڑے کہ اسامہ سرداری کے حقدار ہیں اور یہ اعلان بھی کرنا پڑے کہ یہ لوگ اس سے پہلے زید بن حارثہ کی سرداری پر بھی اعتراض کر چکے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے اس سے پہلے بھی بہت سے واقف اور سابقہ ہیں جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ لوگ ہرگز ان لوگوں میں نہیں تھے جو رسول کے فیصلے کے بعد دل میں کسی طرح کی تنگی محسوس نہ کریں۔ اور ان کے سامنے سراپا تسلیم بن جائیں بلکہ ان کا شمار ان معاندین اور مخالفین تھا جنہوں نے اپنے واسطے حق تنقید و اعتراض محفوظ کر لیا تھا چاہے اس راہ میں خدا و رسول کے احکام کی مخالفت ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

اس صریحی مخالفت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان افراد نے یہ دیکھنے کے بعد بھی کہ پیغمبر اسلام غصتہ کے عالم میں ہیں اور آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے علم شکر تیار کیا ہے اور لوگوں کو جلدی کرنے کا حکم دیا ہے۔ سستی اور کاہلی سے کام لیا اور شکر اسامہ کے ساتھ نہ گئے یہاں تک کہ حضور کا انتقال ہو گیا "ہمارے ماں باپ قربان اس نازنین پر جو اپنے ساتھ امت کا یہ درد لے کر چلا گیا کہ یہ

عنقریب اگلے پاؤں پلٹ جانے والی ہے اور اس کا آتش جہنم ہو گا۔  
علاوہ اس مختصر اقلیت کے جسے مکونود حضور نے ہدایت یافتہ قرار دیا ہے۔

ہم اگر اس واقعہ میں مزید غور کرنا چاہیں تو یہ دیکھیں گے کہ اس کے سب سے زیادہ نمایاں عنصر اور اس سیاسی بیج دشمن کے سب سے بڑے قطب خلیفہ دوم تھے جنہوں نے وفات پیغمبر کے بعد بھی ابوبکر سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اسامہ کو معزول کر کے کسی دوسرے کو سردار لشکر بنا دیں۔ جس پر ابوبکر نے بگڑ کر جواب دیا تھا کہ ابن خطاب! تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے مجھے اس شخص کو معزول کرنے کا مشورہ دے رہا ہے جسے رسول اللہ نے حاکم بنا دیا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۹) تاریخ طبری جلد ۳ ص ۲۳۳۔ آخر عمر کو اس حقیقت کا ادراک کیوں نہیں ہوا جسے ابوبکر نے سمجھ لیا تھا یا پھر اس مسئلہ میں کوئی دوسرا ہی راز تھا۔ جو مورخین پر واضح نہیں ہو سکا یا انھوں نے اس راز کو عمر کی عظمت کے تحفظ کے لئے چھپا دیا جیسا کہ ان کی ایک نام عادت ہے اور اسی کے تحت لفظ ہذیان کو غلبہ مرض سے تبدیل کر دیا ہے۔

مجھے بہر حال ان صحابہ کے نام پر تعجب ہوتا ہے جنہوں نے جہنم کے دن رسول اکرم کو غضبناک کیا، انہیں ہذیان گو قرار دیا اور پھر حبنا کتاب اللہ کا اعلان کر دیا جب کہ خود کتاب خدا کا اعلان تھا کہ پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کے چاہنے والے ہو تو میرا اتباع کرو تاکہ اللہ تم سے محبت کرے۔  
(آل عمران آیت ۳)

تو کیا یہ صحابہ کتاب خدا اور اس کے احکام سے اس پیغمبر سے زیادہ باخبر تھے جس پر یہ کتاب نازل ہوئی تھی اور آج اس حادثہ کے دو دن بعد اور پیغمبر کی بارگاہ الہی میں جاضری سے دو دن پہلے آپ کو دوبارہ کچھ زیادہ ہی غضبناک

کر رہے ہیں اور آپ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے اسامہ کی سرداری پر اعتراض کر رہے ہیں۔

حادثہ اتنا سنگین ہے کہ پیغمبر گھر سے باہر جانے پر مجبور ہو گئے ہیں اور منبر پر آجانے کے بعد آپ نے پہلے مکمل خطبہ کے انداز سے حمد و ثناء الہی کی تاکہ قوم کو اندازہ ہو جائے کہ میرے کلام میں کسی طرح کا ہذیان نہیں ہے اس کے بعد ان کے اعتراض کو بیان کیا اور چار سال پہلے وارد ہونے والے ایسے ہی ایک اعتراض کو یاد دلایا۔ کیا اسکے بعد بھی صحابہ کا خیال تھا کہ پیغمبر ہذیان گو ہیں یا ان پر مرض کا غلبہ ہو گیا ہے اور انہیں خود شعور نہیں ہے کہ کیا کہہ رہے ہیں۔

میسر خدائے پاک و بے نیاز! ان لوگوں نے تیرے رسول کی شان

میں کس طرح کی جسارت کی ہے اور کس طرح اس کے احکام کی شدت سے مخالفت کی ہے کہ اس نے تین مرتبہ حدیسیہ میں قربانی کا حکم دیا تو کسی نے قبول نہ کیا اور اللہ ابن ابی کے جنازہ پر نماز کے لئے کھڑا ہوا تو یہ کہہ کر وامن کھینچ لیا کہ منافق کی نماز جنازہ ممنوع ہے گو یا یلوگ خود پیغمبر کو احکام الہی سکھا رہے تھے جب کہ تو نے قرآن میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ پیغمبر ہم نے آپ کی طرف ذکر کو اس لئے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں سے اس کے احکام بیان کریں۔ نکل آیت ۳۳۔ پیغمبر ہم نے آپ کی طرف اس کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ آپ خدا کے بتلئے ہوئے قانون کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔ نسا آیت ۱۵۔

(جس طرح ہم نے تمہاری طرف تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے تمہیں پاکیزہ نفس بنا تا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور ان تمام باتوں کی تعلیم دیتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔ بقرہ آیت ۱۲۹)

یقیناً حیرت انگیز ہے اس قوم کا حال جو اپنے کورل اکرم سے بالاتر سمجھتی ہے کہ کبھی ان کے احکام کو ٹھکرا دیا۔ کبھی انہیں ہڈیاں گو قرار دیدیا اور کبھی ان کے سامنے ادب و احترام کا لحاظ کئے بغیر منگامہ شروع کر دیا۔ کبھی زید بن حارثہ کی سرداری پر اعتراض کیا۔ اور کبھی ان کے بیٹے اسامہ کی سرداری کو قابل تنقید بنا دیا۔ کیا اس کے بعد بھی اہل تحقیق کی نظر میں اس امر کی کوئی شک رہ جاتا ہے کہ شیعہ اس بات میں قطعاً حق بجانب ہیں کہ وہ صحابہ کے اعمال کے سامنے سوالیہ نشان کھڑا کرتے ہیں اور ان کے احترام کو صاحب رسالت اور اہلبیت کی محبت و مودت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

میں نے تو مخالفتوں کی چار پانچ مثالیں بنظر اختصار بیان کر دی ہیں تاکہ انہیں کو غور فرادیا جائے ورنہ علماء شیعہ نے ایسے سیکڑوں موارد کی نشاندہی کی ہے جہاں صحابہ نے صریحی نصوص کی کھلی مخالفت کی ہے اور اس دعوے پر انہیں بیانات سے استدلال کیلئے جنہیں علماء اہلسنت نے اپنے صحاح اور مسانید میں نقل کیا ہے۔

میں جس وقت ان موافق پر نگاہ کرتا ہوں تو حیرت زردہ اور دہوش ہو کر رہ جاتا ہوں نہ صرف اس لئے کہ صحابہ کے تصرفات کیا تھے بلکہ اس لئے کبھی کہ ان علماء اہلسنت کو کیا ہو گیا ہے جو ہمارے سامنے صحابہ کی تعریف پیش کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ حق بجانب تھے۔ اور ان پر کسی طرح کی تنقید نہیں ہو سکتی ہے اور اس طرح ایک جو یائے حقیقت کو منزل تک پہنچنے سے روک دیتے ہیں اور وہ فکری تناقضات کے درمیان ٹھوکرین کھاتا رہتا ہے۔

گذشتہ بیانات کے علاوہ میں کچھ مثالیں اور نقل کرنا چاہتا ہوں جن سے صحابہ کے کردار کی صحیح تصویر کشی ہو سکتی ہے اور شیعوں کا موقف

اور بھی بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

بخاری نے اپنی صحیح کے جلد چار صفحہ ۴۷ باب البصر علی الازلی میں اور آیہ کریمہ "اتما یونی الصابرین اجر ہم" کے ذیل میں اعمش کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں نے شفیق کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ عبد اللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے ایک مرتبہ کچھ مال تقسیم کیا تو انصار میں سے ایک شخص نے کہا واللہ اس تقسیم کی بنیاد ذات خدا نہیں ہے تو میں نے یہ کہا کہ میں یہ بات منیغبر سے بیان کر دوں گا اور میں نے آکر اصحاب کے سامنے اسے بیان بھی کر دیا تو منیغبر کے چہرہ کا رنگ بدل گیا اور ایسے غضب کے آثار نمودار ہوئے کہ میں نے سوچا کہ کاش میں نے یہ خبر نہ دی ہوتی تو آپ نے فرمایا کہ موسیٰ کو اس سے زیادہ تکلیف دی گئی ہے لیکن انہوں نے بھی صبر سے کام لیا ہے۔

جس طرح کہ بخاری نے اسی کتاب الادب کے باب التسم والضحک میں انس بن مالک کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں رسول اکرم کے ساتھ جا رہا تھا اور آپ ایک بخرا نی ردا اوڑھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی نے آکر پوری شدت کے ساتھ ردا کو کھینچا کہ آپ کا شانہ کھل گیا اور جسم پر ردا کے حاشیہ کے نشان پڑ گئے اور یہ کہا کہ محمد جو مال خدا رکھے ہوئے ہو اس میں سے مجھے بھی دو تو آپ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور مسکرا کر عطیہ کا حکم دے دیا۔

جس طرح خود بخاری ہی نے حضرت عائشہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ منیغبر نے ایک عمل انجام دے کر اس کی اجازت دی تو لوگوں نے اس سے پرہیز کرنا شروع کر دیا اور آپ کو اس بات کی خبر ملی تو خطبہ ارشاد فرمایا اور حملہ الہی کے بعد فرمایا کہ ان قوموں کو کیا ہو گیا ہے جو ان باتوں سے پرہیز کرتی ہیں جنہیں میں انجام دیتا ہوں۔ خدا کی قسم میں ان سب سے زیادہ معرفت خدا بھی رکھتا ہوں اور خوف خدا بھی

ان روایات میں جو شخص بھی وقت نظر سے کام لے گا وہ یہ دیکھے گا کہ صحابہ اپنے کو پیغمبر سے بھی بالاتر سمجھتے تھے۔ اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ پیغمبر غلطی کرتا ہے اور وہ اصلاح کرتے ہیں۔ پھر اسکے بعد مورخین کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جنہوں نے صحابہ کے ہر عمل کی تصحیح اور تائید کی چاہے وہ عمل پیغمبر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو بلکہ بعض صحابہ کو تو علم تقویٰ میں پیغمبر سے بھی بالاتر بنا کر پیش کر دیا جیسا کہ جنگ بدر کے اسیروں کے بارے میں ہے کہ پیغمبر کے فیصلہ کو غلط قرار دیا اور عمر بن خطاب کے فیصلے کو صحیح اور پیغمبر کی طرف یہ جعلی روایت بھی منسوب کر دی کہ اگر ہم کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں تو اس سے سوائے ابن خطاب کے کوئی نجات نہیں دلا سکتا۔ گویا ان کے خیال میں پیغمبر یہ کہہ رہے تھے کہ "لولا عس لہلک النبی" معاذ اللہ۔ بھلا اس ذات عقیدہ کا بھی کوئی ٹھکانا ہے جس سے بدتر کوئی عقیدہ نہیں ہے اور میں تو اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو شخص بھی یہ عقیدہ رکھتا ہے وہ اسلام سے بعد المشرکین کا فاصلہ رکھتا ہے اور اسے چاہئے کہ اپنی عقل کا علاج کرے یا شیطان رحیم کو اپنے دل سے نکال باہر کرے۔

ارشاد الہی ہے (کیا آپ نے اسے دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا لیا ہے اور اسے علم کے باوجود خدا نے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے۔ اس کے دل اور کان پر ہر لگ گئی ہے اور اس کی آنکھ پر پردے پڑ گئے ہیں۔ اللہ کے بعد اسے کون ہدایت دے سکتا ہے تو تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو۔ جاثیت آیت ۲۳)

میری جان کی قسم جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ رسول اکرمؐ خواہشات کی طرف بھٹک جاتے ہیں اور راہ حق سے منحرف ہو کر مرضی خدا کے خلاف خواہشات کے اتباع میں اموال تقسیم کر دیتے ہیں یا جو لوگ ان چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں جنہیں رسول اکرمؐ نے انجام دیا ہے اس اعتقاد کی بنا پر کہ یہ رسول اللہ سے بھی زیادہ صاف علم و تقویٰ ہیں یہ لوگ کسی اہم امر کے حقدار نہیں ہیں۔ جہاں تک انہیں ملائکہ کی منزل

میں رکھ دیا جائے اور رسول اکرمؐ کے بعد افضل خلائق قرار دیکر مسلمانوں کو ان کے اتباع، اقتداء اور پیروی کی دعوت دی جائے صرف اس لئے کہ یہ رسول اللہ کے اصحاب تھے جب کہ یہ بات خود اہلسنت کے طرز عمل سے بھی تضاد رکھتی ہے۔ جو محمد و آل محمد پر صلوات پڑھتے وقت صحابہ کا بھی اضافہ کر دیتے ہیں کہ جب خدا کو ان کی قدر و منزلت معلوم ہے اور اس نے انہیں رسول اور آل رسول پر صلوات پڑھنے کا حکم دیا ہے تاکہ یہ ان کی منزلت سے باخبر رہیں تو ہمیں کیا حق ہے کہ ہم انہیں ادنیٰ کر کے ان کے برابر کر دیں جنہیں خود خدا نے عالین سے افضل قرار دیا ہے۔

آپ مجھے یہ نتیجہ نکالنے دیں کہ اموی اور عباسی حکام نے اہل بیت سے دشمنی کر کے انہیں وطن سے نکال کر، مصیبتوں میں ڈال کر اور ان کا اور ان کے چاہنے والوں کا قتل عام کر کے جب دیکھا کہ اہلبیت کے فضائل اور کمالات امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور اللہ ان پر صلوات پڑھے بغیر کسی مسلمان کی نماز بھی قبول نہیں کرتا ہے تو یہ سوچا کہ اپنی عداوت اور اپنے انحراف کا کیا جواز پیش کریں، اور اس کے نتیجے میں صحابہ کو اہلبیت سے ملحق کر دیا تاکہ لوگوں کو یہ ڈر کا دے سکیں کہ اہلبیت اور اصحاب دونوں ایک ہی جیسے ہیں خصوصاً جب ہمیں یہ معلوم ہے کہ ان کے بڑے بزرگ وہ بعض اصحاب ہیں جنہوں نے اصحاب تابعین کے گزدر را دیوں کو کمرایہ پر لے لیا تاکہ تمام صحابہ اور بالخصوص مسند خلافت تک آنے والے اصحاب کی شان میں روایتیں بیان کریں اور یہی چیز ان کے منصب حکومت تک آنے کا سبب بنے گی۔ تاریخ اس بات کی بہترین گواہ ہے کہ عمر بن خطاب جیسا آدمی جو اپنے والیوں سے سخت محابہ کرتا تھا اور انہیں ادنیٰ شہرہ پر معزول کر دیتا تھا۔ وہ بھی معادیہ کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا ہے اور کوئی محابہ نہیں کرتا ہے۔

چنانچہ ابو بکر اور عمر کی پوری زندگی منصبِ خلافت پر فائز رہا۔ رکوئی اعتراض کرنے والا پیدا نہ ہوا۔ جب کہ شکایت کرنے والوں کا ایک تانتا بندھا ہوا تھا جو عمر سے کہتے تھے کہ معاذ یہ سونا اور ریشم پہنتا ہے جسے رسول اللہ نے مردوں کے لئے حرام قرار دیا ہے۔ اور عمر یہ جواب دیتے تھے کہ اسے اسی حال پر چھوڑ دو۔ وہ عرب میں کسریٰ کی مثال ہے۔

معاویہ اسی طرح بیس سال سے زیادہ حکومت پر قابض رہا اور کسی نے نہ کوئی تنقید کی اور نہ اسے معزول کیا۔ بلکہ جب عثمان کے ہاتھ میں حکومت آئی تو انہوں نے کچھ اور علاقے بھی شامل کر دیئے۔ جس کی بنیاد پر معاویہ اسلامی سر یاہ پرست ابض ہو گیا۔ اور اسے موقع مل گیا کہ عرب کے ادبائشوں کا لشکر تیار کر کے امام امت کے خلاف انقلاب برپا کر دے اور طاقت کے زور پر حکومت پر قبضہ کر کے مسلمانوں کی گردن پر حکومت کرنے لگے اور انہیں جبر و قہر کی بنیاد پر اپنے شراب خوار بیٹے یزید کی بیعت پر آمادہ کرے

یہ مصائب کی دوسری داستان ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ ان صحابہ کی نفسیات کا اندازہ ہو جائے جنہوں نے تحتِ خلافت پر قبضہ کر کے براہِ راست بنی امیہ کی حکومت کی راہ ہموار کر دی۔ ان قریش کی مرضی کے مطابق جو نبوت اور خلافت کو بنی ہاشم میں نہیں دیکھ سکتے تھے (خلافت و ملکیت مودودی، یوم الاسلام احمد امین)

اموی حکومت کو یہ حق حاصل تھا بلکہ اس کا فرض تھا کہ ان لوگوں کا شکریہ ادا کرے جنہوں نے ان کی حکومت کی راہ ہموار کی۔ اور ان کا کم از کم شکریہ یہ تھا کہ ایسے ضعیف فرد راہی پیدا کریں جو ان کے بزرگوں کی شان میں وہ روایتیں تیار کریں جنہیں قافلے مختلف علاقوں میں اپنے ساتھ لے کر جائیں اور ان کے مرتبہ کو جعلی

فضائل اور امتیازات کی بنیاد پر اہلیت سے بالاتر بنا میں جب کہ خدا اس بات کا شاہد ہے کہ اگر شرعی، عقلی اور منطقی دلائل کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان فضائل کی کوئی حیثیت نہیں رہ جائے گی مگر یہ کہ انسان کی عقل ماؤف ہو جائے اور وہ تنہا قضا پر ایمان لانے لگے۔

یہ جعلی روایتوں ہی کا اثر تھا کہ سارے علاقہ میں عمر کی عدالت کا شہرہ ہو گیا اور قافلے والے کہنے لگے کہ وہ انصاف کر کے سو گئے اور بعض لوگوں نے یہاں تک مشہور کر دیا کہ عمر کو قبر میں کھڑا کھڑا دفن کیا گیا ہے تاکہ عدل اور انصاف مرنے نہ پائے۔

ظاہر ہے کہ جس کا جو جی چاہے اس راہ میں بیان کرے کوئی کسی کا رکنے والا نہیں ہے لیکن صحیح تاریخ کا بیان یہی ہے کہ سلسلہ صحیح میں جب عمر نے عطا یا معین کے ہاتھ تو نہ سیرت پیغمبر کو دریا یافت کیا اور نہ اس کی پابندی کی۔ رسول اکرمؐ نے تمام مسلمانوں کو بلا امتیاز برابر کے عطیے دیئے تھے اور یہی کام اپنے دورِ خلافت میں ابو بکر نے بھی کیا تھا۔ لیکن عمر نے تقسیم کا ایک نیا طریقہ ایجاد کر دیا اور سابقین کو غیر سابقین پر اور قریش کے ہاجرین کو غیر قریش کے ہاجرین پر اور عام ہاجرین کو تمام انصار پر اور تمام عرب کو تمام عجم پر اور صرخ کو موالی پر۔ مضر کو ربیعہ پر فضیلت دیدی اور مضر کو تین سوا اور ربیعہ کے لئے دو سو معین کے اور بھراؤں کو خزر ریح پر فضیلت دیدی۔ (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۱، فتوح البلدان ص ۴۲)

اہل عقل انصاف کریں کہ کیا اسی تفاوت کا نام عدل و انصاف ہے۔ پھر اس کے بعد ان ہی راویوں سے عمر بن خطاب کے علم کی کبھی بے شمار داستانیں سنی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں علم اصحاب بھی قرار دیدیا گیا ہے اور یہ روایت بھی تیار کی گئی ہے کہ ان کے پروردگار نے اکثر مقامات پر ان

کے اور پیغمبر کے درمیان اختلاف رائے کی شکل میں ان کی تائید میں آیتیں نازل کی ہیں۔ حالانکہ صحیح تاریخ یہی ہے کہ انہوں نے نزول قرآن کے بعد کبھی اس کا اتباع نہیں کیا ہے اور جب ایام خلافت میں کسی نے سوال کیا کہ اگر حالت جنابت میں پانی نہ ملے تو کیا کیا جائے تو آپ نے فرمایا کہ نماز چھوڑ دو۔ اور عمار بن یاسر مجبور ہوئے کہ تیمم کا قانون یاد دلائیں لیکن عمر مٹھن نہ ہوئے اور کہا کہ ہم اتنا ہی بوجھ لاتے ہیں جتنا آدمی اٹھا سکے۔ (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۲)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تیمم کے بارے میں حضرت عمر کا علم کہاں چلا گیا تھا۔ جب کہ اس کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے اور پیغمبر نے وضو کی طرح اس کی بھی تعلیم دی ہے۔ اور خود عمر نے بھی مختلف مقامات پر اپنے جاہل ہونے کا اعتراف کیا ہے بلکہ یہاں تک کہ دیا ہے کہ گھر میں بیٹھنے والی عورتیں بھی عمر سے زیادہ دین سے باخبر ہیں اور اس جملے کی بار بار تکرار کی ہے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ انہیں مرتے مرتے کلاہ کا حکم نہ معلوم ہو سکا۔ جس کے بارے میں تاریخی شواہد کے مطابق مختلف قسم کے فیصلے کئے ہیں تو آخر ان واقع پر ان کا علم کہاں چلا گیا تھا۔

اس کے بعد عمر کی شجاعت اور بہادری کی داستانیں بھی بہت سنی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ دیا گیا کہ عمر کے اسلام کے بعد سارے قریش خوف زدہ ہو گئے۔ اور مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہو گیا۔ بلکہ عمر ابن خطاب سے اسلام کو عزت مل گئی اور رسول اکرمؐ کو اعلیٰ دعوت اسلام کی اس وقت تک ہمت نہیں ہوئی جب تک عمر مسلمان نہیں ہو سکے لیکن واقعی تاریخ ان میں سے کسی بات کا پتہ نہیں دیتی ہے اور نہ تاریخ میں مشہور یا کسی غیر مشہور ایسے انسان کا نام ملتا ہے جسے عمر ابن خطاب نے کسی مقابلہ میں یا بدر واحد و خندق جیسے معرکوں

میں قتل کیا ہو بلکہ اس کے برعکس تاریخ یہ ضرور بیان کرتی ہے کہ انہوں نے معرکہ احد میں اور اس کے بعد معرکہ حنین میں فرار اختیار کیا ہے اور رسول اکرمؐ نے خیر کو فتح کرنے کے لئے بھیجا تو شکست کھا کر واپس چلے آئے ہیں۔ حدیث ہے کہ کسی سریرہ میں شریک بھی ہوئے تو تابع کی حیثیت سے شریک ہوئے سردار کی حیثیت سے نہیں۔ اور آخری سریرہ میں تو انھیں اسامہ ابن زید جیسے نوجوان کا محکوم بنا دیا گیا تو اس کے بعد ان داستانوں کی کیا قیمت رہ جاتی ہے۔

جرات و شجاعت ہی کی طرح عمر ابن خطاب کے تقویٰ، خوف خدا اور خشیت الہی میں گریہ کی داستانیں بھی سنی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ انھیں اس بات کا خوف تھا کہ اگر عراق میں کسی پتھر کا پاؤں پھسل گیا تو انھیں روز قیامت حساب دینا پڑے گا کہ انھوں نے راستہ ہموار کیوں نہیں کیا۔

لیکن صحیح تاریخ کا بیان یہ ہے کہ وہ انتہائی تندخو اور سخت مزاج آدمی تھے اور انھیں کسی بات کا خوف نہیں تھا یہاں تک کہ اگر کوئی کسی آیت قرآن کے بارے میں بھی پوچھ لیتا تھا تو اسے اتنا مارتے تھے کہ نہ ہونہا ہو جاتا تھا۔ بلکہ ان کی ہیبت اور ترش روی کو دیکھ کر اکثر عورتوں کے صل ساقط ہو جاتے تھے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میں یہ خوف خدا اس وقت کیوں نہ پیدا ہوا جب تلوار لے کر اس آدمی کو قتل کی دھمکی دے رہے تھے جو پیغمبر ص کے انتقال کا قائل ہوا اور قسم کھا کر بیان کر رہے تھے کہ ان کا انتقال نہیں ہوا ہے بلکہ وہ حضرت موسیٰ کی طرح پروردگار سے مناجات کرنے گئے ہیں اور اگر کوئی ان کی موت کا نام بھی لے گا تو اس کا گلا کاٹ دیا جائے گا۔ (تاریخ طبری، تاریخ ابن اثیر)

یہ خوف خدا اس وقت کیوں نہیں پیدا ہوا جب بنت رسول کے دروازہ پر یہ اعلان کر رہے تھے کہ اگر لوگ بیعت کے لئے باہر نہ آئے تو گھر میں آگ لگا دی جائے گی

الاماتہ والسیاستہ)۔ اور جب یہ کہا گیا کہ اس گھر میں دختر پیغمبرؐ بھی ہیں تو صاف صاف کہہ دیا کہ کوئی بھی ہو۔

اور اس کے بعد کتاب خدا اور سنت رسولؐ کے خلاف جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے زمانہ خلافت میں بے شمار ایسے فیصلے کر دیے جو قرآن و سنت کے خلاف تھے۔ (النص والاجتہاد)

تو ان مقامات پر وہ تقویٰ اور خوف خدا کہا چلا گیا تھا اور میں نے تو اس ایک مشہور صحابی کو بطور مثال پیش کیا ہے تاکہ بیان میں طول نہ ہونے پائے ورنہ اگر تمام صحابہ کے کردار کی تفصیل پیش کی جائے تو متعدد کتابیں تیار ہو سکتی ہیں لیکن میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ سارے تذکرے بطور مثال ہیں اور بطور حصر نہیں ہیں اور میرے اس مختصر بیان سے صحابہ کے نفعیات اور علماء اہلسنت کے نقصانات کی مکمل وضاحت ہو سکتی ہے کہ وہ ایک طرف تو لوگوں کو تشکیک اور تنقید سے روکتے ہیں اور دوسری طرف خود ہی ایسے واقعات بیان کرتے ہیں جن سے تنقید اور اعتراض کا موقع ملتا ہے۔ کاش علمائے اہلسنت نے ان واقعات کا تذکرہ نہ کیا ہوتا جن سے صحابہ کی عظمت بحدوحہ ہوتی ہے اور ان کی عدالت مخدوش ہو جاتی ہے تو بھی اس پریشانی سے خود بخود نجات مل جاتی۔

مجھ یاد آتا ہے کہ جب میں نے نجف اشرف میں دہاں کے ایک عالم اور کتاب "الامام الصادقؑ والمذاہب الاربعہ" کے مولف جناب اسد حیدر سے ملاقات کی اور تشیع دشمنی کے موضوع پر گفتگو کی تو انہوں نے اپنے والد کا یہ قصہ بیان کیا کہ پچاس سال پہلے ان کی ملاقات حج کے دوران یونس کے ایک عالم سے ہوئی تھی اور اہل سنت حضرت علیؑ کی امامت پر گفتگو ہو رہی تھی تو یونس کے عالم بغور میرے والد کے بیان کے ہوئے دلائل امامت و خلافت کو سن رہے تھے اور وہ حار مارا بیچ دلائل امامت کو حاکم

یونسی عالم نے پوچھا کہ آپ کے پاس کوئی اور دلیل ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ نہیں۔ تو اس یونسی عالم نے کہا کہ ایا تبیح نکال کر شمار کر داور حضرت علیؑ کی امامت پر وہ سو دلیلیں بیان کیں جو میرے والد کو بھی نہیں معلوم تھیں اور یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ اگر اہلسنت خود اپنی کتابوں کا مطالعہ کرتے تو وہ بھی وہی کہتے جو ہم کہہ رہے ہیں اور اب تک سارے اختلافات ختم ہو چکے ہوتے۔ اور میری جان کی قسم یہ وہ سچی بات ہے جس سے کوئی نسرار نہیں کر سکتا۔ اگر انسان اندھے تعصب اور غرور سے آزاد ہو جائے اور واضح دلائل کا اتباع کرنے لگے۔



سمجھتے ہیں -

میری بحث کا تعلق صحابہ کی اسی قسم سے ہے جسکے بارے میں بحث کے ذریعہ تمام یا بعض حقائق کو معلوم کرنا چاہتا ہوں اور یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کسی کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ میں نے مدح اصحاب کی تمام آیات کو نظر انداز کر دیا ہے اور صرف قدر صحابہ کی آیات کو نمایاں کرنا چاہا ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ جن بعض آیات میں بظاہر مدح کی گئی ہے حقیقتاً ان میں قدر اور مذمت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے اور بعض اس کے بالکل برعکس ہیں۔

اس وقت میں اپنے نفس کو زیادہ زحمت میں نہیں ڈالوں گا جس طرح سے میں نے گذشتہ تین برسوں میں تحقیق کے دوران زحمت کی ہے بلکہ صرف چند آیات کو مثلاً ذکر کر کے مدعا کی وضاحت کروں گا۔ اس کے بعد جو لوگ تفسیلات کے خواہشمند ہوں گے ان کا فرض ہے کہ خود زحمت کریں اور تحقیق و تفتیش کا کام انجام دیں تاکہ ہدایت اپنی پیشانی کے بسینہ اور اپنی فکر کے پنجرے کا نتیجہ ہو اور خدائی فریضہ بھی ادا ہو جائے اور وجدان کا تقاضا بھی پورا ہو جائے کہ وہ ایسی قناعت کا طلبگار ہوتا ہے جسے شبہات کی تیز و تند آندھیاں متزلزل نہ کر سکیں اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ذاتی اطمینان خارجی اثرات سے حاصل ہونے والے اطمینان سے کہیں زیادہ مفید اور کارآمد ہوتا ہے۔ خود رب العالمین نے بھی اپنے رسولؐ کی مدح اس طرح کی ہے کہ ہم نے آپؐ کی گمشدہ ہدایت دی ہے۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ ”جن لوگوں نے ہمارے بارے میں جہاد کیا ہے ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے“

۱۔ آیت القلاب :- ارشاد رب العالمین ہے ”محمد صرف اللہ کے رسول

## صحابہ کے بارے میں قرآنی فیصلہ

آغاز بحث سے پہلے یہ تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ پروردگار عالم نے اپنی کتابت عزیز کے مختلف مقامات پر ان اصحاب رسولؐ کی تعریف کی ہے جنہوں نے آپ سے محبت کی ہے۔ آپ کا اتباع کیا ہے اور بغیر کسی طمع دنیا کے آپ کی اطاعت کی ہے۔ انکے پاس نہ کوئی غرور تھا نہ مقابلہ اداستکیار۔ بلکہ سارے کام مرضی خدا و رسولؐ کے لئے انجام دے رہے تھے۔ خدا ان سے خوش تھا اور وہ خدا سے خوش تھے اس لئے کہ ان کے دل میں خوف خدا تھا۔ اور یہی صحابہ کی وہ قسم ہے جس کی قدر و منزلت کو ان کے موافق اور اعمال سے پہچانا گیا ہے۔ مسلمانوں نے ان سے محبت کی ہے ان کا احترام کیا ہے ان کی تعظیم کی ہے اور ہمیشہ ان کا ذکر رضائے الہی کے ساتھ کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ میری بحث کا تعلق ان صحابہ کرام سے نہیں ہے۔ یہ شیعہ و سنی دونوں فرقوں میں قابل عزت و احترام ہیں۔

جس طرح کہ میری بحث کا موضوع وہ منافقین بھی نہیں ہیں جن پر ذمہ لیسنت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

میری بحث کا تمام تر تعلق اس قسم سے ہے جس کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہے۔ اور جس کی سرزنش کے لئے قرآن کی آیتیں نازل ہوئی ہیں اور جن کو رسول اکرمؐ نے مختلف مواقع پر تنبیہ کی ہے یا ان سے عتاب رہنے کا اشارہ دیا ہے اور حقیقتاً شیعہ اور سنی کا اختلاف اسی قسم کے بارے میں ہے کہ شیعہ ان کے اقوال و اعمال پر تنقید کرتے ہیں اور ان کی عدالت میں شک کرتے ہیں اور اہلسنت ان کی تمام غلطیوں کے ثابت ہو جانے کے باوجود انہیں قابل احترام

ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ کیا وہ مجھ یا قتل کر دیئے جائیں تو تم سب اپنے پرانے دین کی طرف پلٹ جاؤ گے تو جو بھی ایسا کرے گا وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ عنقریب شکر گزار بندوں کو جزا عنایت کرے گا۔ (آل عمران ۱۴۴)۔

اس آیت کریمہ میں وضاحت اور صراحت کے ساتھ اعلان کیا گیا ہے کہ بعض صحابہ عنقریب پرانے دین کی طرف پلٹ جائیں گے اور صرف چند افراد راہِ حق پر ثابت قدم رہیں گے جن کو شاکرین کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور شاکرین کا معنی قرآن میں بہر حال اقلیت میں ہے؛ (سب آیت ۱۳)

احادیث پیغمبر میں بھی اس انقلاب کا اشارہ دیا گیا ہے۔ یہ ادربات ہے کہ آیت کریمہ میں پلٹ جانے والوں کے عذاب کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اور صرف شکر گزاروں کے ثواب اور ان کی جزا پر کتفا کی گئی ہے لیکن اتنا تو بہر حال واضح ہے کہ پلٹ جانے والے کسی ثواب کے حقدار نہیں ہیں۔ جیسا کہ رسول اکرم نے بھی مختلف احادیث میں ارشاد فرمایا ہے اور بیان روایات کے دوران ان کی وضاحت بھی کی جائے گی۔

ان آیات کریمہ کی تفسیر سیلہ کذاب، سبلا اور طلیحہ جیسے لوگوں کے حالات سے بھی نہیں کی جاسکتی ہے اس لئے کہ یہ لوگ حیات پیغمبر ہی مرتد ہو گئے تھے اور انہوں نے نبوت کا دعویٰ بھی کر دیا تھا۔ اور ان سے رسول اللہ نے جہاد کر کے ان پر فتح بھی حاصل کر لی تھی۔ جس طرح کہ اس کی تفسیر بالغین زکوٰۃ کے کردار سے بھی نہیں ہو سکتی ہے جنہیں ابو بکر نے زکوٰۃ نہ دینے کی بنا پر مرتد قرار دیدیا تھا۔ اگرچہ ان کے زکوٰۃ نہ دینے کے اسباب میں یہ امر بھی شامل تھا کہ انہوں نے تحقیقات کی خاطر زکوٰۃ رد کی تھی کہ ابو بکر واقعاً خلیفۃ المسلمین ہیں یا نہیں؛ اس لئے کہ

وہ لوگ حجۃ الوداع میں شریک تھے جہاں رسول اکرم نے غدیر خم میں حضرت علیؑ کی مولائیت کا اعلان کیا تھا اور ان لوگوں نے بیعت بھی کی تھی بلکہ خود ابو بکر نے بھی بیعت کی تھی۔ تو اب انہیں حیرت تھی کہ اچانک ابو بکر خلیفہ کیز مقرر ہو گئے۔ اور انہوں نے زکوٰۃ کا مطالبہ کیوں کیا ہے جس مسئلہ میں مورخین غور و خوض نہیں کرنا چاہتے ہیں کہ اس طرح عظمت صحابہ کے مجروح ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

پھر مالک بن نویرہ اور ان کے ساتھی مسلمان تھے جسکی گواہی خود ابو بکر اور ان اصحاب نے دی تھی جنہوں نے خالد کے اس قتل پر اعتراض کیا تھا اور ابو بکر نے مالک کے بھائی کو بیت المال سے دیت بھی ادا کی تھی اور معذرت بھی طلب کی تھی جب کہ واقعی مرتد کا قتل واجب ہے اور اسکی دیت کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا ہے اور نہ اس کی معذرت کی جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آیت انقلاب سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے رسول اکرم کی زندگی میں ان کے ساتھ مدینہ میں زندگی گزار لی ہے اور ان کی وفات کے بعد بلافاصلہ منحرف ہو گئے ہیں۔ جس کی وضاحت احادیث پیغمبر میں مکمل طریقہ سے پائی جاتی ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور تاریخ اس کی بہترین گواہ ہے اور صحابہ کی صفوں میں پیش آئے والے واقعات کا مطالعہ کرنے والا بخوبی جانتا ہے کہ اس انحراف سے اقلیت کے علاوہ کوئی محفوظ نہیں رہ سکا۔

## ۲۔ آیت جہاد

ارشاد حضرت احدیت ہے: "ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب راہِ خدا میں جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جاتا ہے تو زمین سے چپک جاتے ہو؟ کیا تم آخرت کے بجائے زندگی دنیا سے خوش ہو گئے ہو تو یاد رکھو کہ آخرت میں متاع دنیا بہت کم ہے

اگر تم کفر سے نہ نکلو گے تو اللہ تم پر دردناک عذاب کرے گا۔ تمھارے بدلے دوسری قوم کو لے آئے گا۔ اور تم اسے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے ہو کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے (توبہ ۳۸-۳۹)

آیت کریمہ اس مطلب میں صریح ہے کہ صحابہ نے جہاد راہِ خدا میں سستی سے کام لیا ہے اور زندگانی دنیا کی طرف میلان کا اظہار کیا ہے جب کہ انہیں معلوم تھا کہ سرمایہ دنیا بہت قلیل ہے یہاں تک کہ رب العالمین نے ان کی تنبیہ کی اور انہیں دردناک عذاب سے ڈرایا اور یہ بتایا کہ وہ ان کے بدلے سچے مومنین کو لے آئے پھر بھی قادر ہے اور اس امر کی مختلف آیات میں تکرار بھی کی کہ ”اگر انہوں نے ردِ گردانی کی تو خدا ان کے بدلے دوسری قوم کو لے آئے گا جو ان کی جیسی نہیں ہوگی“ (محمد آیت ۳) دوسرے مقام پر ارشاد ہوا ”ایمان والو۔ جو تم میں سے مرتد ہو جائے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ عنقریب خدا ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جنہیں وہ دوست رکھے گا۔ اور وہ خدا کی چاہنے والی ہوگی۔ یہ لوگ کفار کے مقابلے میں سخت اور مومنین کے مقابلے میں نرم ہوں گے، راہِ خدا میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی برداہ نہ کریں گے۔ یہ وہ فضلِ خدا ہے جسے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ اور وہ بڑی وسعت والا اور صاحبِ علم ہے“ (مائتہ ۱۱)

ہم اگر چاہیں کہ ان تمام آیات کا ذکر کریں جن میں اس امر کی تاکید پائی جاتی ہے اور جو وضاحت کے ساتھ اس تقسیم صحابہ کی تاکید کرتی ہیں جس کے شیعہ حضرات قائل ہیں تو ایک مکمل کتاب تیار ہو سکتی ہے اور قرآن مجید نے نہایت مختصر الفاظ میں اس حقیقت کی یوں نشاندہی کر دی ہے کہ ”تم میں سے ایک قوم کو ہونا چاہئے جو غیر کی دعوت دے، نیکیوں کا امر کرے اور برائیوں سے نہی کرے اور یہی لوگ کامیاب

ہوں گے اور خبردار ان افراد جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے تفرقہ پیدا کیا اور واضح نشانیوں کے آجانے کے بعد بھی اختلاف کیا کہ ان کے لئے عذابِ عظیم ہے، جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ سیاہ فام جو چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا ہے لہذا اپنے کفر کا عذاب برداشت کرو اور جن کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں رہیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے“ (آل عمران ۱۰-۱۰۵-۱۰۶)

ان آیات کے بارے میں ہر صاحبِ نظر جانتا ہے کہ ان کا مخاطب صحابہ ہیں اور انہیں کو ہتدیر کی گئی ہے اور تفرقہ و اختلاف سے الگ رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور عذابِ عظیم کی خبر سنائی گئی ہے اور پھر انہیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک حصہ وہ جس کے چہرے روشن ہوں گے اور ایک حصہ وہ جس کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ پہلی قسم کے لوگ وہ شکر گزار بندے ہیں جو رحمتِ الہی کے حقدار ہیں اور دوسری قسم میں وہ افراد ہیں جنہوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا ہے اور انہیں عذابِ عظیم کی خبر سنائی گئی ہے۔

واضح سی بات ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تفرقہ اندازی کی۔ آپس میں اختلاف کیا۔ فتنہ کی آگ بھڑکائی یہاں تک کہ لوبت جنگ و جدال اور خونیں معرکوں تک پہنچ گئی جس کے نتیجے میں مسلمان پسماندہ ہو گئے اور دشمنوں نے ان کے حالات کو دیکھ کر طمع پیدا کی اور انہیں اپنے مقاصد کا آلہ کار بنایا۔ اور اس مسئلہ میں کسی طرح کی تاویل اور توجیہ کی گنجائش نہیں ہے اور اسے اس کے واضح مفہوم سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ آیت خشوع :- ارشادِ الہی ہوتا ہے ”کیا صاحبانِ ایمان کے لئے

اس امر کا وقت نہیں آیا ہے کہ ان کے دل یا د خدا اور نرس ہونے والے حق کے سامنے جھک جائیں اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جائیں جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور ان میں سے بہت سے فاسق بھی ہیں۔ (حدیث)

جلال الدین سیوطی درمنثور میں لکھتے ہیں کہ جب اصحاب رسول مدینہ آئے اور مکہ کی زمتموں کے بعد انہیں مدینہ کی رات نصیب ہوئی تو بہت سے معاملات پرستی برتنا شروع کر دی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ نزدل قرآن کے، اسال بعد بھی رسول اکرم نے ہاجرین کے دلوں میں کمزوری محسوس کی تو آیت نازل ہوئی: "ألم یان للذین آمنوا" ظاہر ہے کہ جب وہ صحابہ کرام جو اہلسنت کے نزدیک تمام کائنات سے بہتر ہیں ان کے دل، اسال تک احکام الہیہ کے سامنے نہ جھک سکے اور انہیں عقاب اور تہذیب کرنا پڑی کہ ان کے دل سخت ہو گئے ہیں اور وہ فسق میں مبتلا ہو گئے ہیں ان سے بعد میں آنے والوں کو کیا کہا جائے جو فوج مکہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔

ان مثالوں سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اہل سنت کا یہ مسلک بالکل بنیاد ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل تھے۔ اور ان میں کسی طرح کا انحراف نہیں تھا بلکہ اگر روایات کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے کئی گنا زیادہ مثالیں مل سکتی ہیں جنہیں اختصار کے لحاظ سے ترک کر دیا گیا ہے۔ اور تحقیق کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ انہیں تلاش کریں اور ان کی روشنی میں فیصلہ کریں۔

## صحابہ کے بارے میں رسول اکرم کا نظریہ

۱۔ حدیث حوض: رسول اکرم کا ارشاد گرامی ہے کہ "میں میدان حشر میں ایک گروہ کو دیکھوں گا جنہیں پہچان لوں گا تو ایک شخص درمیان سے اٹھ کر مجھے بلائے گا اور پھر انہیں جہنم کی طرف لے جائے گا تو میں پوچھوں گا آخر انہیں کیا ہو گیا ہے تو جواب ملے گا کہ یہ آپ کے بعد اٹھے پاؤں پلٹ گئے تھے اور پھر چند ایک کے علاوہ کسی کو نجات نہ ملے گی۔ (صحیح بخاری ج ۴ ص ۹۹-۹۸، ص ۱۵۵)

ج ۳ ص ۳۲۲، صحیح مسلم، ۳۶ حدیث الموض)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ میں حوض کوثر پر تم سے پہلے پہنچوں گا۔ جو میرے پاس حاضر ہو گا وہ میرا اب ہو گا اور جو سیراب ہو گا وہ پیاسا نہ ہو گا لیکن میرے پاس کچھ قومیں وارد ہوں گی جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ پھر دونوں کے درمیان حجاب حائل کر دیا جائے گا تو میں آواز دوں گا کہ یہ میرے اصحاب ہیں تو جواب ملے گا آپ کو کیا معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کارنامے انجام دیئے ہیں۔ تو میں کہوں گا کہ خدا برا کرے ان لوگوں کا جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا ہے۔

علماء اہلسنت کے صحاح اور مسانید میں نقل ہونے والی ان احادیث میں نظر کرنے والا اس امر کا یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ صحابہ نے دین میں تبدیلی پیدا کی ہے بلکہ مرتد بھی ہو گئے ہیں ان افراد کے علاوہ جنہیں "ہمل النعم" سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان روایات کو منافقین پر محمول نہیں کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ

رسول اکرمؐ نے صحابہ کہہ کر یا دیکھا ہے اور عشرت میں منافق کے بارے میں اس تعبیر کا کوئی امکان نہیں ہے۔

یہ روایات ایک اعتبار سے سابق آیات کے مضامین کی تفسیر اور تشریح ہیں۔ جن میں صحابہ کے انقلاب، ارتداد، اور عذاب الیم کے بارے میں خبر دی گئی ہے۔

## ۲۔ حدیث تناہس علی الدنیا:-

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”میں تم سے سابق ہوں اور تم پر گواہ ہوں یقیناً میں حوض کوثر کی طرف دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین سے تمام خزانوں کی سنجیاں دیدی گئی ہیں اور خدا کی قسم مجھے تمہارے مشرک ہوجانے کا خطرہ نہیں ہے۔ لیکن حصول دنیا کے بارے میں حرص و ہوس کا خطرہ ہے۔“ (بخاری ۴۱۰۱)

حضور نے بالکل سچ فرمایا تھا صحابہ نے حرص دنیا پیدا کی اور اس راہ میں اس قدر اختلاف کیا کہ تلواریں نکل آئیں۔ جنگ قائم ہو گئی اور ایک نے دوسرے کو کا فر بنانا شروع کر دیا اور بعض اصحاب تو باقاعدہ سونے چاندی کے خزانے رکھتے تھے جیسا کہ مسعودی نے مروج الذهب میں اور طبری وغیرہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے کہ صرف ایک ذبیر کی دولت کا سرمایہ ۵۰ ہزار دینار نقد ہزار گھوڑے ہزار غلام اور بصرہ و کوفہ میں بے پناہ جائیداد اور ہمسرد وغیرہ میں بے حساب الماک پر مشتمل تھا۔

طلحہ کا غلہ عراق میں یومیہ ہزار دینار کے برابر تھا یا اس سے بھی کچھ زیادہ۔ عبدالرحمن بن عوف کے پاس سو گھوڑے ہزار اونٹ اور دس ہزار کیریاں تھیں۔ اور ترکہ کا  $\frac{1}{10}$  جو ازدان پر تقسیم ہوا ہے اس کی مقدار ۸۲ ہزار دینار تھی۔

عثمان بن عفان نے وقت مرگ جانور اور زمین و جائیداد کے علاوہ ۱۱ لاکھ دینار بھی چھوڑا تھا۔

زید بن ثابت نے سونے چاندی کے اتنے ذخیرے چھوڑے تھے کہ جنہیں کلہاڑی سے کاٹا جاتا تھا۔ اور دیگر الماک کے علاوہ ایک لاکھ دینار نقد بھی چھوڑا تھا۔ (مروج الذهب مسعودی ۲۳۱)

یہ صرف چند مثالیں ہیں ورنہ تاریخ میں یہ داستان بہت طویل ہے۔ جس میں داخل ہونے کا ارادہ نہیں ہے اور صرف اس مقدار پر اکتفا کرنا کافی ہے۔ جس سے اپنی بات کی صداقت واضح ہو جاتی ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا انکی نگاہ میں آراستہ ہو گئی تھی اور وہ اس زینت و زیبائش پر مرستے کے لئے تیار تھے۔

## صحابہ کے بارے میں صحابہ کا فیصلہ

### ۱- خود اپنے بارے میں تبدیلی سنت کا اعتراف :-

ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ رسول اکرم عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے پہلے نماز ادا کرتے تھے اور پھر اس کے بعد جمع کی طرف رخ کر کے موعظہ و نصیحت فرماتے تھے۔ اور لوگ صف بستہ بیٹھے رہتے تھے اور یہ سلسلہ پونہی برقرار رہا۔ یہاں تک کہ میں امیر مدینہ مردان کے ساتھ نماز کے لئے نکلا تو اس نے محل نماز پر پہنچ کر کثیر بن الصلت کے بنائے ہوئے منبر پر نماز سے پہلے جانے کا ارادہ کیا تو میں نے اسے کھینچ لیا لیکن وہ دامن چھڑا کر منبر پر چڑھ گیا اور اس نے نماز سے پہلے خطبہ دیا تو میں نے کہا کہ تم لوگوں نے سنت کو بدل دیا ہے تو اس نے کہا کہ ابو سعید تمہارے معلومات کا دور گزر چکا ہے۔! میں نے کہا کہ میرے معلومات اس جدید بدعت سے بہتر ہیں۔ تو اس نے کہا کہ لوگ نماز کے بعد نہیں ٹھہرتے تھے لہذا میں نے خطبہ کو مقدم کر دیا ہے۔ (صحیح بخاری ۱/۱۲۲ کتاب العیدین)

میں نے اس روایت کو دیکھنے کے بعد بہت تلاش کیا کہ آخر اس تبدیلی سنت کا محرک کیا تھا تو یہ اندازہ ہوا کہ نبی امیر جن کی ایک بڑی تعداد صحابہ کی بھی تھی اور جن کا اس دور میں "بخیال مسلمین" کا تب دجی معاویہ تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کو علی پر لعنت کرنے اور انھیں برا بھلا کہنے پر مجبور کرتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم نے باب فضائل علی میں نقل کیا ہے اور معاویہ نے تمام مجال کو اس لعنت کو سنت بنانے کا حکم دیدیا تھا۔ اور جن صحابہ نے اعتراض کیا یا اس حکم کی مخالفت کی

انہیں قتل کر دیا جیسا کہ بھر بن عدی کے بارے میں ہوا یا زندہ ہی دفن کر دیا جیسا کہ بعض دیگر افراد کے بارے میں ہوا جس کا اقرار مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے خلافت دلوکیت " میں ابو الحسن بصری کے بیان کے حوالہ سے اس طرح کیا ہے کہ معاویہ میں چار باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن میں سے ایک بھی انسان کی ہلاکت کے لئے کافی تھی

۱- صحابہ کرام کے ہوتے ہوئے بغیر کسی کے مشورے سے حکومت پر قبضہ کر لینا۔

۲- اپنے بعد اپنے مثرابی اور دشمن پہننے والے، کانے بجانے والے فرزند کو جانشین بنا دینا۔

۳- زیاد کو اپنے نسب میں شامل کر لینا جب کہ رسول اکرم ص کا ارشاد تھا کہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے اور زانی کا حصہ صرف پتھر ہوتا ہے۔

۴- حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو قتل کر دینا۔

ایسے حالات میں اکثر مومنین نماز کے فوراً بعد مسجد سے باہر نکل جاتے تھے اور اس خطبہ میں شرکت نہیں کرتے تھے جسکے اعتقاداً سب علی اور لعنت پر ہوتا تھا اس لئے نبی امیر نے سنت رسول کو تبدیل کر دیا اور خطبہ کو نماز پر مقدم کر دیا تاکہ تمام افراد شریک ہوں۔ گویا ان کی ناک رگڑ دی جائے۔

خدا ان صحابہ کو غارت کرے جنہوں نے سنت رسول میں تبدیلی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اور اپنے پست مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے احکام الہی کو بھی بدل ڈالا اور اس شخص کو مورد لعن قرار دیدیا جس سے خدا نے ہر جس کو دور رکھا ہے اور اسے مکمل طور پر پاک و پاکیزہ بنایا ہے اس پر صلوات کو ضروری قرار دیا ہے اور اس کی محبت و مودت کو اجر رسالت بنا دیا ہے یہاں تک کہ رسول اکرم نے خود فرمایا تھا کہ علی کی محبت ایمان اور ان کا بغض نفاق ہے۔ (صحیح مسلم ۱/۱۶۳)

لیکن ان صحابہ نے سب کچھ بدل ڈالا اور صلوات و مودت کے بجائے

سب دشتم اور لعن و طعن کو جائز بنا لیا۔ اور اس سلسلہ کو بقوں مورخین ۶۰ سال تک جاری رکھا۔

اگر کل اصحاب موسیٰ نے ہار دن کے خلاف سازش کی تھی اور انہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا تھا تو آج اصحاب محمد نے بھی ان کے ہار دن کو قتل کر دیا۔ اور ان کی اولاد اور ان کے پیڑوں کو ہر گوشہ میں تلاش کر کے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اور ان کا نام دیوان سے محو کر دیا اور اس امر پر کبھی پابندی عائد کر دی کہ کوئی ان کے نام پر نام نہ رکھے اور خود لعنت کرنے کے ساتھ دوسرے صحابہ غلصین کو بھی مجبور کیا کہ وہ علیؑ پر لعنت کریں۔

میں جس وقت اپنی صحاح اور مسانید میں رسول اکرمؐ کی علیؑ سے محبت اور انھیں تمام صحابہ پر مقدم کرنے کی روش دیکھتا ہوں اور اس ارشاد گرامی کو دیکھتا ہوں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ”یا علیؑ تمہاری منزلت میرے لئے وہی ہے جو موسیٰ کے لئے ہار دن کی تھی۔ فقط یہ کہ یہ سب بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔“ تم مجھ سے ہوا در میں تم سے ہوں۔“ علیؑ کی محبت ایمان ہے اور ان کی عداوت نفاق ہے۔“ میں تہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔“ علیؑ میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں۔“ جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ مولا ہیں۔“ خدا یا اسے دست رکھنا جو علیؑ کو دست رکھے اور اس سے دشمنی رکھنا جو علیؑ سے دشمنی رکھے۔“

تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہ جاتی کہ اس طرح کے بے شمار فضائل ہمارے اصحاب صحاح نے نقل کئے ہیں، جنہیں جمع کیا جائے تو ایک مکمل کتاب تیار ہو سکتی ہے اور پھر صحابہ نے سب کو نظر انداز کر کے علیؑ سے دشمنی شروع کر دی۔ ان پر ہنروں سے لعنت کی اور ان سے منگ و جدال بلکہ ان کے قتل کے لئے بھی تیار ہو گئے۔

میں پھر بھی جاہتا ہوں کہ ان کے لئے کوئی جواز تلاش کروں لیکن جرح نیا

نفاق، ارتداد، اور انقلاب کے علاوہ کوئی توجیہ نظر نہیں آتی۔ پھر میں سچا پا کر ان تمام اقدامات کو صحابہ کی تیسری قسم اور منافقین کے حساب میں لکھ دوں لیکن افسوس کہ ایسے اعمال انجام دینے والے بزرگ ترین اور مشہور ترین اصحاب تھے۔

خانہ علیؑ میں آگ لگانے والے عمر بن الخطاب تھے۔ ان سے جنگ کرنے والے طلحہ، زبیر اور ام المومنین عائشہ، معاذ بن ابوسفیان اور عمر بن العاص جیسے افراد تھے۔

میری یہ حیرت ختم ہونے والی نہیں ہے اور میری طرح ہر آزاد فکر اور منصف مزاج انسان غرق حیرت رہے گا کہ علماء اہلسنت نے عدالت صحابہ اور ان کے رضی اللہ عنہم ہونے کو کس طرح ان اقدامات سے ہم آہنگ بنایا ہے۔ جبکہ ان کے قانون عدالت صحابہ میں کوئی استثناء نہیں ہے اور بعض افراد نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ”یزید پر لعنت کر دلیکن اس سے آگے نہ بڑھو۔“ جب کہ یزید کے مظالم گلیا عیثیت ہے ان مظالم کے مقابلے میں جنہیں نہ دین تسلیم کرتا ہے نہ عقل۔

میں تو یہ سوچ بھی نہیں پاتا ہوں کہ اگر واقعاً اہلسنت سنت رسول کی پیروی کرنے والے ہیں تو ان افراد کو کس طرح عادل قرار دیتے ہیں جن کے فسق اور ارتداد کا قرآن و سنت نے اعلان کیا ہے اور جن کے بارے میں رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے ”جس نے علیؑ کو بڑا کہا اس نے مجھے بڑا کہا اور جس نے مجھے بڑا کہا اس نے خدا کو بڑا کہا۔ اور جس نے خدا کو بڑا کہا اسے خدا منہ کے بل جہنم میں ڈال دے گا۔“ (متدرک حاکم ص ۱۲۱، خصائص نسائی ص ۲۵۷، مسند احمد ص ۳۳، مناقب غوازمی ص ۷۱، الریاض النضرہ ص ۲۱۹، تاریخ سیوطی ص ۷۷)۔

یہ تو علیؑ کو بڑا کہنے والے کی سزا ہے پھر اس کا کیا انجام ہوگا جو لعنت کرے یا ان سے جنگ کرے یا انہیں قتل کر دے۔ آخر ہمارے علماء کرام ان حقائق سے کتنی

دور چلے گئے ہیں۔ یا ان کے دلوں پر تفل پڑ گئے ہیں۔ پر در و کار میں تیلطان کے دوسو سوں اور ان کے تسلط کے مقابلے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

## ۲۔ صحابہ نے نماز تک بدل ڈالی

انس بن مالک کا بیان ہے کہ ”زمانہ پیغمبرؐ کی تمام باتوں میں سے سب سے پہلے ہمیں نماز کا علم ہوا ہے اور تم لوگوں نے اسے بھی ضائع کر دیا ہے“ زہری کا بیان ہے کہ میں انس بن مالک کے پاس دمشق میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں تو میں نے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ میں تمام چیزوں میں سے اسی نماز کو پہچانتا ہوں اور اسے بھی ضائع کر دیا گیا ہے۔ (بخاری)

کسی شخص کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ یہ کام فتنوں اور جنگوں کے بعد تابعین نے کیا ہے لہذا اس امر کی یاد دہانی ضروری ہے کہ سب سے پہلے نماز میں تبدیلی کا کام خلیفۃ المسالین عثمان نے انجام دیا ہے اور اس کے بعد یہ کام ام المومنین عائشہ نے کیا ہے۔

پچنانچہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے منیٰ میں نماز قصر پڑھی ہے اور یہی کام ابو بکر اور عمر نے بھی بلکہ عثمان نے بھی خلافت کے ایک دور میں انجام دیا ہے اس کے بعد اسے چار رکعت بنا دیا ہے۔ (بخاری ۱۵۴۲، مسلم ۱۷۴۴)

مسلم ہی نے اپنی صحیح میں زہری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”میں نے عروہ سے پوچھا کہ عائشہ پوری نماز کیوں نہیں پڑھتی ہیں تو انہوں نے کہا کہ انہوں نے عثمان ہی کی طرح تادیل کر لی ہے“ (مسلم ۱۴۳۲ کتاب صلوة المسافرین)

نور عمر بن الخطاب بھی اکثر نصوص صریحہ کے مقابلہ میں اجتہاد اور تادیل سے کام لیا کرتے تھے اور اپنی رائے سے فتویٰ دیا کرتے تھے۔ پچنانچہ ان کا اعلان تھا کہ

”و متعہ رسول اکرمؐ کے زمانے میں راج تھے اور میں دونوں کو حرام قرار دیتا ہوں اور ان کے انجام دینے والے کو سزا بھی دوں گا۔“ اور انہوں نے حالت جنابت میں پانی نہ پانے والے کو نماز ترک کر دینے کا حکم دیدیا تھا جب کہ قرآن مجید میں تیمم کا صریح حکم موجود ہے اور بخاری نے اس واقعہ کو باب ”اذا نحاث الجنب علی نفسه“ میں نقل کیا ہے کہ میں نے شقیق بن سلمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں عبد اللہ اور ابو موسیٰ کے پاس تھا تو ابو موسیٰ نے کہا کہ ابو عبد اللہ تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر کسی جنب کو پانی نہ ملے تو وہ کیا کرے گا تو عبد اللہ نے کہا کہ جب تک پانی نہ ملے نماز نہیں پڑھے گا تو ابو موسیٰ نے کہا کہ پھر رسول اکرمؐ کے اس ارشاد کا کیا کر دے گا جو آپ نے عمار سے فرمایا تھا؟ تو انہوں نے کہا کہ مگر عمر اس سے مطمئن نہیں تھے؟ تو ابو موسیٰ نے کہا کہ اچھا عمار کی بات چھوڑو آیت تیمم کو کیا کر دے؟ جس پر عبد اللہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔ صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا کہ اگر ایسی اجازت دیدی گئی تو جس کو پانی ٹھنڈا معلوم ہو گا وہ بھی غسل چھوڑ کر تیمم کر لے گا تو میں نے شقیق سے کہا کہ عبد اللہ نے اسی لئے مکر وہ قرار دیا ہے تو انہوں نے کہا کہ بیشک۔

— (بخاری ۵۴۱)

## ۳۔ صحابہ کی گواہی خود اپنے خلاف :-

انس بن مالک راوی ہیں کہ حضور اکرمؐ نے انصار سے فرمایا کہ میرے بعد شدید ترین حالات کا مقابلہ کرنا ہو گا لہذا صبر کرنا یہاں تک کہ خدا کی بارگاہ میں پہنچ جاؤ اور رسولؐ سے حوض کوثر پر ملاقات کرو۔ لیکن انس کا کہنا ہے کہ ہم لوگ صبر نہ کر سکے۔ (بخاری ۱۳۵۲)

علاء بن السیب نے اپنے باب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے براہین غازیہ



سے ملاقات کر کے یہ کہا کہ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو سرکارِ نبی صحت کا شرف حاصل ہوا اور آپ نے بیعت شجرہ میں شرکت کی ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ بھائی تمہیں نہیں معلوم کہ ہم نے اس کے بعد کیا کیا ہے۔ (بخاری ۳۷۳ باب غزوہ حدیبیہ)

ظاہر ہے کہ جب سابقین اولین کے اس صحابی نے نبی کی بیعت کرنے کے بعد اور رضائے الہی کی سند حاصل کرنے کے بعد اپنے خلاف یہ گواہی دی ہے کہ ہم لوگوں نے رسول اکرم کے بعد بدعتیں ایجاد کی ہیں تو دوسروں کا کیا ذکر ہے جب کہ یہ گواہی اس خبر غیب کی مصداق ہے کہ جس میں حضور نے اپنے بعد بدعتوں کے ایجاد ہونے کی خبر دی تھی اور لوگوں کے مرتد ہو جانے کے بارے میں بیان کیا تھا تو کیا یہ ممکن ہے کہ ان حالات کے بعد بھی کوئی عقلمند سب کے عادل ہونے کی تصدیق کر دے جیسا کہ حضرات اہلسنت کا خیال ہے۔

بیرے خیال میں تو ایسا شخص عقل اور نقل دونوں کے مخالف ہو گا۔ اور ایسے نظریات کے بعد حقیقت پہنچنے کا کوئی امکان نہیں رہ جائے گا۔

## ۴۔ حضرات شیخین کی شہادت خود اپنے خلاف

بخاری نے اپنی صحیح میں مناقب عمر بن الخطاب کے باب میں نقل کیا ہے کہ جب انھوں نے رضی ہونے کے بعد اپنے دردِ دل کا اظہار کیا تو ابن عباس نے تسکین دیتے ہوئے کہا کہ اگر آپ کو یہ تکلیف ہے تو آپ نے صحبت رسول کا شرف حاصل کیا اور اس عالم میں ان سے جدا ہونے ہیں کہ وہ آپ سے راضی تھے۔ پھر ابو بکر کی باقاعدہ صحبت اختیار کی ہے اور وہ بھی آپ سے راضی تھے۔ پھر ان کے اصحاب کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور اب دنیا سے جا رہے ہیں تو سب آپ سے راضی ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ہمارے رسول اکرم صحت اور رضامندی کا تعلق ہے تو واللہ

کا ایک احسان تھا اور یہی حال ابو بکر کی صحبت اور ان کی رضامندی کا ہے لیکن اس وقت میرا اضطراب تھا آرا در تمہارے اصحاب کے بارے میں ہے کہ اگر روئے زمین کے برابر سونا بھی صدقہ دیکر عذاب الہی سے نجات حاصل کر سکتا تو میں دیدیتا۔ (بخاری ۲۷۲)

تاریخ نے ان کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ کاش میں ایک دن نہ ہوتا جسے گھر والے کھلا پلا کر تندرست بناتے اور جب کوئی ہمان آجاتا تو اسے ذبح کر کے انہیں کھلا دیتے اور ان کے کھانے کے بعد میں فضل بن کر نکل جاتا۔ اور انسان نہ ہوتا۔ (منہاج السنہ ابن تیمیہ ۱۳۱۳، حلیۃ الاولیاء، ۵۷۱)

تاریخ نے ایسا ہی ایک بیان ابو بکر کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے درخت پر ایک پرندہ کو دیکھ کر فرمایا کہ تو خوش قسمت ہے، درخت پر بیٹھا ہے کھجور کھاتا ہے اور تیرے ذمہ نہ کوئی حساب ہے نہ عذاب۔ کاش میں بھی سر راہ کوئی درخت ہوتا اور راہ گیروں کا ادنٹ مجھے کھا کر مینگتی بنا دیتا اور میں انسان نہ ہوتا۔ (طبری ص ۲۱۰۔ الریاض النضرہ ۱۳۲۱، کنز العمال ص ۳۱۲ منہاج السنہ ۳ ص ۱۲۱)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ کاش میری ماں نے مجھے نہ جنم دیا ہوتا اور میں کوئی کورا کرکٹ ہوتا۔ (طبری ص ۲۱۰، الریاض النضرہ ۱۳۲۱، کنز العمال ص ۳۱۲ منہاج السنہ ۳ ص ۱۲۱)

ان بیانات کے مقابلے میں قرآن مجید کا وہ بیان جو صاحبان ایمان کو بشارت دیتا ہے کہ "اویاء خدا کے لئے نہ کوئی خوف ہے نہ حزن یہ صاحبان ایمان اور متقی افراد تھے۔ ان کے لئے زندگی دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر بشارت ہے۔ کلمات خدا میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے اور یہی عظیم کامیابی ہے" (یونس ۶۲-۶۳-۶۴)۔ "جن لوگوں نے یہ کہا کہ خدا ہمارا رب ہے اور اسی

پر قائم رہے۔ ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے کہ خبردار خوفِ رحمن نہ کرو اور اس جنت کی بشارت حاصل کرو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم زندگانی دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر تمہارے ساتھی ہیں اور تمہارے لئے جنت میں جو کچھ چاہو سب حاضر ہے۔ یہ پردہ نگار کی طرف سے تمہاری ضیافت کا سامان ہے“ (فصلت ۳۰-۳۱-۳۲)

اب ناظرین کرام کا کیا خیال ہے کہ قرآن مجید کے ان بیانات کے بعد بھی شیخین کی یہ آرزو ہے کہ کاش وہ انسان نہ ہوتے جسے رب کریم نے تمام مخلوقات سے افضل بنا یا ہے۔ اور اگر عام مومن پر استقامت کے بعد ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور اسے مقامات جنت کی بشارت دیتے ہیں اور وہ عذاب الہی کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اسے دنیا کے حالات پر حزن نہیں ہوتا ہے اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں بشارت مل جاتی ہے تو ان بزرگ صحابہ کو کیا ہو گیا ہے جو تمام مخلوقات سے افضل و برتر ہونے کے بعد فضلہ سنگینی یا بال اور کوڑا کرکٹ ہونے کی آرزو کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ملائکہ نے انہیں بھی بشارت دیدی ہوتی تو ساری دنیا کے برابر سونا صدقہ دیکر عذاب الہی سے بچنے کی آرزو نہ کرتے۔ جبکہ قرآن مجید نے صاف کہا ہے کہ اگر ظلم کرنے والے انسان کے پاس ساری دنیا بھی ہوتی تو وہ اسے فدیہ میں دیدیتا۔ اور عذاب دیکھنے کے بعد ندامت کا احساس کرتا اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا اور کسی پر ظلم نہ کیا جاتا“ (یونس ۵۴)

”اگر ظالمین کے پاس کل روئے زمین کا سرمایہ ہوتا اور اتنا ہی ادب بھی مل جاتا تو بھی قیامت کے عذاب کے مقابلے میں قربان کر دیتے اور خدا کی طرف سے اس امر کا اظہار ہوتا جس کا انہیں گمان بھی نہیں تھا۔ اور ان کی بد اعمالیوں کا اظہار بھی ہو جاتا اور ان کا استہزاء خود انہیں کو گھیر لیتا“ (زمر ۴۷-۴۸)

پہری تھا مگر آرزو یہ ہے کہ کاش یہ آیتیں حضرات ابوبکر و عمر جیسے بزرگوں کے حال پر منطبق نہ ہوتیں۔ لیکن مجھے ان آیات کو دیکھنے کے بعد ایک لمحہ کے لئے ٹھہرنا پڑتا ہے کہ میں یہ دیکھوں کہ ان لوگوں نے رسول اکرم کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے اور کس طرح آخر وقت میں ان کے احکام کے نفاذ کی مخالفت کی ہے اور اس طرح اذیت دی ہے کہ وہ گھر سے نکال دینے پر مجبور ہو گئے تھے جس طرح کہ میرے سامنے ان حوادث کی داستان بھی ہے جو سرکارِ دو عالم کے بعد پیش آئے ہیں۔ اور جس میں آپ کی دختر نیکا ختر فاطمہ زہرا کو اذیت دی گئی ہے اور ان کا حق غضب کیا گیا ہے جب کہ آپ نے واضح طور پر فرما دیا تھا کہ ”فاطمہ میرا ایک جزو ہے، جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا“ (بخاری ۲۶۲۶)

باب مناقب قرابتہ رسول اللہ

اور خود جناب فاطمہ نے ابوبکر و عمر سے کہا تھا کہ ”میں خدا کو گواہ بنا کر پوچھتی ہوں کہ کیا تم دونوں نے میرے بابا کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے کہ فاطمہ کی رضا میری رضا ہے اور فاطمہ کا غضب میرا غضب ہے۔ جس نے فاطمہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ اور جس نے فاطمہ کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا اور جس نے انہیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا“ تو دونوں نے تصدیق کی کہ ہم نے یہ بیان سنا ہے جس پر آپ نے فرمایا کہ میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا ہے اور راضی نہیں کیا ہے اور میں پیغمبر اسلام سے ملاقات کروں گی تو تم دونوں کی شکایت کروں گی۔ (الاماتہ و السیاستہ ابن قتیبہ ۱۷۱) (نک فی التاریخ ۹۷)

چھوڑیے اس روایت کو جو دل کو خون کر دیتی ہے کہ شاید ابن قتیبہ بھی شیعہ ہو گیا ہو۔ اگرچہ اس کا شمار جلیل القدر علماء المسلمین ہوتا ہے اور وہ لغو

حدیث الفت، نحو اور تاریخ میں مختلف کتابوں کا مصنف بھی ہے۔ جیسا کہ تاریخ  
المخلفاء سے اسناد کے موقع پر ایک متعصب عالم اہلسنت نے بعد سے کہا تھا کہ ابن قتیبہ  
شیعہ تھا۔ اور یہی بات ہر غیر متعصب سنی عالم کے بارے میں کہی جاتی ہے پناںچہ  
نسائی نے خصائص امیر المؤمنین تالیف کی تو وہ شیعہ ہو گیا۔ طبری نے چند فضائل  
نقل کر دیے تو وہ شیعہ ہو گیا۔ ابن قتیبہ نے تاریخ لکھی تو وہ شیعہ ہو گیا۔ اور  
یہ ہے کہ دور حاضر کے مشہور مصنف طہ حسین نے الفتۃ الکبریٰ لکھی تو وہ بھی  
شیعہ ہو گئے کہ انہوں نے حدیث غدیر نقل کر دی ہے اور بہت سے حقائق کا  
اعتراف کر لیا ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی شیعہ نہیں تھا۔ اور سب نے  
شیعوں کا تذکرہ انتہائی بدترین انداز میں کیا ہے۔ اور صحابہ کی عدالت سے دفاع  
کیا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ جس نے بھی فضائل البیت کا تذکرہ کر دیا ہے، اور  
صحابہ کی غلطیوں کا اقرار کر لیا ہے اس پر شیعہ کی ہمت لگا دی گئی ہے تاکہ اس کا  
بیان بے قیمت اور جانبدار ہو جائے۔ حد یہ ہے کہ اگر کسی نے صلوات میں آل کا ذکر  
کر دیا ہے یا علی کو علیہ السلام کہہ دیا ہے تو وہ بھی شیعوں میں شمار کر لیا گیا ہے۔ اسی  
لئے میں نے ایک دن اپنے عالم اہلسنت سے بحث کرتے ہوئے پوچھا کہ آپ کا بخاری  
کے بارے میں کیا خیال ہے تو انہوں نے کہا کہ وہ ائمہ حدیث میں ہیں اور ان کی  
کتاب تمام کتابوں میں بالاتر ہے تو میں نے کہا کہ وہ تو شیعہ تھے۔ تو انہوں نے  
طنز یہ مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا کہ معاذ اللہ وہ کس طرح شیعہ ہو سکتے ہیں؟  
میں نے کہا کہ آپ کا قانون ہے کہ جو علی کو علیہ السلام کہہ دیتا ہے اسے شیعہ  
بنا دیتے ہیں اور یہ چند مقامات ہیں جہاں بخاری نے علی کو علیہ السلام، فاطمہ  
کو علیہا السلام، اور حسین بن علی کو علیہ السلام لکھا ہے تو کیا وہ شیعہ نہیں ہیں۔

تو وہ سکنہ میں آگے اور کوئی جواب نہیں دے سکے۔ (بخاری ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳)  
مشکل یہ ہے کہ میں ابن قتیبہ کی روایت کو ترک کر دوں جس نے یہ تذکرہ  
کیا ہے کہ فاطمہ زہراء ابوبکر و عمر و غضبناک ہو گئیں۔ اور ان سے کلام نہیں کیا تو بخاری  
کے بارے میں کس طرح شک کر دوں گا کہ جس کی کتاب اصح الکتب ہے اور ہم لوگوں  
نے اسے صحیح تسلیم کر لیا ہے اور شیعوں کو ہمارے مقابلہ میں اس کتاب سے استدلال  
کرنے کا حق ہے اور اس نے باب مناقب قرابۃ الرسول میں یہ روایت درج کی  
ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا ہے کہ ”فاطمہ میرا کلمہ ہے اور جس نے اسے غضبناک  
کیا اس نے مجھے غضبناک کیا“ اور پھر باب غزوة خیبر میں عائشہ سے نقل کیا ہے  
کہ ”فاطمہ بنت النبی نے ابوبکر کے پاس اپنی میراث کا تقاضا بھیجا تو انہوں نے فاطمہ  
کو کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا جس پر وہ ناراض ہو گئیں اور انہوں نے قطع روابط  
کو لئے اور تاحیات ان سے بات نہیں کی۔ (بخاری ۱۳۹۳)

اور ان دونوں بیانات کا نتیجہ ایک ہے۔ فرقہ صرف یہ ہے کہ بخاری  
نے اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ابن قتیبہ نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔  
اور جب بخاری اس امر کا اقرار کر لے کہ فاطمہ غضبناک ہو گئیں اور جیتے جی ابوبکر سے  
بات نہیں کی۔ اور اس امر کا بھی اعلان کر دے کہ ”فاطمہ سیدۃ النساء العالمین  
ہیں جیسا کہ کتاب لاسیتدان میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور فاطمہ ہی وہ تنہا خاتون ہیں  
جنہیں آیۃ تطہیر کا مرکز بنا کر تمام برائیوں سے دور رکھا گیا ہے تو اس کا کھلا ہوا مطلب  
یہ ہے کہ فاطمہ کا غضب حق کے علاوہ کسی شے کے لئے نہیں ہو سکتا ہے اور ان کا غضب  
یقیناً خدا و رسول کے غضب کا باعث ہو گا اور اسی لئے خود ابوبکر نے کہا کہ میں رسول  
اکرم اور فاطمہ کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور فاطمہ کی ناراضگی پر اس قدر روکے  
کر قریب تھا کہ وہ انتقال فرما جاتے۔ اور وہ برابر فرماتی رہیں کہ میں تمہارے خلاف

ہر نمازیں بدعا کر دیں گی۔ جس کے بعد ابوبکر نے یہ اعلان کر دیا۔ مجھے ایسی بیعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے خلافت سے معاف کر دیا جائے۔ (الاماتہ والیاساتہ انتہا)

یہ اور بات ہے کہ ہمارے اکثر علماء اس اقرار کے بعد کہ فاطمہ نے ابوبکر سے میراث اور عطیہ کے بارے میں اختلاف کیا اور جب ان کا دعویٰ رد کر دیا گیا تو ناراض ہو گئیں۔ اور تاحیات ناراض رہیں۔ ان واقعات سے اس طرح گزر جاتے ہیں جیسے یہ کوئی واقعہ ہی نہیں ہوا۔ صرف اس لئے کہ ابوبکر کے آبرو کی تحفظ کریں اور ان کے کردار پر کوئی آج نہ آنے پائے۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ صورت حال ہے کہ بعض علماء نے تمام واقعات کو تفصیل کے ساتھ نقل کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا ہے کہ "فاطمہ کے لئے ناممکن ہے کہ وہ غیر حق کا مطالبہ کریں اور ابوبکر کے لئے بھی یہ ناممکن ہے کہ وہ حق کا انکار کر دیں" گویا ان کی نظر میں اس فریب کاری اور ریاکاری سے مسئلہ حل ہو گیا اور تمام تحقیق کرنے والے مطمئن ہو گئے۔ اس بیان کا تو واضح سامع طلب یہ ہے کہ "قرآن مجید کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ غلط بیانی سے کام لے اور بنی امریہ کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ گویا بے ہوشی شروع کر دیں"

خدا جانتا ہے کہ ہم ایسے علماء کے ہاتھوں بتلا ہو گئے ہیں جو یہ بھی نہیں جانتے ہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور بیک وقت دو متضاد اور متناقض امور کا عقیدہ رکھتے ہیں جب کہ واضح سی بات یہ ہے کہ فاطمہ نے ایک دعویٰ کیا تھا اور ابوبکر نے اسے رد کر دیا تھا گویا فاطمہ (معاذ اللہ) غلط بیانی سے کام لے رہی تھیں یا ابوبکر نے ان کے اوپر ظلم کیا ہے۔ اس کے علاوہ مسئلہ کی کوئی تیسری شق نہیں ہے جس کی پناہ لی جاسکے۔ اور اگر عقلی اور نقلی دلائل سے یہ ناممکن ہے کہ فاطمہ غلط بیانی سے کام لے سکیں کہ انہیں رسول اکرم نے اپنا جزد قرار دیا ہے اور ان کی

اذیت کو اپنی اذیت قرار دیا ہے تو اس کا واضح سانچہ یہ ہے کہ اس امر کا اقرار کر لیا جائے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور ان کے دعویٰ کو رد کر دینا کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے۔ جبکہ حدیث بضعہ منیٰ انہی عصمت کی دلیل ہے اور آیت تظہیر ان کی پاکیزگی کا اعلان کر رہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ گھر میں آگ لگانے والوں کے لئے تکذیب اور انکار حق کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ (تاریخ الخلفاء دینوری انتہا)

اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ فاطمہ زہرا نے گھر میں داخل ہونے کی بھی اجازت نہیں دی اور جب وہ لوگ گھر میں داخل ہو گئے تو ابوبکر و عمر کی طرف سے منہ پھیر لیا اور انہیں دیکھنا بھی پسند نہیں فرمایا۔ (الاماتہ والیاساتہ انتہا)

پھر انتقال کے بعد کے لئے وصیت کر دی کہ جنازہ کو رات کی تاریکی میں دفن کر دیا جائے تاکہ ظالم جنازہ شریک نہ ہو سکیں۔ (بخاری ۳۹)

انہیں مصائب کا نتیجہ تھا کہ بنت رسول کی قرآن تک معلوم نہ ہو سکی اور میرا سوال علماء کرام سے باقی ہے کہ ان حقائق کے بارے میں کیوں ساکت ہیں اور ان مسائل پر کیوں بحث نہیں کرتے ہیں۔ اور انہیں محل ذکر میں کیوں نہیں لاتے ہیں اور صحابہ کو ہمارے سامنے ملائکہ کی شکل میں کیوں پیش کرتے ہیں۔ ان کی غلطی اور خطا کا اقرار کیوں نہیں کرتے ہیں اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ خلیفۃ المسلمین عثمان کا قتل کیوں واقع ہو گیا۔ تو دو لفظوں میں سارے واقعات کا خلاصہ کیوں بتا دیتے ہیں کہ مصر کے کفار کی ایک جماعت نے انہیں قتل کر دیا۔ یہ تو مجھے بحث و تحقیق کی فرصت ملی تو میں نے دیکھا کہ عثمان کے قاتل اصل میں صحابہ کرام ہیں جنہیں سرفہرست ام المؤمنین عائشہ ہیں جو ان کے قتل کے نعرے لگاتی تھیں اور انہیں نغشل کہہ کر ان کے قتل پر لوگوں کو آمادہ کر رہی تھیں۔ (طبری ۲، ۲۵، ابن اثیر ۱)

لسان العرب ۱۳، ۱۳۹، تاج العروس ۸، ۱۲۱، العقد الفرید ۲، ۲۹

اس کے بعد طلحہ زبیر اور محمد بن ابی بکر جیسے شاہیر صحابہ ہیں جنہوں نے  
معاشرہ کے دوران پانی بند کر کے انہیں استعفاء دینے پر مجبور کرنا چاہا تھا اور بقول  
مورخین انہیں صحابہ نے انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا اور  
بالآخر یہودیوں کے قبرستان "حشش کوکب" میں دفن ہو گئے۔

ایسے حالات میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ مظلوم مارے گئے اور انہیں  
کفار کی ایک جماعت نے قتل کر دیا ہے۔

درحقیقت یہ واقعہ بھی جناب فاطمہؑ اور ابو بکر جیسا ایک واقعہ ہے کہ یا تو  
عثمان مظلوم ہیں اور جن صحابہ نے انہیں قتل کیا ہے یا قتل میں شرکت کی ہے وہ  
قاتل اور مجرم تھے کہ انہوں نے خلیفۃ المسلمین کے خون کو مباح قرار دیا اور پھر جنازہ  
برخست باری کی اور اس قدر توہین کی کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی نہیں  
ہونے دیا۔ یا یہ صحابہ عثمان کو ان کے اعمال و افعال کی بنا پر جائز القتل سمجھتے  
تھے اور ان کے اعمال قابل قتل تھے۔ اس کے بعد تیسرے کوئی احتمال نہیں ہے جب تک  
ہم تاریخ کے تمام حقائق کا انکار کر کے فریب کاری کا کاروبار نہ شروع کر دیں  
اور مہر کے کافروں کو قاتل نہ قرار دیدیں۔ لیکن ہر حال دونوں صورتوں  
میں عدالت صحابہ کا عقیدہ ضرور مجروح ہو جاتا ہے کہ تفسیر کے فریقین صحابہ تھے  
اور اختلاف قتل کی حدود تک پہنچا ہوا تھا۔ جس کے بعد شیعوں کا یہ خیال صحیح  
ہو جاتا ہے کہ بعض صحابہ عادل تھے۔ اور بعض فاسق و ظالم۔ پھر اس کے بعد  
جنگ جمل کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے جس کی آتش جنگ کو ام المومنین عائشہ  
نے بھڑکایا تھا۔ اور خود ہی انہوں نے اس جنگ کی قیادت کی تھی۔ کرام المومنین  
اس گھر سے کس طرح باہر نکلیں جس میں ٹھہرے رہنے کا حکم قرآن مجید نے دیا تھا "وقرن  
فی بیوتکن ولا تبارجن تبرج الجاہلیۃ الاولیٰ" (احزاب ۳۳)

اور کس طرح خلیفۃ المسلمین سے جنگ کو جائز قرار دیدیا جبکہ وہ تمام  
مومنین و مومنات کے ولی تھے۔

ہمارے علمائے کرام ان سوالات کے جوابات نہایت آسانی کے ساتھ یہ  
دیتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے قصہ انک میں رسول اکرمؐ کو طلاق دیدینے کا مشورہ  
دیدیا تھا اور یہ بات ام المومنین کو ناپسند تھی لہذا وہ امام علیؑ کو پسند نہ کرتی تھیں  
۔ گویا کہ طلاق کا مشورہ اس امر کا جواز تھا کہ حکم خدا کی مخالفت کی جائے۔ گھر  
سے باہر میدان میں جنگ کی جائے۔ اونٹ پر بیٹھ کر جو اب کے مقام تک سفر کیا جائے  
جس سے رسول اکرمؐ نے منع بھی کیا تھا۔ اور اس خطرہ سے آگاہ بھی کیا تھا۔ (الامانۃ الیوم)  
۔ پھر مدینہ سے مکہ اور مکہ سے بصرہ کی طویل مسافت طے کر کے بے گناہ افراد کے  
خون کو مباح بنا لیا جائے اور امیر المومنینؑ سے جنگ کی جائے اور اس کے نتیجہ  
میں ہزاروں افراد کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ (طبری، ابن اثیر، بلاذری وغیرہ  
حوادث ۳۳ھ)۔

اور یہ سب صرف اس لئے ہو کہ امام علیؑ نے طلاق کا مشورہ دیدیا اور  
اور یہ انہیں پسند نہیں تھا۔ اگرچہ رسول اکرمؐ نے طلاق بھی نہیں دی تھی۔  
اس کے علاوہ مفسرین نے ان کے بہت سے معاندانہ حرکات کا ذکر کیا ہے  
جن کی کوئی تاویل ممکن نہیں ہے۔ مثال کے طور پر جب آپ مکہ سے واپس آ رہی  
تھیں تو گوں نے خردی کہ عثمان کو قتل کر دیا گیا ہے تو آپ نے انتہائی مسرت کا  
اظہار کیا لیکن جیسے ہی معلوم ہوا کہ لوگوں نے علیؑ کو خلیفہ تسلیم کر لیا ہے آپ نے  
برجستہ اعلان کیا کہ کاش آسمان زمین پر گر پڑتا اور علیؑ دلی امیر المومنین نہ بن  
پاتے۔ مجھے واپس لے چلو اور اس کے بعد شعلہ جنگ کے بھڑکانے کی تیاریاں کرنے  
لگیں۔ اور علیؑ سے اس قدر اختلاف کیا کہ ان کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔

کیا انہوں نے رسول اکرم کا یہ ارشاد نہیں سنا تھا کہ "علیٰ کی محبت ایمان ہے اور ان کی عداوت نفاق ہے" (صحیح مسلم ۱۷۸) یہاں تک کہ بعض صحابہ کا بیان ہے کہ ہم منافقین کو علیؑ کی عداوت ہی کے ذریعہ پہچانتے تھے۔

اور کیا انہوں نے رسول اکرم کا یہ اعلان نہیں سنا تھا "جب کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے"۔ یقیناً انہوں نے سنا تھا اور وہ یہ سب جانتی تھیں لیکن اس کے باوجود علیؑ کو پسند نہیں کرتی تھیں اور جب ان کے انتقال کی خبر سنی تو فوراً سجدہ شکر میں گر پڑیں۔ (طبری، ابن اثیر، مدائن وغیرہ حوادث ۳۳۷ م)

چھوڑیے ان معاملات کو کہ میرا مقصد ام المومنین کی تاریخ حیات کو نقل کرنا نہیں ہے۔ میرا مقصد تو صرف یہ بیان کرنا تھا کہ اکثر صحابہ اسلامی قوانین کی خلاف ورزی کیا کرتے تھے اور رسول اکرم کے احکام کی پروا نہیں کرتے تھے جس مقصد کے لئے ام المومنین کا یہ فتنہ ہی کافی ہے کہ جس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے اور سب نے اس حقیقت کو نقل کیا ہے کہ جب ان کا قافلہ مقام حوآب پر پہنچا اور وہاں کہ کتوں نے بھونکنا شروع کیا تو رسول اکرم کی تینبہ یا آئی کہ خبردار تم میں سے کوئی مقام حوآب تک نہ جانے پائے جہاں سے بھونکیں گے۔ اور جب انہوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا تو طلحہ وزبیر نے رقم دیکر بچاس آدمیوں کو جمع کیا اور انہوں نے قسم کھا کر گواہی دی کہ یہ مقام حوآب نہیں ہے۔ اور وہ بصرہ تک اپنے سفر کو جاری رکھے رہیں جو بقول مورخین اسلام میں پہلی جھوٹی گواہی تھی۔ (طبری، ابن اثیر، مدائن وغیرہ۔ حوادث ۳۳۷ م)

اب میں روشن فکر افراد سے سوال کرتا ہوں کہ اس اشکال کا کوئی حل بتائیں اور یہ سمجھائیں کہ کیا انھیں صحابہ کرام کی عدالت کا ڈھنڈو درا پیٹا جاتا ہے اور کیا انہیں کو رسول اکرم سے بدافضل البشر قرار دیا جاتا ہے جو جھوٹی گواہی سے بھی دریغ نہیں کرتے جسے رسول اکرم نے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔

پھر دوبارہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ اس لئے یا تو علیؑ اور ان کے ساتھی ظالم اور باطل پرہوں یا ام المومنین عائشہ اور ان کے ساتھی ظالم اور زبیر ظالم اور باطل پرہوں گے۔ اور دونوں صورتوں میں صحابہ کا کردار واضح ہو جائے گا اور کسی تیسری قسم کا کوئی امکان بھی نہیں ہے۔ میرے خیال میں تو ہر انصاف پسند کار حجان علیؑ کی طرف ہو گا جو حق کے ساتھ ہیں اور اور حق ان کے ساتھ ہے بلکہ انہیں کے ساتھ گردش کرتا ہے اور ام المومنین کے فتنہ سے بیزار ہو گا جس کی آگ ہر خشک دتر کو کھا گئی اور اس کے آثار آج تک باقی ہیں۔ بخاری نے اپنی صحیح کتاب الفتن میں یہ روایت نقل کی ہے کہ جب طلحہ اور زبیر اور عائشہ نے بصرہ کا رخ کیا تو علیؑ نے عمار یا سرا و حسن بن علیؑ کو بھیجا اور یہ حضرات کو ڈاکے۔ مجمع جمع کیا اور منبر پر گئے حسن بالائی زینہ پر تھے اور عمار یا سرا اس کے بعد والے زینہ پر۔ اور عمار نے آواز بلند اعلان کیا کہ عائشہ نے بصرہ کا رخ کر لیا ہے اور وہ تمہارے رسولؐ کی زوجہ ہیں اب پروردگار تمہارا امتحان لے رہا ہے کہ تم رسولؐ کی اطاعت کرتے ہو یا عائشہ کی۔ (بخاری ۲/۱۳۱)

پھر کتاب المشرکین میں ازواج کے بارے میں نقل کیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے خطبہ دیتے ہوئے عائشہ کے گھر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ فتنہ یہاں ہے۔ یہاں ہے۔ یہاں ہے۔ جس طرح شیطان کی سینگ نکلتی ہے۔ (بخاری ۲/۱۳۱) اس کے علاوہ بخاری نے رسول اکرمؐ کے ساتھ ان کے سوء اخلاق اور بد تمیزی کے بھی بہت سے عجیب و غریب مناظر نقل کئے ہیں اور یہاں تک بیان کیا ہے کہ ان کی انہیں حرکات پر ابو بکر نے انہیں اتنا مارا کہ خون جاری ہو گیا۔ پھر انہوں نے رسول اکرمؐ کے خلاف ایسی سازش کی کہ آپ کو طلاق کی رائے دینا پڑی اور رب العالمین نے دوسری زوجہ مدللے کا اشارہ دیا۔ جس کی داستان بید طولیل ہے۔

میرا تو سوال یہ ہے کہ کیا ان حرکات و اقدامات کے بعد بھی عائشہ ان احتسرات کی مستحق ہیں جس کے برادران اہلسنت قائل ہیں صرف اس لئے کہ وہ زوجہ پیغمبر تھیں جب کہ پیغمبر کی بہت سی ازواج ہیں اور بعض ازواج پیغمبر ان سے افضل ہیں۔ (ترمذی، استیعاب حالات صحیفہ، اصحاب)۔ یا اس لئے کہ وہ بنت ابوبکر تھیں۔ یا اس لئے کہ انھوں نے وصیت پیغمبر کے ٹھکرانے پر پورا زور صرف کر دیا تھا۔ اور جب ان کے سامنے ذکر آیا کہ پیغمبر نے علیؑ کے بارے میں وصیت کی ہے تو فرمایا کہ رسول اکرم میرے سینہ پر تکیہ کئے ہوئے تھے اور اسی عالم میں ان کا انتقال ہوا ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ انہوں نے کس طرح وصیت کر لیا ہے۔

یا اس لئے کہ انھوں نے ایک پناہ جنگ کی قیادت کی ہے اور امام حسنؑ کے جنازہ کے دفن ہونے میں رکاوٹ ڈالی ہے اور انہیں یہ کہہ کر نانا کے پہلو میں دفن نہ ہونے دیا کہ میرے گھر میں اسے داخل نہ کرو جسے میں پسند نہیں کرتی ہوں۔ اور یہ بھول گئیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ "حسن و حسینؑ جو انان جنت کے سردار ہیں" خدا سے دوست رکھے جو انہیں دوست رکھے۔ اور اس سے نفرت کرے جو ان سے عداوت رکھے"۔ "میری اس سے جنگ ہے جو ان سے جنگ کرے اور ان سے صلح ہے جو ان سے صلح کرے"۔ اور پھر حسنؑ و حسینؑ کو امت میں یگانہ رسولؐ قرار دیا ہے۔

اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ انہوں نے پیغمبر سے علیؑ کے بارے میں اس سے کہیں زیادہ سنا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان سے جنگ کی اور لوگوں کو ان کے خلاف درغلا کر میدان میں لے آئیں۔ ان کے فضائل و مناقب کا انکار کر دیا۔ اور اسی بنیاد پر انہیں بنی امیہ نے پسند کیا۔ اور انہیں تمام امت سے بالاتر منزل پر رکھ دیا ہے۔ اور ان کی شان میں وہ روایتیں تمار کی ہیں جن سے کتابوں کو کھردا

اور دیار بہ دیار ان کا پر دستبند کیا۔ یہاں تک کہ انھیں امت اسلامیہ کے لئے مرجع الکر قرار دیدیا گیا ہے اور ان کے بیانات کو نصف دین کا ماخذ بنا دیا گیا ہے۔

اور شائد دین کا نصف آخر "ابو ہریرہ کے حصہ میں آگیا تھا جس نے ان کی شان میں روایتیں وضع کیں اور انہوں نے اس کے صلہ میں اسے والی مدینہ بنا دیا اور اس کے لئے قصر عتیق تیار کر دیا۔ جب کہ وہ ایک فقیر محض آدمی تھا اور اسے "راویۃ الاسلام" کا لقب دیدیا اور اس طرح اس نے بنی امیہ کے لئے ایک جدید اور مکمل دین فراہم کر دیا۔ جس میں کتاب و سنت کے وہی احکام نظر آئے جو ان کی خواہش کے مطابق اور ان کی سلطنت کے استحکام کا ذریعہ تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے دین کو تماشوں کا مجموعہ اور متناقضات کا مرکب مجموعہ ہونا ہی چاہئے تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ حقائق مسخ ہو گئے اور ان کی جگہ ظلمات نے لے لی۔ لوگوں کو انہیں خرافات پر آمادہ کیا گیا۔ اور ان کے درمیان انہیں خرافات کی تردید کی گئی اور اس طرح دین الہی ایک مضحکہ بن کر رہ گیا۔ جس کا کوئی معیار نہ ہو۔ اور جس میں معاویہ کا خوف، خوفِ خدا سے زیادہ ہو۔

لیکن جب ہم اپنے علماء سے اس امر کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ ہاجرین اور انصار کے بیعت علیؑ کر لینے کے بعد معاویہ کے پاس ان سے جنگ کرنے کا جواز کیا تھا اور جس جنگ نے مسلمانوں کو شیعہ سنی دو گروہوں میں تقسیم کر دیا اور ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا اس کے بھرگانے والے کی حیثیت کیا ہے؟ وہ صوب عادت نہایت آسانی کے ساتھ یہ جواب دیدیتے ہیں کہ علیؑ اور معاویہ دونوں صحابی تھے۔ اور دونوں نے اجتہاد سے کام لیا ہے۔ علیؑ کا اجتہاد صحیح تھا اس لئے ان کے لئے دواجر ہیں۔ اور معاویہ نے اجتہاد میں غلطی کی ہے لہذا اس کے لئے ایک ہی اجر ہے۔ اور ان بزرگوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے

کا حق نہیں ہے جیسا کہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے کہ ”یہ امت گذر چکی ہے وہ اپنے اعمال کی ذمہ دار ہے اور تم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو۔ تم سے ان کے اعمال کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔“

افسوس صد افسوس کہ یہ ہے ہمارے علماء و کرام کا انداز جواب جو ایک واضح مفصلہ در فریب عقل ہے جسے نہ کوئی دین قبول کر سکتا ہے اور نہ کوئی قانون خدا یا میں تجھ سے افکار کی لغزش اور خواہشات کی بگردی سے پناہ مانگتا ہوں، تو ہمیں شیطانی وسوسوں اور شیطاں کے غلبہ سے نجات عطا فرمانا۔

بملا عقل سلیم اس معاویہ کو مجتہد بنا کر ایک اجر کس طرح دلوا سکتی ہے جس نے امام المسلمین سے جنگ کی ہے۔ بیگناہ مسلمانوں کا قتل عام کیا ہے اور اتنے جرائم انجام دیئے ہیں جن کا شمار خدا کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اہل تاریخ کے درمیان یہ امر مشہور ہو گیا ہے کہ اپنے حریفوں کو قتل کرنا ہوتا نہیں زہر آلود شہد کھلا دیا اور پھر یہ کہہ دیا کہ خدا کے پاس شہد کے بھی لشکر ہیں“

آخر یہ لوگ معاویہ کو مجتہد قرار دیکر کس طرح ایک اجر کا حقدار بناتے ہیں جبکہ وہ باغی گروہ کا سرغنہ تھا اور تمام محدثین نے سرکارِ دو عالم کی حدیث نقل کی ہے کہ ”عمار کا قاتل ایک باغی گروہ ہو گا“ اور انہیں معاویہ اور اس کے ساتھیوں ہی نے قتل کیا ہے۔ اس کے علاوہ جبر بن عدی اور ان کے اصحاب کو انتہائی بیدار دیکھا کے ساتھ اس نے قتل کیا ہے اور انھیں شام کے ایک بیابان صحرا میں دفن کر دیا ہے صرف اس جرم کہ انہوں نے علیؑ کو گالیان سننے انکار کر دیا تھا۔

بھلا معاویہ کو کس منہ سے صحابی عادل کہا جاتا ہے جب کہ اس شخص بن علیؑ کو زہر دیا ہے جس کو رسول اکرمؐ نے جو انان جنت کا سردار قرار دیا تھا۔

اے کس طرح یا کد امن قرار دیا جاتا ہے جب کہ اس نے جبر و استبداد کے

ذریعہ اپنے لئے اور پھر اپنے ناسق و فاجر شرابی بیٹے کے لئے بیعت لی ہے اور امت کے نظام شوریٰ کو قیصریت و شہنشاہیت میں تبدیل کر دیا ہے۔ (خلافت و ملکیت مودودی۔ یوم الاسلام احمد امین)۔

اے کس طرح مجتہد بنا کر ایک اجر کا حقدار قرار دیا جا رہا ہے جب کہ اس نے لوگوں کو علیؑ پر سنت کرنے پر آمادہ کیا ہے اور آل رسولؐ کو برا بھلا کہا ہے اور جن اصحاب نے اس جرم سے انکار کیا ہے انہیں بھی قتل کر دیا ہے اور سب علیؑ کو ایک سنت جاریہ قرار دیدیا ہے جس پر بچے جوان ہو جائیں اور جوان بوڑھے ہو جائیں۔ فلا حول ولا قوت الا باللہ العلیٰ العظیم۔

ہمارا یہ سوال پھر پلٹ کر سامنے آتا ہے کہ دونوں گروہوں میں کون سا گروہ حق پر تھا۔ اور کون باطل پر۔

علیؑ اور ان کے شیعہ ظالم اور باطل ہیں یا معاویہ اور اس کے پیروکار۔ اور دونوں صورتوں میں عدالت صحابہ کا قانون تو بہر حال باطل ہو جاتا ہے اور عدالت صحابہ کا عقیدہ ایک تناقض اور تضاد ہی کا شکار ہو جاتا ہے جو عقل سلیم اور منطقی صحیح سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتا ہے۔

ان تمام موضوعات کی اتنی مثالیں ہیں جنہیں خدا کے علاوہ کوئی شمار بھی نہیں کر سکتا ہے۔ میں تو تفصیلات میں جانا چاہوں اور تمام موضوعات کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کروں تو بڑی بڑی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں لیکن میرا مقصد تو اختصار کے ساتھ چند مثالوں کا بیان کر دینا تھا جو بجز اللہ میرے مقصد کی وضاحت اور اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں جن سے ان لوگوں کے خیالات کی تردید ہو جاتی ہے جنہوں نے میری فکر کو ایک مدت تک جامد بنائے رکھا اور میرے اور تمام نئے آفاق کے راستے بند کر دئے کہ میں تاریخی واقعات



کا تجزیہ کر سکوں اور انھیں شرعی اور عقلی معیاروں پر پرکھ کر ان کے بارے میں فیصلہ کر سکوں۔ جن موازین اور مقایسے کا اشارہ قرآن مجید اور سنت شریف نے دیا ہے۔

اب میں اپنے نفس سے بغاوت کروں گا اور تعصب کے غبار کو جھاڑ کر تمام قید و بند سے آزاد ہو کر مسائل پر غور کروں گا۔ وہ قید و بند جس میں مجھے پچیس سال سے زیادہ جکڑ کر رکھا گیا تھا۔ اور اب میری زبان حال آواز دے رہی ہے۔

”کاش میری قوم اس امر سے باخبر ہوتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا ہے اور مجھے بزرگ اور محترم افراد میں قرار دیدیا ہے۔ کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ میں نے اس دنیا کا انکشاف کر لیا ہے جس سے یہ سب بے خبر ہیں اور یہ بلا معرفت اس سے عناد و اختلاف سے کام لے رہے ہیں۔“

## انقلاب کی ابتداء

میں تین ہینہ تک انتہائی حیرت اور کشمکش کے عالم میں زندگی گزارتا رہا۔ جہاں نیند میں بھی مختلف خیالات اور ادھام میرا دامن نظر کھینچتے رہے اور مجھے ان صحابہ سے شدت کا خوف تھا۔ جن کے حالات کے بارے میں میں تحقیق کر رہا تھا اور جن کی زندگی میں حیرت انگیز قسم کی بگردی کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ لیکن میری ساری زندگی کی تربیت مجھے ادیاء و خدا اور بندگان صالحین کی تقدیس اور احترام کی دعوت دے رہی تھی۔ جو اپنے حق میں بے ادبی کرنے والوں کو مرنے کے بعد بھی سخت سزا دے سکتے ہیں۔

خصوصیت کے ساتھ میں کتاب حیوۃ الہیوان دیرری میں یہ واقعہ پڑھ چکا تھا کہ ایک قافلہ میں ایک شخص عمر بن الخطاب کو برا بھلا کہہ رہا تھا اور لوگ اسے منع کر رہے تھے لیکن وہ باز نہیں آتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پیشاب کرنے گیا تو ایک سانپ نے اسے ڈس لیا۔ اور اس کے بعد جب اس کا انتقال ہوا تو جہاں جہاں قبر کھودی گئی سانپ نکل آیا۔ یہاں تک کہ بعض عرفانے کہا کہ اگر تم ساری زمین بھی کھود ڈالو گے تو ایسے سانپ نکلتے رہیں گے کہ خدا عمر کی شان میں گستاخی کرنے والے کو آخرت سے پہلے دنیا ہی میں سزا دینا چاہتا ہے۔

ان حالات میں ایسی خطرناک بحث میں داخل ہوتے ہوئے میں لرز رہا تھا۔ اور پھر اپنے مدرسہ میں یہ سبق بھی پڑھ چکا تھا کہ تمام خلفاء میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں اور ان کے بعد عمر فاروق ہیں جن کے ذریعہ خدا حق و باطل میں تفرقہ پیدا کرتا ہے۔ اور ان کے بعد حضرت ذوالنورین عثمان ہیں

جن سے مالکہ آسمان بھی شرماتے ہیں۔ اور ان نے بد حضرت علیؑ ہیں۔

پھر ان سب کے بد عشرہ بسترہ کے باقی چود افراد ہیں۔ اور ان کے بعد باقی صحابہ کرام ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کی شان میں گستاخی کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ قرآنی ارشاد ہے کہ "رسولوں کے درمیان تفریق نہیں ہو سکتی" اور سب کو ایک نظر سے دیکھنا چاہئے۔

اس بنیاد پر میں مسلسل غور فرماتا ہوں اور بارہا استغفار کر کے اپنے ارادہ بحث کو ترک کرنے کے بارے میں سوچتا رہا جس سے صحابہ کے بارے میں یعنی اپنے دین کے بارے میں مشکوک ہوجانے کا خطرہ تھا۔ لیکن اس مدت میں بعض علماء سے گفتگو کرنے کے دوران ایسی متناقض باتیں سنتا رہا جنہیں عقل کسی قیمت پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھی اور وہ مسلسل اس امر سے ڈراتے رہے کہ اگر صحابہ کے حالات میں بحث و تحقیق کا سلسلہ جاری رہا تو خدا نمتوں کو سلب کر سکتا ہے اور ہلاک بھی کر سکتا ہے جس کی بنا پر میری علمی فضولیت نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں منزل حقیقت تک پہنچنے کے لئے اپنا تحقیقی سفر جاری رکھوں اور اس خطرناک دادی کی سیر کرتا رہوں۔ اس لئے کہ میں اپنے اندر ان سب کے خلاف ایک قوت پارہا تھا۔ جو مجھے مسلسل ہمت دلا رہی تھی اور جسکی وجہ سے میں اپنی بحث کو جاری رکھے ہوئے تھا۔

## ایک صاحبِ علم سے گفتگو

میں نے اپنے ایک عالم سے کہا کہ معاویہ نے اتنے بے گناہوں کو قتل کیا اور اتنی عورتوں کی بے حرمتی کی تو آپ حضرات کہتے ہیں کہ یہ اس کی خطا اجتہادی ہے اور وہ ایک اجر کا مستحق ہے۔ کھڑکے ذہن نے ذہن رسول کو قتل کیا اور عذرا کا ہرمت

کو اپنے لشکر کے لئے بیت ح کر دیا اور آپ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس کی خطا اجتہادی ہے اور وہ ایک اجر کا مستحق ہے۔ یہاں تک کہ بعض حضرات نے تو حضرت حسین علیہ السلام کو اپنے انا کی تلوار کا مقتول قرار دیا ہے کہ ان کا قتل بھی تو انہیں اسلام کے عین مطابق تھا۔ تو پھر میں کیوں نہ اجتہاد کروں۔ چاہے اسکی نیچہ میں صحابہ کی عظمت میں شبہات پیدا ہو جائیں اور ان کا استدار ختم ہو جائے۔ اس لئے کہ میرا جرم معاویہ کے اصحاب رسول اور یزید کے فرزند ان رسولؐ کے ذہل سے بہر حال ہلکا ہو گا۔ تو میں بھی اگر صحیح راستہ پر آگیا تو دوسرے اجر کا مستحق ہوں گا۔ در نہ ایک اجر تو بہر حال ملے گا۔ جب کہ میں صحابہ کو گایاں بھی نہیں دیتا۔ اور انھیں برا بھلا بھی نہیں کہتا ہوں۔ صرف انکی کمزوریوں کو واضح کر کے اس حقیقت تک پہنچنا چاہتا ہوں کہ تمام فرقوں میں نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے اور یہ میرا ایک فرض ہے جو تمام مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے کہ حق کو تحقیق کے ساتھ تشخیص دیں۔ اور خدا میرے باطن اور میرے ضمیر کے حالات سے بہتر طور پر باخبر ہے۔

اس عالم نے جواب دیا کہ فرزند! باب اجتہاد ایک زمانہ ہو اسند ہو چکا ہے۔

میں نے پوچھا کہ یہ کس نے بند کر دیا ہے؟

انھوں نے فرمایا کہ ائمہ اربعہ نے!۔

میں نے نہایت آزادی سے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے یا اس کے

رسولؐ نے یا خلفائے راشدین نے نہیں بند کیا ہے جن کی اقتداء ہمارا فرض ہے اور جب ان حضرات نے نہیں بند کیا ہے تو جس طرح ائمہ اربعہ نے اجتہاد کیا ہے ہمیں بھی اجتہاد کرنے کا حق ہے۔

میں نے عرض کی کہ مجھے خوف ہے کہ میں آیت رفیہ کا مصداق نزن جاؤں " کیا تم نے اسے دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا لیا ہے اور خدا نے اسے علم کے باوجود گمراہی میں چھوڑ دیا ہے۔ اور اس کے کان اور ذل پر پھر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور خدا کے بعد کو ن ہدایت دے سکتا ہے۔ کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے ہو؟ " (جائزہ ۲۳)

میں یہ عقیدہ نہیں پیدا کر سکتا کہ تمام مذاہب حق پر ہیں جب کہ ایک مذہب ایک شے کو حلال قرار دیتا ہے اور دوسرا حرام اور وقت واحد میں ایک ہی چیز حلال اور حرام نہیں ہو سکتی ہے اور نہ خدا و رسول کے احکام میں تضاد پیدا ہو سکتا ہے۔ رسول کا کلام وحی الہی کا نتیجہ ہے اور وحی کی علامت ہی یہ ہے کہ اس میں اختلاف نہیں ہو سکتا ہے۔ " اگر قرآن غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت اختلافات پائے جاتے " (نساء ۸۲)

مذاہب اربعہ کا اختلاف خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں ہیں۔ اور نہ ان کا کوئی تعلق رسول اکرم سے ہے کہ رسول اکرم قرآن کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکتے ہیں۔

عالم دین نے میرے کلام کی معقولیت اور اس سے منطقی انداز کو دیکھ کر فرمایا کہ میں تمہیں برائے خدا یہ نصیحت کرتا ہوں کہ جس چیز میں چاہو شک کرو۔ خبردار خلفار راشدین کے بارے میں شک نہ کرنا کہ یہ سب اسلام کے ستون ہیں۔ اگر ستون ہی منہدم ہو گیا تو ساری عمارت منہدم ہو جائے گی۔

میں نے عرض کی کہ حضور اگر یہی سب دین کے ستون ہیں تو رسول اکرم کی جگہ کہا ہے اور ان کا اسلام سے کیا تعلق ہے۔

فرمایا وہ بنیاد دین ہیں۔ اور اصل میں انہیں کا نام اسلام ہے۔

میں یہ سن کر مسکرایا اور میں نے استغفار کرتے ہوئے کہا کہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ رسول اکرم بھی انہیں چاروں حضرات کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے ہیں جب کہ رب العالمین کا ارشاد ہے کہ اس خدا نے اپنے رسول کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب بنائے اور خدا گواہی کیلئے کافی ہے؟ (فتح ۲۸)

خدا نے اپنے پیغمبر کو رسالت کے ساتھ بھیجا اور چاروں سے کسی کو شریک رسالت نہیں بنایا بلکہ صاف صاف اعلان کر دیا کہ جس طرح ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیات کی تلمذ کرتا ہے تمہارے نفوس کو پاکیزہ بناتا ہے۔ تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ سب کچھ بتاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے " (بقرہ ۱۵۱)

انہوں نے فرمایا کہ یہ باتیں ہم نے اپنے بزرگوں سے سیکھی ہیں۔

اور ہمارے دور میں بزرگوں سے بحث کرنے کا رواج نہیں تھا۔ جس طرح کہ تم لوگ اس دور میں بحث و مباحثہ کرتے ہو اور ہر چیز میں شک و شبہ پیدا کرتے ہو جو درحقیقت قرب قیامت کے علامات ہیں ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم نے فرمایا ہے کہ " قیامت بدترین افراد کے دور میں قائم ہوگی "۔

میں نے عرض کی حضور اس قدر دھکی نہ دیں۔ میں نہ دین میں خود شک کرتا ہوں اور نہ شک پیدا کرتا ہوں۔ میرا ایمان خدائے وحدہ لا شریک اس کے ملائکہ اور اس کی کتب اور رسل سب پر ہے۔ میں سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ کو خدا کا بندہ اور اس کا رسول، افضل انبیاء و مرسلین اور خاتم النبیین مانتا ہوں۔ میں ایک مسلمان انسان ہوں۔ مجھے آپ تشکیک کا الزام نہ دیں۔

انہوں نے فرمایا میں اس سے بڑا الزام دیتا ہوں کہ تم نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے بارے میں شبہات پیدا کئے ہیں۔ جبکہ رسول اکرم نے فرمایا ہے

کہ ”اگر ساری امت کا ایمان ابو بکر کے ایمان کے ساتھ تو لاتا جائے تو ابو بکر کا بل بھلا رہے گا“ اور حضرت عمر کے بارے میں فرمایا ہے کہ ”میرے سامنے ساری امت کو پیش کیا گیا تو اس کا پیرا ہن سینے تک کبھی نہیں پہنچا تھا اور عمر کو پیش کیا گیا تو ان کا پیرا ہن زمین پر خط دیتا جا رہا تھا“ اور جب لوگوں نے اس کلام کی تاویل دریافت کی تو فرمایا کہ یہ دین کی تعبیر ہے۔ اور تم آج جو دھویں صدی ہجری میں عدالت صحابہ میں شک کرتے ہو۔ اور حضرت ابو بکر و عمر کی عظمت میں شبہ کرتے ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ اہل عراق اہل شقاق اور اہل کفر و نفاق ہیں۔

عزیزان محترم۔ میں ایسے مدعی علم کے بارے میں کیا کہوں جو گناہوں کی اس قدر جرات رکھتا ہو اور جدالِ احسن کے بجائے اس طرح کی افترا پردازی سے کام لیتا ہو۔ اور لوگوں کے سامنے ایسے پردہ پگندے کو تاہو جس سے انکی آنکھیں سرخ ہو جائیں۔ گلے کی رگیں پھول جائیں اور چہرہ سے شرکے آثار نمایاں ہو جائیں۔

میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا کہ میں فوراً کھڑو اپس آیا۔ اور میں نے امام مالک کی موطا اور امام بخاری کی صحیح اٹھائی اور دے کر ان بزرگوار کے پاس پہنچ گیا اور میں نے عرض کی کہ مجھے اس شک پر خودیہ نمبر اسلام نے آمادہ کیا ہے اور یہ کہہ کر میں نے موطا کھولی اور اس مالک کی یہ روایت نکالی کہ رسول اکرم نے شہداء اور احد کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ یہ وہ افراد ہیں جنکے بارے میں میں گواہی دے رہا ہوں۔ تو ابو بکر نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں کہ جس طرح یہ ایمان لے آئے ہیں اسی طرح ہم بھی ایمان لے آئے ہیں۔ اور صحرا ط ۱۶ (انہوں نے حاد کسے ہم نے بھی جہاد کیا ہے تو آئیے نے

فرمایا کہ یہ صحیح ہے لیکن یہ کیا معلوم کہ تم میرے بعد کیا کرنے والے ہو۔“ یہ سنکر ابو بکر روئے اور بہت روئے اور کہا کہ ”ہم آپ کے بعد رہنے والے ہیں“ (موطا ص ۳۱، مغازی و اقدی ص ۳۱)

اس کے بعد میں نے صحیح بخاری کھولی اور یہ روایت نکالی کہ حضرت عمر حفصہ کے پاس آئے جب کہ ان کے پاس اسماء بنت عمیس بھی تھیں اور ان کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حفصہ سے کہا اسماء بنت عمیس ہیں! تو عمر نے کہا کہ یہی حبشہ ہے اور یہی بھریہ ہے! جس پر اسماء نے کہا کہ جی ہاں میں ہی ہوں! عمر نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے لہذا رسول اللہ کے بارے میں ہمارا حق زیادہ ہے! اسماء کو یہ سنکر غصہ آ گیا اور انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں! تم رسول اللہ کے ساتھ تھے تو وہ تمہارے بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے اور تمہارے جاہلوں کو موعظ فرماتے تھے۔ اور ہم ایک دور دراز سرزمین پر تھے لیکن خدا و رسول کے حق میں تھے جب بھی کھانا کھاتے تھے یا پانی پیتے تھے تو پہلے خدا کے رسول کو یاد کرتے تھے۔ میں عنقریب تمہاری اس بات کو حضور سے نقل کروں گی اور خدا کی قسم کسی قسم کے بھوٹ یا غلط بیانی سے کام نہ لوں گی۔

اس کے بعد جب رسول اکرم تشریف لائے تو اسماء نے کہا کہ عمر نے اس طرح کی باتیں کی ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ تم نے کیا جواب دیا ہے؟

اسما نے اپنا جواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ عمر کا تم لوگوں سے زیادہ حق نہیں ہے۔ انہوں نے ایک ہجرت کی ہے اور تم اہل سفینہ نے دو ہجرتیں کی ہیں۔

اسما کا بیان ہے کہ اس کے بعد ابو موسیٰ اور اصحاب سفینہ میرے پاس حاضر ہوئے اور اسے کہہ سے اس حدیث کی تفصیل دریافت کرنا کہ ان کے حق حضور کی اس حد

179  
 سے بڑی اور عظیم کوئی شے مسرت کے لئے نہیں تھی۔ (بخاری ۳۰ باب غزوہ خیبر)  
 ہمارے عالم دین اور ان کے حاضرین نے ان روایات کو پڑھا تو ایک دوسرے  
 کا منہ دیکھنے لگے۔ اور سب اس بات کے منتظر تھے کہ ہمارے شیخ صاحب کوئی جواب دینگے  
 لیکن انہوں نے صرف ایک ہنگامہ حیرت اٹھائی اور فرمایا کہ ”رب زدنی علماً“

میں نے عرض کی کہ اگر ابو بکر کے بارے میں رسول اکرم کو شک تھا اور انہوں  
 نے ان کے ایمان کی گواہی نہیں دی ہے کہ خدا جانے ان کے بعد کیا کرنے والے ہیں۔  
 اور اگر رسول اکرم نے عمر بن خطاب کو اسما بنت عمیس سے افضل نہیں  
 قرار دیا ہے بلکہ ان کی فضیلت کا اعلان فرمایا ہے تو مجھے بھی حق ہے کہ میں شک کر دوں اور  
 کسی کو اس وقت تک افضل نہ قرار دوں جب تک کہ مکمل تحقیق نہ ہو جائے۔ اور  
 مجھے معلوم ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ان تمام حدیثوں سے ٹکرا رہی ہیں جن میں ابو بکر  
 و عمر کے فضائل کا اعلان کیا گیا ہے اور ان سب روایتوں کو باطل قرار دے رہی  
 ہیں اس لئے کہ یہ دونوں حدیثیں حقیقت سے زیادہ قریب تر اور احادیث فضائل  
 و مناقب سے عقل و منطق سے قریب ہیں۔ میری اس بات پر تمام حاضرین بول اٹھے کہ یہ آپ  
 نے کس طرح کہہ دیا ہے؟

میں نے کہا کہ رسول اکرم نے ابو بکر کے بارے میں کوئی گواہی نہیں دی ہے۔  
 اور یہ فرمایا ہے کہ خدا جانے یہ میرے بعد کیا بدعتیں ایجا کرنے والے ہیں۔ تو یہ  
 ایک انتہائی معقول بات ہے جس کی قرآن کریم اور تاریخ نے بھی تائید کی ہے  
 اور جسکی بنا پر وہ رد بھی رہے تھے۔ اور انہوں نے دین میں تبدیلی بھی کی ہے  
 اور جناب فاطمہ زہرا کو غضبناک بھی کیا ہے اور اپنی تبدیلیوں پر اس قدر شرمندہ  
 بھی تھے کہ ان کی آرزو تھی کہ اے کاش میں انسان کے بجائے چڑیا ہوتا۔

وہ گئی رسول اکرم کی طرف منسوب یہ روایت کہ ”ابو بکر کا ایمان ساری

امت کے ایمان سے زیادہ وزنی ہے“ تو یہ انتہائی ہلکے اور غیر معقول بات ہے  
 اور یہ نامکن بات ہے کہ جس شخص نے چالیس سال بت پرستی میں گزارے ہوں اس کا  
 ایمان ساری امت کے ایمان سے زیادہ وزنی ہو جائے۔ جب کہ امت میں ایسا  
 صالحین اور شہداء و صدیقین بھی ہیں۔ اور وہ اگر ظاہرین بھی ہیں جنہوں نے  
 تمام زندگی جہاد راہ خدا میں گزاری ہے۔ پھر اگر یہ روایت ایمان صحیح تھی تو  
 خود ابو بکر نے اسے کیوں نظر انداز کر دیا جب کہ وہ یہ آرزو کر رہے تھے کہ اے کاش میں  
 انسان نہ ہوتا۔ اور اگر ان کا ایمان ساری امت سے بالاتر تھا تو جناب فاطمہ  
 ان سے کس طرح ناراض ہوئیں کہ ہر نماز میں مسلسل ان کے حق میں بدعا کرتی رہیں۔

ہمارے عالم دین نے میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن بعض حاضرین  
 نے یہ ضرور کہا کہ اس حدیث نے تو ہمارے دلوں میں بھی شک پیدا کر دیا ہے جسے سنکر  
 عالم دین نے مجھ سے فرمایا کہ تم یہی چاہتے تھے۔ اور بالآخر ان کے دلوں میں شک  
 پیدا کر ہی دیا۔ جس پر ایک شخص بول پڑا کہ یہ بالکل صحیح کہتے ہیں اور یہ ہماری بدعتی  
 ہے کہ ہم نے آج تک کوئی مکمل کتاب نہیں پڑھی ہے۔ اور ہمیشہ آپ حضرات کی اندھا  
 تقلید میں پڑے رہے ہیں۔ آج یہ معلوم ہوا کہ اس حاجی نے بالکل صحیح بات کہی ہے  
 ————— لہذا ہمارا فرض ہے کہ ہم خود پڑھیں اور تحقیق کریں جس پر بعض حاضرین  
 اتفاق رائے کا اظہار کیا۔ اور حق و حقیقت کی پہلی فتح کا اعلان ہو گیا۔ یہ فتح  
 کسی تہر و غلبہ کا نتیجہ نہیں تھی۔ بلکہ عقل و منطق اور حجت و برہان کا نتیجہ تھی اور اسی  
 قرآن مجید نے بار بار کہا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل اور برہان لے آؤ۔ اور اسی  
 بات نے مجھے بحث و تمحیص پر آمادہ کیا تھا۔ اور اس کے دروازہ کو پاٹوں پاٹ کھول  
 دیا تھا۔ میں نے نام خدا لیکر اس میدان میں قدم رکھا اور ملت رسول کا اتباع کیا  
 اور خدائے پاک سے توفیق و ہدایت کا امیدوار رہا کہ اس نے ہر تحقیق کرنے والے سے

ہدایت کا وعدہ کیا ہے اور وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں رہا ہے۔

میری تلاش پوری وقت نظر کے ساتھ تین سال تک جاری رہی اور میں ہر مطالعہ کو بار بار دہراتا رہا اور ایک کتاب کو کمزور دل سے آخر تک پڑھتا رہا۔ میں نے امام شرف الدین الموسوی کی کتاب ”مراجعات“ پڑھی اور بار بار اس کا مطالعہ کیا۔ جس نے میرے سامنے نئے نئے دروازے کھول دیئے اور یہی بات میری ہدایت اور شرح صدر کا سبب بنی کہ میرا دل محبت الہییت اظہار کے لئے کشادہ ہو گیا۔

میں نے شیخ امینی کی کتاب ”الغدیر“ کا مطالعہ کیا اور تین مرتبہ مطالعہ کیا کہ اس کتاب میں بڑے واضح اور پر مغز حقائق پائے جاتے ہیں پھر میں نے السید محمد باقر الصدر کی کتاب ”فدک“ اور شیخ محمد رضا المظفر کی کتاب ”السقیفہ“ کا مطالعہ کیا جس نے بہت سے پر اسرار معاملات کو واضح کیا۔ پھر میں نے کتاب ”النفس والاجتہاد“ کا مطالعہ کیا جس نے میرے یقین میں اور اضافہ کر دیا۔

پھر السید شرف الدین کی کتاب ”ابوہریرہ“ اور شیخ محمود ابوہریرہ مصری کی ”شیخ المفیضہ“ پڑھی جس سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اکرم ص کے بعد دین بدلنے والے صحابہ کی دو قسمیں تھیں۔ بعض نے قبر و غلبہ اور حکومت کے زور پر تبدیلی پیدا کی تھی اور بعض نے بھوٹی حدیثوں کو وضع کر کے یہ کارباز انجام دیا تھا۔ اس کے بعد میں نے جناب اسد حیدر کی کتاب ”الامام الصادق والذوالعقبین“

الاولیٰ کا مطالعہ کیا اور مجھے اس امر کا اندازہ ہوا کہ وہی علم میں اور دنیا کے اکتسابی علم میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اور وہ حکمت الہی کیا ہوتی ہے جو خدا اپنے مخصوص بندوں کو عنایت کرتا ہے، اور وہ علم واجتہاد بالبرای کیا ہوتا ہے جو امت کو روح اسلام سے دور نہ کرتا ہے۔

اس کے بعد میں حمید جعفر مرتضیٰ العالی اور سید مرتضیٰ عسکری، السید الخولی

السید الطباطبائی، الشیخ محمد امین زین الدین، یفروز آبادی، ابن ابی الحدید اور طہ حسین کی الفتنة الکبریٰ وغیرہ جیسی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور کتب تاریخ میں تاریخ طبری، تاریخ ابن اثیر، تاریخ مسعودی، تاریخ یعقوبی وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس قدر مطالعہ کیا کہ مجھے یقین ہو گیا کہ مذہب شیعہ بالکل

برحق ہے اور میں نے اس مذہب کو اختیار کر لیا اور خدا کے کریم کے فضل سے سفینہ نجات آل محمد پر سوار ہو گیا۔ اب میرا تمک ایسا ن ہدایت الہی اور مودت آل محمد سے ہے اور میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ الہییت ان اصحاب سے یقیناً افضل ہیں جن میں سے بعض اٹے پاؤں پرانے مذہب کی طرف پلٹ گئے تھے۔ اور چند ایک کے علاوہ کوئی نجات پانے والا نہیں ہے۔ ہمارے لئے وسیلہ نجات صرف ائمہ الہییت ہیں جن سے خدا نے ہر رحمن کو دور رکھا ہے اور انہیں کمال جہارت کے درجہ پر فائز کیا ہے۔ ان کی محبت کو تمام انسانوں پر واجب کیا ہے اور اسی کو اجہد رسالت قرار دیا ہے۔

اب شیعہ ہماری نگاہ میں وہ نہیں ہیں جو ہمارے بزرگوں نے بتائے تھے کہ یہ چند ایرانی مجوس تھے جن کی شان دشوکت کو جنگ قادسیہ میں حضرت عمر نے ختم کر دیا تھا۔ اور اسی لئے یہ لوگ حضرت عمر سے نفرت کرتے ہیں۔ اب شیعہ نہ ایرانیوں کا حصہ ہے نہ عراقیوں کا۔ شیعہ ایران، عراق، حجاز سعودیہ، لبنان جیسے تمام عرب ملکوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور پاکستان ہندوستان، افریقہ، امریکہ جیسے دوسرے ممالک میں بھی۔ یہ نہ عرب سے تعلق رکھتے ہیں نہ عجم سے۔

اور اگر شیعہ صرف ایران ہی میں ہوتے تو ان کی دلیل اور کبھی مستحکم ہوتی کہ یہ لوگ ائمہ اثنا عشر کی امامت کے قائل ہیں اور وہ سب کے سب قریش، نبی اکرم اور ذریت رسول عربی سے تھے۔ تو اگر انہیں تصعب کی ہوتی اور عجم عرب کو

ہر داشت نہ کرتے تو یہ لوگ بارہ امام کے بھی قائل نہ ہوتے جیسے بعض لوگوں کا خیال تھا اور مسلمان فارسی کو اپنا امام بنا لیتے اس لئے کہ وہ جلیل القدر صحابی بھی تھے اور عجم بھی تھے۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس اہلسنت نے بھی عجموں کو اپنا امام قرار دیا ہے اور ان کے بیشتر امام عجم ہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام نسائی، ترمذی، بخاری، مسلم، ابن ماجہ، رازی، غزالی، ابن سینا، بخاری جیسے تمام ائمہ فن سب عجم ہیں۔ اور عرب انہیں اپنا امام تسلیم کرتے ہیں۔ تو اگر ایرانیوں کی نفرت حضرت عمر سے ان کے عرب ہونے اور عجم کی شان و شوکت کے پامال کر دینے کی بنا پر ہوتی تو شیعوں میں غیر عجم اور عربوں میں کوئی نہ ہوتا۔ حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہے اور شیعہ ہر قوم میں پائے جاتے ہیں۔ اور ان لوگوں نے عمر بن الخطاب کو ان کے ان افعال اور کردار کی بنا پر مسترد کیا ہے کہ انہوں نے امیر المؤمنین سید الوصیین حضرت علیؓ کو خلافت سے محروم کیا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں ميثمار فتنے اور مصائب پیدا کر دیئے ہیں۔ جس سے امت اسلامیہ پارہ پارہ ہو گئی ہے اور یہی وہ حقائق ہیں جن کا انکشاف ہو جانا ہی عداوت اور نفرت کے لئے کافی ہے۔ پہلے سے کسی عداوت اور نفرت کی ضرورت نہیں ہے۔

اور حقیقت امر یہ ہے کہ شیعہ عرب ہوں یا عجم۔ ان کا ایمان نصوص قرآنیہ اور ارشادات نبویہ پر ہے۔ اور انہوں نے امام الہدیٰ اور ان کی اولادِ طاہرین کا اتباع کیا ہے۔ ان کے علاوہ کسی کو پسند نہیں کیا ہے اور نبی امیہ کی ترغیب و ترہیب کی سیاست سے بالاتر ہو کر حقائق کا فیصلہ کیا ہے جب کہ نبی امیہ اور بنی عباس نے سات صدیوں تک انہیں تلاش کر کے ان کا استیصال کیا ہے اور انہیں قتل و خون، آوارہ وطنی اور محرومی جیسی ہر مصیبت سے دوچار کیا ہے۔ ان کے عطا یا پر پابند کماؤ کی ہے۔ اور ان کے آثار کو محو کر دیا ہے۔

اور ان کے خلاف اتنا زبردست پروپیگنڈہ کیا ہے کہ جس سے عمومی نفرت پیدا ہو جائے۔ اور اس کا سلسلہ نسلوں میں باقی رہے اور شیعہ ان تمام مصائب کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے۔ انہوں نے صبر و استقامت سے کام لیا اور حق سے وابستہ رہے۔ نہ کسی طاقت کرنے والے کی طاقت کا خیال کیا اور نہ کسی ترغیب و ترہیب کے دباؤ میں آئے اور اسی صبر و استقامت اور ثبات قدم کی قیمت آج تک ادا کر رہے ہیں۔ اور میں اپنے تمام علماء کو چیلنج کرتا ہوں کہ ان کے کسی عالم کے ساتھ بیٹھ جائیں اور تھوڑی دیر گفتگو کریں اس کے بعد انشاء اللہ ہدایت لے کر ہی اٹھیں گے۔ اور ان کے طفیل میں راہ حق پر آجائیں گے۔

المحمد للہ کہ میں نے اپنے مذہب اور اپنے صحابہ کا بدلہ پایا ہے اور نیر اہل بدلہ پایا ہے۔ یہ خدا کا کرم ہے کہ اس نے ہدایت دیدی ہے ورنہ اس کی ہدایت شامل حال نہ ہوتی۔ تو میں راہ حق پر نہیں آسکتا تھا۔

اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے فرقہ و ناجیہ کا پتہ بتا دیا ہے جسے میں بڑے شوق سے تلاش کر رہا تھا اور اب میرے دل میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہے کہ جس نے علیؓ اور ان کے اہلبیت سے تمسک اختیار کیا وہ ایمان ہدایت الہی سے متمسک ہو گیا۔ اور اس پر بے شمار نصوص نبویہ دلالت کرتی ہیں جن پر علماء اسلام کا اجماع ہے۔ اور عقل خود کبھی بہترین دلیل اور رہنما ہے ہر اس شخص کے لئے جو بغور و حریف حق سمنے اور حاضر دماغ رہے۔

میری نظر میں علیؓ باجماع امت تمام صحابہ سے زیادہ صاحب علم و فضل اور شجاع و بہادر تھے۔ اور یہ بات بھی ان کی حقیقت خلافت کے لئے کافی ہے۔ دوسرے دلائل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ارشاد رب العزت ہے ”ان کے نبی نے کہا کہ خدا نے طاقت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے تو ان لوگوں نے کہا کہ وہ کس طرح





سب نسل رسول اکرم سے ہیں۔ لیکن بنی امیہ اور بنی عباس کے مظالم کی وجہ سے حقیقت سے دور نکل گئے ہیں اور ان کے پاس عوامی اعزاز و احترام کے علاوہ سیادت و شرافت کا کوئی منظر نہیں رہ گیا ہے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے ہدایت دیدی ہے اور میری آنکھوں کو کھول دیا ہے۔ حقیقت مجھ پر واضح ہو گئی ہے اور راہ حق میرے لئے مکمل طور پر روشن اور تابناک ہو گئی ہے۔

## میکے تشیع کے اسباب

جن مختلف اسباب نے مجھے مذہب شیعہ کے اختیار کرنے کی دعوت دی اور مجھے اس منزل حقیقت تک پہنچایا ان کی داستان بہت طویل ہے اور ان کا احصار اس مختصر وقت میں ممکن نہیں ہے صرف چند بنیادی اسباب کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے۔

**۱۔ رض خلافت :-** میں نے اس بحث کے آغاز ہی میں یہ طے کر لیا تھا کہ میں انہیں بیانات پر اعتماد کروں گا جو فریقین کے درمیان متفق علیہ اور قابل اعتماد ہوں گے اور کسی ایک فرقہ کے منفرد بیان کو ہرگز قابل اعتناء نہیں قرار دوں گا۔ اور اس بنیاد پر میں نے ابو بکر اور علی بن ابیطالب کے فضائل پر غور کرنا شروع کیا اور یہ طے کرنا شروع کیا کہ خلافت کے بارے میں حضرت علی پر کوئی نفس تھی یا یہ کام انتخاب اور شوریٰ کے ذریعہ انجام پانا چاہئے تھا؟

میکے خیال میں انسان جملہ عوارض اور تعصبات سے الگ ہو کر صرف حقیقت پر نگاہ رکھے تو دیکھے گا کہ حضرت علیؑ بن ابی طالب کے بارے میں واضح طور پر نفس موجود ہے جیسے حضور اکرم کا یہ ارشاد کہ ”من کذبت مولانا فہذا علی مولانا“۔ جسے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا اور جسکی مبارکباد تمام صحابہ نے پیش کی تھی جن میں ابو بکر اور عسمر بھی شامل تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ ”ابو طالب کے فرزند مبارک ہو آج سے آپ تمام مومنین و مومنات کے ولی ہو گئے“۔ (مسند احمد ۴، ۲۸۱، سر العالمین غزالی ص ۱۱۱، تذکرہ خواص الابرار

۲۹، الریاض النضر للبطری ۲، ۱۶۹، کنز العمال ۳۹۴۶، البدایہ والنہایہ ۵، ۲۱۲ تاریخ ابن عساکر ۲، ۵۰، تفسیر رازی ۳، ۶۳، المحادی للفتاویٰ سیوطی ۱۱۲)

اس نص پر اہلسنت اور شیعہ دونوں کا اتفاق ہے۔ یہ اور بات ہے کہ میں نے صرف اہلسنت کے مصادر کا ذکر کیا ہے اور باقی مصادر کا تذکرہ نہیں کیا ہے جو مذکورہ ماخذ مصادر سے کہیں زیادہ ہیں اور جن کی تفصیلات کے لئے علامہ امینی کی کتاب الغدیر کا مطالعہ کرنا ہو گا۔ جسکی تیرہ جلدیں چھپ چکی ہیں اور جس میں مصنف نے اہلسنت والجماعت کے طرق سے روایت کے تمام راویوں کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ وہ گیا وہ اجماع جس کا ادعا ابو بکر کی خلافت کے بارے میں کیا گیا ہے۔

اور جسکی بنیاد پر مسجد رسولؐ میں ان کی بیعت کی گئی تھی۔ تو وہ ایک دعویٰ بلا دلیل ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت علیؑ، عباس اور تمام بنی ہاشم کے الگ رہنے کے باوجود اجماع کا ادعا کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ پھر عام اصحاب میں سے بھی اسامہ بن زید، زبیر، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود، عمار بن یاسر، حذیفہ بن یمان، خزیمہ بن ثابت، ابو بردہ السلمی، براء بن عازب، ابی بن کعب، اسہل بن حنیف، سعد بن عبادہ، قیس بن سعد، ابو ابوب

انصاری، جابر بن عبد اللہ، خالد بن سعید وغیرہ نے بھی شرکت نہیں کی اور ان شرکت نہ کرنے والوں کی تعداد بہت بڑی ہے۔ (طبری، ابن اثیر، تاریخ الخلفاء، تاریخ الخلیفہ، استیعاب وغیرہ)

بندگان خدا! آپ بتائیں اس اجماع کی کیا حقیقت ہے جس میں اس قدر جلیل القدر اصحاب شریک نہ ہوں۔ چہ جائیکہ اگر تنہا علی بن ابیطالب شریک نہ رہتے۔ تو بھی اجماع بے قیمت تھا کہ وہ تنہا خلافت کے امیدوار تھے اور اگر ان کے بارے میں نص رسول نہ ہوتی تو ان کا ذکر بہر حال آنا چاہئے تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ابوبکر کی بیعت کسی مشورہ کے بغیر بلکہ مسلمانوں کی غفلت کے عالم میں ہو گئی۔ جب کہ ارباب حل و عقد رسول اکرم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے۔ اور مدینہ کو اچانک وفات رسول کے حادثہ سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اور پھر قہر و جبر کے ساتھ ان کے سر پر یہ بیعت مسلط کر دی گئی تھی۔ (تاریخ الخلفاء ابن قتیبہ ۱۷۱) جس کا اندازہ بیت فاطمہ میں آگ لگا دینے کی دھمکی سے ہوتا ہے کہ اگر اس گھر میں رہنے والے بیعت ابوبکر کیلئے گھر سے باہر نہ آئے تو گھر میں آگ لگا دی جائے گی۔

ایسی حالت میں یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ ابوبکر کی بیعت کسی رائے یا مشورہ یا اجماع کا نتیجہ تھی جبکہ خود عمر بن الخطاب کا بھی بیان ہے کہ ابوبکر کی بیعت ایک ناگہانی حادثہ تھی جس کے شر سے خدا نے مسلمانوں کو بچا لیا اور اب اگر کوئی ایسا اقدام کرے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ یا دوسرے الفاظ میں کوئی ایسی بیعت کی دعوت دے گا تو اسکی بیعت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ (بخاری ۴/۱۲۷)

امام علیؑ نے اس بیعت کے بارے میں اس طرح ارشاد فرمایا تھا کہ ”خدا کی قسم ابن ابی قحاضہ نے قیص خلافت کو کھینچ مان کر پہن لیا جب کہ اسے معلوم تھا کہ میری جگہ اس خلافت میں وہ مرکزی جگہ ہے جو علیؑ کی درمیانی کیل کی جگہ ہوتی ہے

کہ علم کا سیلاب میری ذات سے جاری ہوتا ہے اور فکر کا طائر میری بندریوں تک پرواز نہیں کر سکتا ہے۔

اور سعد بن عبادہ کلبیان تھا کہ جنہوں نے ابو بکر اور عمر سے مستقیماً شدید اختلاف کیا اور پوری امکانی کوشش کی کہ خلافت ان لوگوں کے حصہ میں نہ جانے پاسے لیکن مرض کی بنیاد پر باقاعدہ طور پر مقابلہ نہ کر سکے اور جب انصار نے ابوبکر کی بیعت کر لی تو فرمایا کہ خدا کی قسم میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا جب تک کہ میرے ترکش کے تمام تیر ختم نہ ہو جائیں اور میرا نیزہ خون سے رنگین نہ ہو جائے اور میری تلوار تمہارے مقابلے میں نہ اٹھ جائے میں اپنے عشیرہ اور قبیلہ کے سہارے تم سے جنگ کروں گا اور خدا کی قسم اگر تمہارے ساتھ انسان اور جنات سب مل جائیں تو بھی میں بیعت نہیں کروں گا یہاں تک کہ اپنے رب کی بارگاہ میں پہنچ جاؤں۔ اور اسی نظریہ کی بنا پر سعدان کے ساتھ نماز اور دیگر اجتماعات میں شریک نہیں ہوتے تھے اور اگر انہیں اعوان و انصار مل جاتے تو یقیناً مقابلہ کرتے اور اگر ایک شخص بھی ان کے ہاتھ پر جنگ کرنے کے لئے بیعت کر لیتا تو جہاد کرتے۔ لیکن مجبوراً خود بیعت سے الگ ہو گئے۔ اور شام میں عمر کے دور خلافت میں انتقال کیا۔ (تاریخ الخلفاء ۱۷۱)

اب جب کہ یہ بیعت ایک ناگہانی حادثہ تھی اور خدا نے مسلمانوں کو اس کے شر سے بچا لیا ہے جیسا کہ خود حضرت عمر نے فرمایا تھا جنہوں نے بیعت کے ارکان کو مضبوط بنایا تھا۔ اور خود آپ حضرات نے بھی اس کا انجام دیکھ لیا ہے۔ اور حضرت علیؑ کے الفاظ میں یہ قیص خلافت کی کھینچا تانی تھی۔

اور سعد بن عبادہ کی زبان میں یہ ایک صریحی ظلم تھا۔ اور اکابر صحابہ کے انکار اور علیؑ کی بنا پر قطعاً غیر شرعی تھی۔

صرف امام مالک کا مذہب جانتے ہیں اور وہیں رک جا۔ یعنی میں تمام اسلامی مذاہب سے باخبر ہوں اور میں نے ان ہی مذاہب میں سے اس مسئلہ کا حل تلاش کیا ہے۔  
 رئیس نے کہا کہ یہ حل کہاں ملا ہے؟ میں نے عرض کی کہ کیا میں کوئی سوال کر سکتا ہوں؟ رئیس نے کہا کیجئے۔ میں نے عرض کی کہ آپ کا خیال دوسرے اسلامی مذاہب کے بارے میں کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا سب صحیح ہیں اور سب رسول اکرم سے مانجو ہیں اور ان کا اختلاف خود ایک رحمت ہے۔

میں نے عرض کی کہ پھر آپ اس غریب شوہر کے حال پر رحم کریں جو دو بہنیں سے اپنی زوجہ اور اپنی اولاد سے الگ ہے جب کہ اسلامی مذاہب میں اس مسئلے کا حل موجود ہے!

قاضی نے غصہ میں آکر کہا کہ ذرا اپنی دلیل تو بیان کیجئے۔ میں نے آپ کو اپنے دفاع کا اختیار دیا ہے تو آپ دوسرے کے دیکل بن گئے ہیں۔

میں نے اپنے بیگ سے السید الخوئی کی کتاب "منہاج الصالحین" نکالی اور اسے پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ مذہب اہلبیت ہے اور اس میں دلیل موجود ہے۔ رئیس نے بات کاٹتے ہوئے کہا کہ مذہب اہلبیت کی بات نہ کرو ہم اسے نہیں پہچانتے ہیں اور نہ اس پر ہمارا ایمان ہے۔

مجھے اس جواب کا انتظار پہلے سے تھا اس لئے میں اپنے ساتھ سنت والجماعت کے مصادر بھی تلاش کر کے لے گیا تھا اور ترتیب میں سب سے اوپر صحیح بخاری رکھی اور اس کے بعد صحیح مسلم پھر کتاب فتاویٰ محمود شلتوت، کتاب بدایۃ المجتہد و نہایت المقصد ابن رشد، کتاب زاد المیر فی علم التفسیر ابن جوزی اور دوسرے مصادر رکھ کر لے گیا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی رئیس محکمہ نے السید الخوئی کی کتاب "منہاج الصالحین" کو دیکھنے سے انکار کیا میں نے سوال کیا کہ آپ کا اعتبار کن کتابوں پر ہے انہوں نے

فرمایا کہ بخاری اور صحیح بخاری نکال کر اس کا صفحہ کھول کر رکھ دیا کہ اسے ملاحظہ فرمائیے!

رئیس نے کہا کہ آپ ہی پڑھئے۔ میں نے پڑھنا شروع کیا کہ فلاں نے فلاں کے واسطے سے حضرت عائشہ ام المؤمنین سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم نے اپنی حیات میں رضاعت میں پانچ یا اس سے زیادہ ہی پر حرمت کا حکم دیا تھا اس سے کم پر نہیں۔

رئیس نے کتاب کو لیکر خود پڑھی اور اس کے بعد وکیل سرکار کو دیدیا۔ اس نے دوسرے کو دیا اور میں نے اس درمیان صحیح مسلم کو کھول لیا اور بعینہ وہی حدیث نکال کر دکھا دی۔ پھر شیخ الازہر محمود شلتوت کی کتاب الفتاویٰ نکالی جس میں رضا کے بارے میں ائمہ کے اختلافات کا ذکر تھا۔ کہ بعض حضرات ۵ مرتبہ دودھ پلانے کے قائل ہیں اور بعض سات مرتبہ میں اور بعض پانچ یا اس سے زیادہ کو موجب حرمت قرار دیتے ہیں۔ صرف امام مالک نے نص کی مخالفت کرتے ہوئے ایک قطرہ پر بھی حرمت کا حکم دیدیا ہے اسکے بعد شیخ شلتوت کا فیصلہ ہے کہ میں درمیان قول کا قائل ہوں کہ سات مرتبہ یا اس سے زیادہ ہی موجب حرمت ہوتا ہے۔

رئیس محکمہ نے ان تحریروں کو دیکھنے کے بعد کہا کہ بس یہی مقدار کافی ہے اور اس عورت کے شوہر کی طرف رخ کر کے کہا کہ جاؤ اپنی زوجہ کے والد کو لے آؤ کہ وہ آکر گواہی دے کہ تمہاری زوجہ نے صرف دو یا تین مرتبہ دودھ پیا ہے تاکہ میں تمہاری زوجہ کو آج ہی تمہارے حوالے کر دوں۔

وہ مسکین خوشی کے مارے دوڑ پڑا اور وکیل سرکار نے تمام حاضرین سے معذرت کرتے ہوئے سب کو رخصت کر دیا۔ میدان خالی ہو گیا تو رئیس محکمہ نے معذرت کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ استاد! آپ مجھے معاف کر دیجئے گا۔ لوگوں نے مجھے بہت دھوکہ

دیا ہے اور آپ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں یہ سنا کی ہیں لیکن مجھ پر واضح ہو گیا کہ یہ سب حاسد اور بے ایمان ہیں جو آپ کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ میرے ہوش دھواں اڑ گئے کہ اتنی جلدی اتنا بڑا انقلاب کس طرح آگیا اور صمیم قلب سے آواز دی کہ خدا کا شکر ہے کہ حضور کے ہاتھوں مجھے نفع نصیب ہوئی ہے۔

رئیس نے کہا کہ مسابہ کے آپ کے پاس بہت بڑا کتب خانہ ہے کیا اس میں دیری کی کتاب حیوۃ المؤمن بھی ہے؟

میں نے کہا کہ بیشک ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا آپ مجھے عاریتاً دے سکتے ہیں، میں نے کہا کہ جس وقت چاہیں حاضر کر دوں۔!

انہوں نے کہا کہ آپ کے پاس کوئی ایسا وقت ہے کہ میرے کتب خانہ میں تشریف لے آئیں اور میں آپ سے استفادہ کروں؟

میں نے کہا کہ آپ بزرگ ہیں استفادہ میں کروں گا اور میرے پاس مفتہ میں چار دن خالی ہیں۔ جس دن فرمائیں میں حاضر ہو سکتا ہوں۔ چنانچہ ہم لوگوں

نے روزِ شنبہ پر اتفاق کیا اس دن سرکاری اجلاس نہیں ہوتا تھا اور میں نے رئیس کے مطالبہ پر سبجاری، مسلم اور فتاویٰ شلٹوت کو وہیں چھوڑ دیا تاکہ وہ اس کی عبادتوں کو نقل کر کے لوگوں کو دکھلا سکیں۔

میں نے انتہائی خوشی کے عالم میں شکر پر درگاہِ ادا کیا اور عدالت سے باہر نکل آیا کہ جب میں آیا تھا تو قید کی دھکی دی گئی تھی اور جب باہر جا رہا ہوں

تو رئیس حکم میرا دوست بن چکا ہے اور مجھ سے استفادہ کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ سب اسی طریقہ اہلبیت کا صدقہ ہے جس سے تمک کرنے والا مالوس نہیں

ہوتا ہے اور جسکی پناہ میں آنے والا ہمیشہ مطمئن اور مومن رہتا ہے۔

واقعہ کو اس عورت کے شوہر نے اپنے قریب میں بیان کیا اور پھر سارے علاقہ میں یہ خبر پھیل گئی اور عورت اپنے شوہر کے گھر واپس چلی گئی۔ اور لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تجا بنی تمام لوگوں سے زیادہ عالم ہے اور عدیہ ہے خود مفتی الجہوریہ بھی اس کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔

اس کے بعد ایک دن اس عورت کا شوہر ایک بڑی گاڑی لیکر میرے

گھر آیا اور اس نے سارے گھر کو مدعو کیا کہ میرے گھر والے آپ لوگوں کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں اور وہ لوگ اس مسرت کے موقع پر تین جانور ذبح کریں گے

لیکن میں نے اپنی مصروفیات کی بنا پر معذرت کر لی کہ پھر کسی وقت حاضر ہوں گا۔ اور رئیس حکم نے بھی اس واقعہ کو اپنے اجاب سے بیان کیا اور قصہ

سارے علاقہ میں مشہور ہو گیا اور رب کریم نے ظالموں کے کمر کو دفع کر دیا اور بعض نے مجھ سے معذرت کی اور بعض کی بصیرت کشادہ ہو گئی اور وہ راہ حق پر آگئے اور ان کا شمار نخلصین آلِ محمد میں ہو گیا۔

اور درحقیقت یہ خدا کا فضل و کرم ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے کہ وہ صاحبِ فضلِ عظیم ہے اور ہمارا آخری کلمہ یہ ہے کہ ساری حمد خدائے

رب العالمین کے لئے ہے اور صلوات و سلام حضرت محمد مصطفیٰ اور ان کی آلِ طاہرین کے لئے ہے۔ ۱

تو ابو بکر کی خلافت کی کیا سند رہ جاتی ہے اور اسے کس شرح تسلیم کیا جاسکتا ہے  
 — حقیقت امر یہ ہے کہ اس خلافت کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے اور یہ صرف  
 ایک ہٹ دھرمی ہے اور کچھ نہیں ہے — اور اس بنیاد پر شیعوں کا یہ عقیدہ  
 بالکل صحیح ہے کہ خلیفہ بلا فصل حضرت علیؓ ہیں جنکی خلافت پر نص رسول موجود ہے  
 اور اسے تمام علماء و اہلسنت نے نقل کیا ہے اور اس کی تاویل صرف عظمت صحابہ  
 کے تحفظ کی بنا پر کی گئی ہے۔ ورنہ انصاف پسند انسان جانتا ہے کہ ان نصوص  
 کے شکرانے کا کوئی جواز نہیں ہے اور تمام خصوصیات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اسکے  
 نہ ملنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ (السیقف والخلافہ بعد الفتح بعد المقصود، السیقف  
 محمد رضا المظفر)

## ۲۔ ابو بکر کے ساتھ حضرت فاطمہ کا اختلاف؛

اس موضوع کی صحت پر بھی فریقین کے علماء کا اتفاق ہے اور اسے دیکھنے  
 کے بعد کوئی انصاف پسند ابو بکر کو ظالم اور غاصب نہ بھی قرار دے تو انہیں خطا کا  
 ماننے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس حادثہ کے تمام خصوصیات پر نظر کرنے والا  
 اس امر کو بخوبی جان لیتا ہے کہ ابو بکر نے قصداً جناب فاطمہ کو اذیت دی ہے اور انکی  
 تکذیب کی ہے تاکہ وہ نصوص غرر وغیرہ سے اپنے شوہر کی خلافت پر استدلال نہ  
 کر سکیں جس کے بے شمار قرآن موجود ہیں۔

جنہیں سے ایک قرینہ مورخین کا یہ بیان ہے کہ جناب فاطمہؓ راتوں کو انصاف  
 کے دروازے پر جا کر اپنے ابن عم کے واسطے بیعت اور نصرت کا تقاضا کرتی تھیں  
 تو اہل مدینہ کا جواب صرف یہ تھا کہ بنت رسول! ہم ابو بکر کی بیعت کر چکے ہیں اور نہ  
 آپ کے ابن عم ابو بکر سے پہلے آگے ہوتے تو ہم انہیں کی بیعت کر لیتے۔ جس پر

آپ نے فرمایا کہ ابو الحسن نے جو کچھ کیا ہے انہیں وہی کرنا چاہئے تھا اور تم نے جو کچھ  
 کیا ہے اس کا حساب اللہ کی بارگاہ میں دینا ہو گا۔ (تاریخ الخلفاء، ابن قتیبہ، ۱۹)  
 شرح پنج ابلاغہ بیعت ابی بکر)

بیشک ابو بکر نے حسن نیت یا اشتہار کی بنا پر غلطی کی ہوئی تو جناب فاطمہؓ  
 انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتیں لیکن آپ نے غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے ان  
 سے کلام کرنے کو ترک کر دیا اور زندگی بھر بات نہیں کی کہ انہوں نے آپ کے دعویٰ  
 کو رد کر دیا ہے اور آپ کی گواہی کو قبول نہیں کیا ہے اور اس بنیاد پر آپ کا غضب  
 اتنا شدید ہو گیا کہ اپنے جنازہ میں بھی شرکت کی اجازت نہیں دی۔ اور اپنے شوہر کو  
 وصیت کر دی کہ میرے جنازہ کو رات کی تاریکی میں خاموشی سے دفن کر دیا جائے۔  
 (بخاری ۳۷۷۷، مسلم ۷۲۲ باب لاؤذرت ما ترکناہ صدقۃ۔)

جناب فاطمہؓ کے رات کے وقت خاموشی سے دفن کرنے کی بات الگئی ہے  
 تو یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ میں نے اپنی تحقیق کے دوران خود مدینہ منورہ کا سفر  
 کیا ہے تاکہ بعض حقائق کا اندازہ کر سکوں تو مجھ پر حسب ذیل امور کا انکشاف ہوا ہے۔  
 ۱۔ فاطمہؓ زہراؓ کی قرآن تک نامعلوم ہے کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حجرہ سینبر  
 میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حجرہ کے سامنے اپنے گھر میں ہے اور بعض کا بیان ہے کہ  
 بقیع میں اہلبیت کی قبروں کے درمیان ہے لیکن اس کی کوئی جگہ معین نہیں ہے  
 اس پہلی حقیقت سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ جناب فاطمہؓ نے اپنی وصیت  
 کے ذریعہ ہر نسل کو دعوت فکر دی ہے کہ لوگ ان اسباب کا پتہ لگائیں جنکی بنا پر  
 انہوں نے اپنے شوہر کو وصیت کی تھی کہ انہیں راتوں رات دفن کر دیا جائے۔ اور کوئی  
 شخص ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو۔ کہ اس طرح صحیح فکر مسلمان حقیقت کا  
 پتہ لگا سکتا ہے اور اس پر بہت سے راز منکشف ہو سکتے ہیں۔



ان میں سے ایک سبب ابو بکر اور علیؑ کے درمیان عقلی اور عقلی موازنہ بھی ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں بھی ۱۰۰ طریقہ کو اختیار کیا کہ متفق علیہ حقائق پر اعتماد کیا جائے اور انفرادی بیانات کو نظر انداز کر دیا جائے۔

چنانچہ میں نے فریقین کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور سوائے علی بن ابیطالب کے کسی ذات پر کوئی اتفاق نہیں پایا۔ انہیں کی امامت پر فریقین نے اتفاق کیا ہے۔ جبکہ ابو بکر کی خلافت کے قائل صرف بعض مسلمان ہیں اور خود عمر نے اس خلافت کو ایک ناگہانی حادثہ قرار دیا ہے۔

جس طرح کہ علی بن ابیطالب کے اکثر فضائل و مناقب جن کا شیعہ حضرات تذکرہ کرتے ہیں، اہلسنت کی کتابوں میں موجود ہیں اور ایسے طرق کے ساتھ ہیں جن کا انکار ممکن نہیں ہے کہ ان کے راوی صحابہ کرام ہیں۔ اور اس کثرت کے ساتھ ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ ”اصحاب رسول میں سے کسی کے لئے اتنے فضائل نقل نہیں کئے گئے ہیں جتنے فضائل حضرت علی بن ابیطالب کے لئے نقل کئے گئے ہیں۔“ (مستدرک حاکم ۳/۱۷۷، مناقب تجوارزمی ص ۱۹۴، تاریخ خلفاء، بیوطی ص ۱۳۹، صواعق محرقة ص ۷۷)

اور قاضی اسماعیل، نسائی، اور ابو علی نیشاپوری کا بیان ہے کہ حسن اسناد کے ساتھ جس قدر روایات حضرت علیؑ کے بارے میں نقل ہوئی ہیں کسی دوسرے کے بارے میں نقل نہیں ہوئی ہیں؛ (الریاض المنفرد طبری ۲/۲۸۲، صواعق محرقة ص ۱۱۷، ۷۲)

اس کے بعد اس نکتہ کو بھی نگاہ میں رکھا جاتا ہے کہ بنی امیہ نے مشرق و مغرب عالم کو مجبور کیا تھا کہ حضرت علیؑ پر لعنت کی جائے اور انہیں برا بھلا کہا جائے، ان کے فضائل نقل نہ کئے جائیں۔ اور کوئی شخص ان کے نام پر نام بھی نہ رکھے

اور اس کے بعد ان کے فضائل اس قدر ہیں کہ امام شافعی کا ارشاد ہے کہ ”مجھے اس شخص کے بارے میں انتہائی تعجب ہے کہ جس کے فضائل کو اس کے دشمنوں نے دشمنی کی بنا پر اور دوستوں نے تقیہ کی بنا پر چھپایا لیکن اس کے باوجود اس قدر ہیں کہ مشرق و مغرب عالم کو پھر کر دیا ہے“

اور اس کے مقابلہ میں ابو بکر کے فضائل کے روایات خود اہلسنت کی کتابوں میں بھی اس مقدار میں یقیناً نہیں ہیں اور جو روایات ہیں وہ یا تو ان کی صاحبزادہ حضرت عائشہ سے منقول ہیں جو کا موقف بالکل واضح ہے کہ وہ حضرت علیؑ کی عداوت میں اپنے باپ کی ہر طرح تائید کرنا چاہتی تھیں چاہے اس کام کے لئے کروا تیں ہی کیوں نہ وضع کرنا پڑیں۔ یا عبد اللہ بن عمر سے منقول ہیں جو امام علیؑ سے بالکل بیزار تھے۔ اور تمام امت کے بیعت کر لینے کے بعد بھی انہوں نے امام علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی۔ اور یہ اعلان کرتے رہے کہ افضل الناس بعد النبی ابو بکر ہیں پھر عمر پھر عثمان اور پھر اس کے بعد کوئی افضلیت نہیں ہے۔ اور تمام لوگ برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (بخاری ۲/۲۰۲)

یعنی اس بیان نے حضرت علیؑ کو عوام الناس کے برابر بنا دیا۔ اور ان کی حیثیت ایک معمولی انسان سے زیادہ کچھ نہ رہ گئی۔ ظاہر ہے کہ عبد اللہ بن عمر کے اس بیان کی کیا حیثیت ہے۔ علماء امت کے ان بیانات کے مقابلہ میں جنہیں یہ واضح کیا گیا ہے کہ حضرت علیؑ کے برابر کسی صحابی کے فضائل نقل نہیں کئے گئے ہیں۔ تو کیا عبد اللہ بن عمر نے ان اجادیشد میں سے کوئی حدیث نہیں سنی تھی؟ اور انہیں کسی بات کی اطلاع نہیں ہوئی تھی۔ یقیناً ہوئی تھی لیکن خدا برابر کرے سیاست دنیا کا کہ یہ حقائق کو بدل دیتی ہے اور عجوبہ رازگار اعمال انجام دیا کرتی ہے۔

اس کے علاوہ ابو بکر کے فضائل عمرو بن العاص، ابو ہریرہ، عروہ اور عکرمہ نے بیان کئے ہیں۔ جو بیب کے سبب حضرت علیؑ کے دشمن اور ان سے مقابلہ کرنے والے تھے چاہے وہ اسلم لے کر میدان میں آجائیں یا دشمنوں کے حق میں روایات تیار کر دیں۔ امام احمد بن حنبل نے صحیح کہا تھا کہ ”حضرت علیؑ کے دشمن بے پناہ تھے۔ اور سب نے مل کر چاہا کہ ان کے کردار میں عیب تلاش کریں۔ لیکن جب نہ پیدا کر سکے تو ان کے حریفوں کے لئے فضائل و مناقب تیار کرنے لگے۔ اس کا ایک انبار لگا دیا۔ (فتح الباری فی شرح البخاری، ص ۱۱۷، تاریخ الخلفاء سیدھی ص ۱۹۹، صواعق محرقة ص ۱۲۵)

لیکن رب العالمین کا واضح اعلان ہے کہ ”یہ لوگ اپنی مکاری کر رہے ہیں اور ہم اپنی تدبیریں کر رہے ہیں۔ اب کافرین کو کھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دو اور انہیں بہت دیدور (طارق آیت ۱۵، ۱۶، ۱۷) حقیقت امر یہ ہے کہ یہ رب العزت کا معجزہ ہے کہ ۶ سو برس کے مسلسل اموی اور عباسی مظالم کے باوجود امام علیؑ کے فضائل محفوظ رہ گئے اور کتابوں میں ان کے آثار باقی ہیں۔

ابو فراس حمدانی کے مطابق بنی عباس کے مظالم اہلبیت رسول کے حق میں بنی امیہ سے کسی طرح کم نہیں تھے۔ اور انہوں نے ان کے قتل عام اور ظلم و ستم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔

”بنی امیہ نے عظیم ترین جرائم کے باوجود ان حدود کو نہیں پایا جہاں بنی عباس کے مظالم تھے۔ بنی عباس! تم نے دین میں کس قدر غداری سے کام لیا ہے اور رسول اکرمؐ کا کتنا خون ہمایا ہے۔ تم اپنے کو ان کا پیر دیکھتے ہو اور تمہارے پیچگل ان کی پاکیزہ اولاد

کے خون سے تر ہیں۔“

ان تمام تاریکیوں کے باوجود اگر ان پنجوں سے فضائل نچ کر نکل جائیں تو اسے خدا کی حجت بالغہ کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے اور خدا خود بھی نہیں چاہتا ہے کہ اس پر کسی کی حجت تمام ہو سکے۔

دوسری طرف ابو بکر تھے جو خلیفہ اول اور ان کے قوم میں اثرات تھے اموی حکومتوں نے ان کے حق میں روایتیں گڑھنے والوں کے لئے انعامات مقرر کئے تھے۔ ان کے جعلی فضائل سے کتابوں کے صفحات سیاہ کئے گئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے کل فضائل امام علیؑ کے فضائل و مناقب کے عشر عشر بھی نہیں ہیں۔

اور جو فضائل بھی ہیں اگر ان کا تجزیہ کیا جائے اور تاریخ کے حقائق کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ان میں ایسے امور تذکرہ پایا جاتا ہے جو عقل اور شرع کسی اعتبار سے قابل قبول نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر یہ روایت کہ ”اگر ابو بکر کے ایمان کو ساری امت کے ایمان سے تو لا جائے تو ابو بکر کا پلہ بھاری رہے گا“ قطعاً ناقابل اعتبار ہے اس لئے کہ اگر رسول اکرمؐ کو ایسے عظیم ایمان کا علم ہوتا تو ہرگز اسامہ کو ان کا سردار نہ بناتے، اور ان کے بارے میں شہادت دینے سے گریز نہ فرماتے، اور یہ نہ فرماتے کہ خدا جانے تم لوگ میرے بعد کیا کرنے والے ہو۔ یہاں تک کہ ابو بکر زار و قطار رونے لگے اور حضور نے تسلی بھی نہ دی۔

(موطا امام مالک ۱۷۲، مغازی و اقدی ص ۳۱)

اور پھر سورہ برأت کو دینے کے بعد حضرت علیؑ کو بھیج کر ان سے واپس نہ لیتے اور انھیں تبلیغ برأت سے منع نہ فرماتے۔ (ترمذی ۴، ۳۲۹، مسند احمد بن حنبل ۲، ۳۱۹، مستدرک حاکم ۳، ۵۱)

اور روزِ خیبر یہ اعلان کرنے کے بعد کہ ”کل اُسے علم دوں گا جو مریدان



خدا و رسول کا محب و محبوب اور کوار غیر فرار ہو گا اور خدا نے اس کے دل کا امتحان لے لیا ہو گا۔ علم شکر حضرت علی کے حوالے نہ کر دیتے اور ابو بکر ہی کو دیدیتے۔ (صحیح مسلم باب فضائل علی بن ابیطالب)

اور اگر آپ کو اس وسیع و عظیم ایمان کا علم ہوتا تو ہرگز اس بات کی تہدید نہ فرماتے کہ اگر تم نے رسول کی آواز پر آواز کو بلند کر دیا تو تمہارا سارے اعمال برباد کر دیئے جائیں گے۔ (بخاری ۴/۱۵۴)

اور اگر حضرت علیؑ یا دیگر اصحاب کو اس بلند ترین ایمان کی خبر ہوتی تو ہرگز ان کے بیعت سے انکار نہ کرتے۔

اور اگر حضرت فاطمہ زہرا کو اس ایمان کا علم ہوتا تو ان سے ناراض نہ ہوتیں۔ اور ان سے تاحیات ترک کلام کا عہد نہ کر لیتیں اور ان کے سلام کا جواب دیدیتیں۔ اور ہر نماز کے بعد ان کے حق میں بددعا نہ کرتیں۔ (الاماتہ والایستادۃ ۱/۱۱۱، رسائل جاحظ ص ۳۰، اعلام النساء ۳/۱۲۵) اور انہیں اپنے جنازہ میں شرکت سے منع نہ کرتیں۔

اور اگر خود ابو بکر کو بھی اس ایمان کا علم ہوتا تو اس امر پر افسوس نہ کرتے کہ کاش میں نے خانہ زہرا پر حملہ نہ کیا ہوتا۔ اور کاش میں نے فجاۃ السلی کو جلانہ دیا ہوتا۔ اور کاش میں نے خلافت کو عمر یا ابو عبیدہ کے حوالہ کر دیا ہوتا۔ (طبری ۴/۵۲، الاماتہ والسیاستہ ۱/۱۱۱، تاریخ مسعودی) اس لئے کہ جس کے پاس ایسا عظیم ایمان ہوتا ہے وہ زندگی کے آخری لمحات میں اس طرح کی ندامت یا شرمندگی یا پشیمانی کا اظہار نہیں کرتا ہے۔ اور نہ یہ آرزو کرتا ہے کہ اسے کاش میں انسان نہ ہوتا جانور کا بال یا اونٹ کی مینگنی ہو جاتا۔ کیا ایسے انسان کا ایمان بھی ساری امت کے ایمان کے برابر

یا اس سے افضل ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد ہم دوسری حدیث "اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر کو بناتا" کا تجزیہ کرتے ہیں تو اس کا بھی یہی حال نظر آتا ہے کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو ابو بکر موافقات صغریٰ کے دن کہاں تھے۔ اور موافقات بکریٰ کے موقعہ مدینہ میں کہاں چلے گئے تھے کہ رسول اکرمؐ نے انہیں کو اپنا بھائی نہ قرار دیا اور صلح کو دینا و آخرت کے لئے اپنا بھائی قرار دیدیا۔

میں اس موضوع کو طویل نہیں دینا چاہتا ہوں کہ میسر لے لے یہی دو مثالیں کافی ہیں ورنہ شیعوں کے پاس تو کوئی روایت بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔ اور ان کے پاس بے شمار دلائل ہیں کہ فضائل ابو بکر کی تمام روایتیں خود ابو بکر کے دور کے بعد تیار کی گئی ہیں۔ اور ان کی زندگی میں ان فضائل کا دور تک پتہ نہیں تھا۔

فضائل کے بعد اگر نقائص اور معائب کا موازنہ کیا جائے تو وہاں بھی فریقین کی تمام کتابوں میں ملا کر بھی حضرت علیؑ کی ایک بڑی نظر نہ آئے گی جبکہ اس کے برخلاف صحاح و تواریخ دسیر میں ابو بکر کی متعدد برائیوں کا تذکرہ موجود ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فریقین کا اجماع حضرت علیؑ کی فضیلت اور امامت پر ہے ابو بکر کی فضیلت و خلافت پر نہیں۔ پھر حضرت علیؑ کا علاوہ کسی کی باقاعدہ بیعت بھی نہیں ہوئی ہے۔ وہ حضرت علیؑ ہی تھے جو مسلسل انکار کر رہے تھے اور نہ ہاجرین و انصار بیعت کرنے کے لئے بے چین تھے اور جو اس صف سے الگ تھے انہیں مجبور بھی نہیں کیا گیا جب کہ اس کے برعکس ابو بکر کی بیعت ایک ناگہانی حادثہ تھی جس کے شر سے بقول عمرؓ خدا نے امت اسلامیہ کو بچا لیا تھا اور خود عمرؓ کی خلافت بھی ابو بکر کی نامزدگی پر طے ہوئی تھی۔ عثمان کی خلافت تو صرف ایک تاریخی مذاق ہے جس میں

عمر نے چھ آدمیوں کو نامزد کیا تھا اور پھر یہ ترتیب قرار دی گئی اگر چاہے متفق ہو جائیں تو اور دو اختلاف کرنے والوں کو قتل کر دیا جائے اور اگر تین تین کے گروہ بن جائیں تو اس کو خلیفہ بنایا جائے جس کے ساتھ عبدالرحمن بن عوف ہوا اگر وقت مقررہ کے اندر فیصلہ نہ ہو سکے تو سب کو قتل کر دیا جائے۔

یہ داستان انتہائی دلچسپ اور عجیب و غریب ہے لیکن اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبدالرحمن بن عوف نے علیؑ کے سامنے یہ شرط رکھی کہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ کے ساتھ سیرت شیخین پر عمل کریں اور آپ نے انکار کر دیا تو عثمان نے قبول کر لیا اور عثمان کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ اور حضرت علیؑ اس مجمع سے باہر نکل گئے کہ آپا کو اس ترتیب کا انجام معلوم تھا جس کا تذکرہ آپ نے اپنے خطبہ شہدتی میں واضح انداز سے کیا ہے۔

حضرت علیؑ کے بعد اس خلافت پر معاویہ نے قبضہ کر لیا اور اس نے خلافت اسلامی کو قیصریت میں تبدیل کر دیا۔ جہاں بنی امیہ اور بنی عباس نسلاً بعد نسل حکومت کرتے رہے اور ہر خلیفہ اپنے پیشرو کی نص، تلوار اور اسلحہ کے زور پر خلافت حاصل کرتا رہا۔ نہ بیعت کی کوئی قیمت رہ گئی اور نہ رائے کی۔ جس کا واضح سامطلب یہ ہے کہ پوری تاریخ اسلام میں خلفاء کے عہد سے کمال تلک کے دور تک کسی ایک خلیفہ کی صحیح طور پر بیعت نہیں ہوئی ہے۔ یہ امتیاز اگر حاصل ہوا ہے تو صرف امام علیؑ کو جنہوں نے تمام فریقوں کی طرف سے اختیاری بیعت حاصل کی ہے اور کسی پر کسی طرح کا جبر نہیں کیا ہے۔

## ۴۔ حضرت علیؑ کے بارے میں احادیث :-

جن روایات و احادیث نے مجھے اس بات پر مجبور کیا ہے کہ میں امام علیؑ کی

اقتدار کو رد اور جہالت اصحاب صحاح و مسانید اہلسنت نے بھی نقل کیا ہے وہ حسب ذیل احادیث ہیں۔ علمائے شیعہ کے یہاں تو یہ ذخیرہ بہت عظیم ہے۔ لیکن میں نے شروع سے یہ طے کر لیا ہے کہ صرف متفق علیہ موارد پر اتفاق کر دوں گا اور منفردات کو نظر انداز کر دوں گا۔

۱۔ حدیث ”انا مدینۃ العلم و علیؑ بآبہا“ مستدرک حاکم ص ۲۱، تاریخ ابن کثیر، ۲۵۵، مناقب احمد بن حنبل۔

یہ حدیث تن تنہا اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ امت مسلمہ میں اتباع کے قابل امام علی بن ابیطالبؑ کی ذات گرامی ہے اس لئے کہ اسلام میں عالم ہی قابل اتباع ہوتا ہے اور جاہل قابل اتباع نہیں ہوتا ہے چنانچہ ارشاد جناب حدیث ہے ”کیا جاہل اور عالم برابر ہو سکتے ہیں“ (ذکر)۔ ”کیا جو شخص ہدایت کرتا ہے وہ زیادہ حق دار اتباع ہے یا جو خود بھی ہدایت کا محتاج ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے اور تم لوگ کس طرح کے فیصلے کرتے ہو۔“ (رولنس ۳۵)۔ اور واضح سی بات ہے کہ ہدایت کرنے والا عالم ہوتا ہے اور ہدایت کا محتاج جاہل ہوتا ہے۔

خود تاریخ اسلام نے بھی صریح لفظوں میں اقرار کیا ہے کہ علی بن ابی طالب تمام صحابہ میں سب سے زیادہ صاحب علم تھے اور تمام صحابہ اہم ترین مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ جب کہ خود انہوں نے کسی مسئلہ میں کسی ایک شخص کی طرف بھی رجوع نہیں کیا۔

امام علیؑ کے بارے میں خود ابو بکر کا یہ اعتراف تھا کہ ”خدا اسے مشکل کے لئے باقی نہ رکھے جس کے حل کرنے کے لئے ابوالحسن نہ ہوں“ اور عمر کا مشہور مقولہ تھا ”اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا“ (استیعاب ۳۹۳) مناقب خوارزمی ص ۲۵، المریاض النظرۃ ۲ (۱۹۴)۔

ابن عباس کا کھلا ہوا اعلان تھا کہ ”میرا در تمام اصحاب محمد کا علم علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ“ (الریاض النضرۃ ۲، ۱۹۴) خود امام علیؑ نے بھی اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ”جو چاہو دریافت کر لو کہ میں قیامت تک کے تمام واقعات سے باخبر کر سکتا ہوں۔ مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں دریافت کرو میں ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ رات میں نازل ہوئی ہے کہ دن میں۔ صبح میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر“ (الریاض النضرۃ ۲، ۱۸۹) تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۲، اتقان ۲، ۲۱۹، فتح الباری ۸، ۲۵۵، تہذیب التہذیب ۴، ۳۳۵

جب کہ ابو بکر سے ”ابا“ کے معنی پوچھے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ پر کون سا آسمان سایہ کرے گا اور کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی اگر میں کتاب خدا کے بارے میں کوئی ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں ہے“

اور عمر نے واضح لفظوں میں اعلان کر دیا تھا کہ ”تمام لوگ عمر سے زیادہ دنیات سے باخبر ہیں یہاں تک کہ گھروں میں رہنے والی عورتیں“۔ اور جب ان سے کتاب اللہ کے بارے میں کوئی سوال کیا جاتا تھا تو اولاً تو جھڑک دیتے تھے اور اس کے بعد سائل کی اس طرح مرمت کرتے تھے کہ ہولناں ہو جاتا تھا۔ اور فرماتے تھے کہ ایسی باتوں کے بارے میں مت پوچھو جو تمہیں معلوم ہو جائیں تو بڑی معلوم ہوں“ (سنن دارمی ۵۲۱، تفسیر ابن کثیر ۲، ۲۳۲، درمنثور ۶، ۱۱۱)

اور بقول تفسیر طبری ان سے ”کلامہ“ کے معنی پوچھے گئے تو فرمایا کہ اگر مجھے اس کے معنی معلوم ہو جائیں تو میرے لئے شام کے حکلات سے زیادہ عزیز ہوں گے۔ اور ابن ماجہ نے ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے ”تین باتیں رسول اکرمؐ نے بیان کر دی ہوتیں تو میری نگاہ میں دنیا اور ماہیہا سے بہتر ہوتیں۔ کلامہ، ربا، خلافت“

۱۶۶  
اللہ تعالیٰ۔ میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا ہوں کہ رسول اکرمؐ نے اتنے اہم مسائل کو بیان نہیں کیا۔ اور اسی طرح دنیا سے چلے گئے۔  
(ب) حدیث: ”یا علی انت بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لانی بعدی“

اس حدیث کا اندازہ ہی واضح کر رہا ہے کہ امیر المؤمنین کو بغیر اسلام سے وہ خصوصیت اور ارتباط حاصل ہے جو کسی کو حاصل نہیں ہے اور آپ اس طرح حضرت کے وصی، وزیر اور خلیفہ ہیں۔ جس طرح ہارون حضرت موسیٰ کے وصی وزیر اور خلیفہ تھے۔ جب وہ کوہ طور پر مناجات کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اور حضرت علیؑ کو وہی منزلت حاصل ہے جو حضرت ہارون کو حاصل تھی۔ صرف آپ کے لئے نبوت نہیں ہے کہ نبوت رسول اکرمؐ پر تمام ہو گئی ہے۔ اور آپ تمام صحابہ سے افضل و برتر ہیں کہ آپ سے بالاتر صاحب رسالت کے علاوہ کوئی نہیں ہے!

(ت) حدیث ”من کنت مولاً فهذا علی مولاً“

یہ حدیث تنہا بھی ان تمام خیالات کی تردید کیلئے کافی ہے جنہیں ابو بکر و عمرو عثمان کو حضرت علیؑ پر مقدم کیا گیا ہے اور آپ کی ولایت کا احترام نہیں کیا گیا ہے۔ مولیٰ کی تفسیر میں محب اور ناصر کے معنی پیدا کرنا اس مفہوم سے اخراٹ ہے جس کے لئے رسول اکرمؐ نے یہ اعلان فرمایا تھا۔ اور اس کا منشا، عزت اصحاب کے تحفظ کے علاوہ کچھ نہیں ہے در نہ ہر شخص جانتا ہے کہ رسول اکرمؐ نے غدیر کے میدان میں شہرہ ترین گرمی کے ماحول میں خطبہ ارشاد فرمایا تھا تو قوم سے یہ سوال کیا تھا کہ تم لوگ اس بات پر گواہ نہیں ہو کہ میں تمام مومنین سے ان کے نفوس کے مقابلے میں زیادہ اولی ہوں اور جب صحابہ قرار کر لیا تھا تو فرمایا تھا۔ ”جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے۔ جو خلافت کے بارے میں ایک نص صریح ہے اور جس کا انکار کسی صاحب عقل اور فاضل

۲۵۰  
کے لئے ممکن نہیں ہے اس لئے کہ اس مولائیت اور حاکمیت انکار میں رسول اکرم ﷺ کا استخفاف اور ان کی حکمت کا استہزاء ہے کہ انہوں نے اس ناقابل برداشت گرمی میں سارے اصحاب کے مجمع کو روک کر ایسا اعلان کیا ہے جسے ہر انسان جانتا تھا کہ صحابان ایمان کے دوست اور مددگار ہیں۔

درحقیقت یہ تاویل صحابہ کی عزت کے تحفظ کے لئے کی گئی ہے جب کہ عزت رسول کا تحفظ عزت صحابہ کے تحفظ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔  
پھر اگر مسئلہ محبت اور نفرت ہی کا ہے تو اس اجتماع کی کیا تاویل کی جائے گی جس میں سرکارِ دو عالم نے علی کی بیعت کا اہتمام کیا تھا اور سب سے پہلے اہبات المؤمنین نے بیعت کی تھی۔ اس کے بعد ابو بکر و عمر نے کہا تھا کہ ”ابو طالب کے فرزند مبارک ہو آپ تمام مومنین و مومنات کے مولا ہو گئے“

حقیقت یہ ہے کہ تاویل کرنے والے غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ اور اپنے ذاتی بیانات کو خدا و رسول کی طرف منسوب کر رہے ہیں، جب کہ قرآن مجید نے صاف کہہ دیا ہے کہ ”ایک فریق حق کو چھپا رہا ہے جبکہ وہ حق کی حقانیت سے خوب باخبر ہے۔“ (بقرہ ۱۴۶)

شے۔ ”علی منی وانی من علی و لا یودی عنی الا انا و علی“  
(سنن ابن ماجہ ۲۵۱، خلاصہ نسائی ص ۱۷۱، ترمذی ۵۰۵)

یہ حدیث شریف بھی واضح اعلان ہے کہ علی بن ابی طالب ہی وہ تنہا شخص ہیں جنہیں صاحب رسالت نے اپنا پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کیا تھا۔ اور یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب سورہ ہر رات کی تبلیغ کے لئے حضرت علی کو بھیجا اور ابو بکر کو معزول کر دیا۔ اور انہوں نے واپس آکر دریافت کیا کہ کیا میرے بارے میں کوئی چیز نازل ہوئی ہے تو آپ نے فرمایا کہ میرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس امر کی تبلیغ یا میں

کروں گا یا علیؑ

اور یہ ارشاد بالکل اسی ارشاد کے ہم پلہ ہے جو آپ نے دوسرے مقام پر علیؑ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”یا علیؑ تم میری امت کے تمام اختلافات میں حقیقت کے بیان کرنے والے ہو۔ تاریخ دمشق ابن عساکر ۲، ۴۸۸، کنز العمال ص ۲۵۲، ۲۵۳

اور جب رسول اکرم ﷺ کے پیغام کی تبلیغ کرنے والا علیؑ کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور وہی ہر اختلاف کی حقیقت بیان کرنے والے ہیں تو ان پر ایسے افراد کو کس طرح مقدم کر دیا جائے گا جو ابّا اور کلالہ کے معنی سے بھی بے خبر ہوں۔

یہ تو وہ مصیبت ہے جس میں ساری امت کو مبتلا کر دیا گیا ہے اور اس کے نتیجے میں امت اس فریضہ کو ادا نہ کر سکی جسے خدا نے اس کے حوالے کیا تھا۔ بیشک خدا کی حجت ان لوگوں پر ستم ہے جنہوں نے حقّائق کو مسخ کیا ہے اور واقعات کو بدل ڈالا ہے۔ ارشاد جناب احدیت ہے ”جب ان سے کہا جاتا ہے کہ حکم خدا اور رسول کی طرف آؤ تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ چاہے ان کے باپ دادا بالکل جاہل رہے ہوں اور بالکل ہدایت یافتہ نہ ہوں“ (ماکدہ ۱۰۴)

ح:۔ حدیث: ”الدار لیوم الانذار“

دعوت روزِ یومِ البیثرہ میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ ”یہ میرا بھائی میرا دھی اور میرا بھائی میرا خلیفہ ہے لہذا اس کی بات سنو اور اس کے امر کی اطاعت کرو۔“ (طبری ۲، ۳۱۹، ابن اثیر ۳، ۶۲، الیقین علیہ ص ۳۱۱، شواہد التنزیل حکمانی ۳۷۱، کنز العمال ۱۵۱، تاریخ ابن عساکر ۵۵۱، تفسیر خازن علامہ الدین الشافعی ۳۷۱)

یہ حدیث شریف ان صحیح احادیث میں سے ہے جسے ابتدا و بعثت کے حالات میں تمام مورخین نے نقل کیا ہے اور اسے پیغمبر کے معجزات میں شمار کیا ہے۔ لیکن افسوس کہ سیاست دنیائے حقائق کو تبدیل کر دیا اور واقعات کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے اور یہ کوئی ہیرت انگیز بات نہیں ہے بلکہ آج روشنی کے دور میں بھی یہ کاروبار برابر ہو رہا ہے جو کل جہالت اور تاریکی کے دور میں ہو رہا تھا۔ یہ حضرت محمد حسین ہیکل ہیں — جنہوں نے حیات محمد کے پہلے ایڈیشن میں ۱۹۲۵ء میں صحنہ پر اس حدیث کو مکمل انداز سے نقل کیا تھا۔ اور پھر دوسرے ایڈیشن میں "وصی و خلیفتی من بعدی" کے لفظ کو حذف کر دیا جس طرح کہ تفسیر طبری کے جلد ۱۹، ۱۲۱ پر "وصی و خلیفتی" کے لفظ کو انہی دو کذا کذا کر دیا گیا۔ اور یہ بھلا دیا گیا کہ طبری کی تاریخ کے ۲۱۹ پر مکمل حدیث موجود ہے اور تفسیر میں تحریف کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ افسوس کہ یہ علماء اسلام کس طرح کلمات کو ان کی جگہ سے تحریف کر رہے ہیں۔ اور حقائق کو منقلب کر رہے ہیں اور ان کا منشاء صرف یہ ہے کہ کسی طرح نور خدا کو اپنی بھونکوں سے بھجا دیں جبکہ انہیں یہ معلوم ہے کہ خدا اپنے نور کو بہر حال مکمل کرنے والا ہے۔

میں نے اپنی تحقیق کے دوران یہ چاہا کہ مجھے حیات محمد کا پہلا ایڈیشن مل جائے اور میں حقیقت حال پر مطلع ہو جاؤں اور اس کے لئے مجھے بے حد زحمت کرنا پڑی اور کافی رقم خرچ کرنا پڑی لیکن خدا کا شکر ہے کہ مجھے کتاب مل گئی اور میں اہل سوہ کی کوششوں سے باخبر ہو گیا جو وہ حقائق کو مسخ کرنے کے لئے صرف کر رہے ہیں۔

یشک کوئی بھی صاحب عقل و انصاف ان شرارتوں سے باخبر ہوگا

تو ایسے اہل علم سے دور ہو جائے گا اور اسے اندازہ ہو جائے گا کہ ان کے پاس تحریف و ترمیم کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے اور حکام وقت نے ایسے افراد کو کراہی پر محال کرنے کے لئے بے تحاشہ پسینہ بھی خرچ کیا ہے اور بڑے بڑے القاب و خطابات سے بھی نوازا ہے تاکہ یہ لوگ شیعوں کے خلاف مقالے لکھیں۔ انہیں کافر قرار دیں اور ہر باطل طریقہ سے ان صحابہ کی عظمت کا تحفظ کریں جو اٹلے پاؤں پرانے مذہب کی طرف پلٹ گئے تھے۔ اور جنہوں نے رسول اکرم کے حق کو باطل میں تبدیل کر دیا تھا۔ ایسا ہی کاروبار ان کے پہلے والے بھی کر چکے ہیں۔ ان سب کے دل ایک جیسے ہیں اور ہم نے اپنی آیات کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ (بقرہ ۱۱۸)

## احادیث صحیحہ جو اتباع اہلبیت کو لازم قرار دیتی ہیں

### ۱۔ حدیث ثقلین :-

و ایہا الناس! میں تمہارے درمیان وہ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جنہیں لے لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ کتاب خدا ہے اور میری عزت جو میرے اہلبیت ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ”قریب ہے کہ نمانندہ پروردگار مجھے طلب کرنے کے لئے آجائے اور میں اس کی آواز پر لبیک کہہ دوں لہذا میں تمہارے درمیان دو گمراہی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک کتاب خدا ہے جس میں ہدایت اور نور ہے اور ایک میرے اہلبیت ہیں۔ تمہیں خدا کو یاد دلانا ہے اور اپنے اہلبیت کے بارے میں۔ میں تمہیں خدا کو یاد دلانا ہے اور اپنے اہلبیت کے بارے میں“ (صحیح مسلم باب فضائل علیؑ ۱۲۲، صحیح ترمذی ۳۲۸، مستدرک حاکم ۳، ۱۳۸، منذر) اگر ہم حدیث کے مضمون پر غور کریں جسے اہلسنت کے صحاح نے نقل کیا ہے تو اندازہ ہو گا کہ امت اسلامیہ میں ثقلین یعنی کتاب و عزت کا اتباع کرنے والا شیعوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ اہلسنت نے تو حضرت عمر کے قول ”سبنا کتاب اللہ کا اتباع کر لیا ہے اور کاش اس کا اتباع بغیر کسی خواہشات کی تاویل و تفسیر کے کر لیا ہوتا۔ لیکن جب وہ عمر کو کلام کے معنی نہیں معلوم تھے اور وہ حکمِ تم سے نا آشنا تھے اور بہت سے دوسرے احکام سے بے خبر تھے تو ان کے بعد آنے والوں اور بلا تحقیق ان کی تقلید کرنے والوں یا نصوص صریحہ کے مقابلہ میں اجتہاد کرنے والوں کا کیا حال ہو گا۔

بظاہر یہی سب ان سوالات کے مقابلہ میں ایک ہی بات کہی جائے گی کہ رسول اکرم

کا ارشاد ہے کہ ”میں کتاب اور اپنی سنت کو چھوڑے جا رہا ہوں“

لیکن یاد رہے کہ یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اپنے مفہوم ہی صحیح ہوگی اور دونوں روایتوں کا خلاصہ یہ ہو گا کہ تم لوگ میرے اہلبیت کی طرف رجوع کرنا کہ وہی میری سنت کے بتانے والے ہوں گے۔ اور وہی صحیح احادیث کے نقل کرنے والے ہوں گے کہ ان کا دامن ہر کذب اور غلط بیانی سے پاک ہے اور رب العالمین نے آیت تطہیر کے ذریعہ ان کی عصمت و طہارت کا اعلان کیا ہے۔

اس کے بعد وہی سنت کا مفہوم سمجھانے والے اور اس کی حقیقت کے واضح کرنے والے بھی ہوں گے کہ تنہا کتاب خدا ہدایت کے لئے کافی نہیں ہے۔ ورنہ ہر گمراہ فرقہ کتاب خدا سے استدلال نہ کرتا۔ اور بہت سے قاریان قرآن پر قرآن کلمت نہ کرتا۔ کتاب اللہ ایک خاموش صحیفہ ہے جس میں متعدد معانی کا احتمال پایا جاتا ہے اور اس میں حکمت کے ساتھ مشابہات بھی ہیں اور اسکو سمجھنے کے لئے ایسے راسخون فی العلم کی ضرورت ہے جو رسول اکرمؐ کی لفظوں میں اہلبیت اطہارؑ ہوں اور قرآن حکیم کے واقعی مفاہیم سے آشنا بنا سکیں۔

حضرات شیعہ انہیں ائمہ معصومین اور اہلبیت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اجتہاد سے وہاں کام لیتے ہیں جہاں ان کی کوئی نص موجود نہ ہو اور ہم اہلسنت سب سے پہلے صحابہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور انہیں سے تفسیر قرآن اور تعبیر سنت کا سبق لیتے ہیں۔ جبکہ صحابہ کے حالات ان کے اجتہاد بالزلزلے اور اجتہاد در مقابل نص کے واقعات طشت از بام ہیں اور ان کی تعداد سیکڑوں سے تجاوز کر چکی ہے۔

ہم اگر اپنے علماء کرام سے سوال کریں کہ آپ کس سنت کا اتباع کرتے ہیں تو ہر ایک کا جواب ہو گا کہ سنت رسولؐ۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برخلاف

ہے۔ انہوں نے خود ہی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ سرکار نے فرمایا ہے کہ میری اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا اور دین میں بہت مستحکم رہنا، جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اکثر اوقات میں خلفاء راشدین کی سنت کا اتباع کرتے ہیں اور کبھی سنت رسولؐ سے اسناد کرتے ہیں۔ تو وہی خلفاء راشدین ہی کے طریق سے۔

جب کہ ہم نے اپنی کتابوں میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے سنت کی کتابت سے منع فرمایا ہے تاکہ کتاب و سنت مخلوط نہ ہونے پائیں اور ابو بکرؓ نے اسی روایت کی روشنی میں اپنے ایام خلافت میں مکمل پابندی ٹانڈ کر دی تھی جس کے بعد سنت کے چھوڑنے کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔! واضح رہے کہ یہ ”سننی“ کا لفظ صحاح ستہ میں کسی کتاب میں وارد نہیں ہوا ہے اور اس لفظ کے ساتھ روایت صرف امام مالک نے موطا میں مرسل طور پر نقل کیا ہے اور اس کے بعد ان سے طبری، ابن ہشام وغیرہ نے اخذ کر کے مرسل ہی نقل کر دیا ہے۔ اور اس کی کوئی سند نہیں درج کی ہے۔!

پھر جن واقعات کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اور جن بیشار واقعات کا ذکر میں نے نہیں کیا ہے سب اس حدیث کے باطل ہونے پر دلالت کرتے ہیں کہ سنت خلفاء راشدین اور سنت رسول کا جمع کرنا ہی ممکن نہیں ہے اور اس روایت میں دونوں سے تمسک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد پیش آنے والے واقعات میں سب سے پہلا واقعہ جناب فاطمہؓ اور ابو بکر کے اختلاف کا ہے جہاں ابو بکر نے حدیث ”نحن معاشر الانبياء لا نورث ما تركناه صدقہ“ سے استدلال کیا تھا اور جناب فاطمہؓ نے آیات قرآنی کے حوالہ سے اس روایت کی تکذیب کی تھی اور ابو بکر سے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ میرا باپ احکام قرآنی کی مخالفت نہیں کر سکتا ہے اور جب

قرآن نے تمام اذکار کی درانت کا ذکر کیا ہے (نساء ۱۱) اور جناب سلیمان کے وارث اور ہونے کی تصریح کی ہے (نحل ۱۶) اور جناب زکریا کی اس دعا کا تذکرہ کیا ہے کہ ”خدا مجھے ایک وارث عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اسے پسندیدہ قرار دیدے۔ (مریم ۵-۶) تو عمومی اور خصوصی دونوں قسم کے تذکروں کے بعد اس حدیث کی کیا قیمت رہ جاتی ہے۔

پھر اس کے بعد دوسرا حادثہ جو ابو بکر کے دور خلافت میں پیش آیا اور جسے تمام اہلسنت کے مورخین نے نقل کیا ہے۔ جہاں ابو بکر کا اختلاف ان کے قریب ترین شخص عمر بن الخطاب سے ہوا اور جس کا تعلق مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے سے تھا کہ عمر اس جنگ کے قطعی مخالف تھے اور ان کا کہنا تھا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ ”اس وقت جہاد کرو جب تک کہ لوگ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ نہ کہیں“ اور یہ لوگ تو مستقل کلمہ پڑھ رہے ہیں تو ان کے جان و مال کو کس طرح حلال کر لیا جائے گا۔

اور اس روایت کو صحیح مسلم میں جنگ خیبر کے ذیل میں نقل کیا گیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے روز خیبر حضرت علیؓ کو علم لشکر دیکر روانہ کیا تو انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کب تک جہاد کروں۔؟ فرمایا جب تک یہ لوگ توحید اور رسالت کی گواہی نہ دیدیں۔ کہ اس کے بعد اگر گواہی دینے لگیں تو ان کا خون اور مال محفوظ ہو گیا۔ اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہو گا۔ لیکن ابو بکر اس روایت سے مطمئن نہ ہوئے اور انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم ان لوگوں سے بہر حال جنگ کرینگے جنہوں نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا ہے اور نماز ادا کرنے کے باوجود زکوٰۃ نہیں ادا کی ہے۔ بلکہ اگر مختصر مال بھی رسول اکرمؐ کو دیا کرتے تھے اور مجھے نہ دیا تو میں ان سے جہاد کروں گا۔

جس کے بعد عمر بھی ان کے بیان سے مطمئن ہو گئے اور انہوں نے فرمایا کہ ابو بکر اپنے موقف پر اس طرح اڑے رہے کہ خذ نے میرے سینے کو کشادہ کر دیا۔ اور میں نے ان کی بات کو تسلیم کر لیا۔

یہ مسئلہ بہر حال قابل غور ہے کہ خدا سنت دسیرت رسول کی مخالفت کرنے والوں کا سینہ کس طرح کشادہ کر دیتا ہے۔ ۹

درحقیقت یہ تمام تاویلیں مسلمان سے جہاد کو جائز کرنے کی تدبیریں تھیں۔ ورنہ قرآن کریم نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ ”ایمان والو جو زمین کا راستہ ملے کرو تو پہلے تحقیق کر لو اور خبردار کسی امتی کی پیشکش کرنے والے کو غیر مومن نہ بنا دینا کہ تم مال دینا چاہتے ہو اور خدا کے پاس منافع بہت ہیں۔ تم خود کبھی پہلے انہیں کے جیسے تھے۔ یہ تو خدا کا احسان تھا کہ اس نے تم کو ہدایت دیدی تو اب بلا تحقیق کوئی قدم نہ اٹھانا کہ خدا تمہارے اعمال سے خوب یا خبر ہے۔“ (فسلحہ ۹۴)

علاوہ اس کے کہ ان حضرات نے ابو بکر کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ اصل وجوب زکوٰۃ کے منکر نہیں تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ صورت حال کی تحقیق کریں۔ اور بقول شیعہ ان کے لئے ابو بکر کی خلافت کی خبر ایک حادثہ ناگہانی تھی۔ وہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم کو امام علی کی ولایت کا اعلان کرتے دیکھ چکے تھے۔ تو انہوں نے چاہا کہ نئی صورت حال کا جائزہ لیں کہ یہ انقلاب کس طرح آ گیا ہے۔ لیکن ابو بکر نے انہیں تہمت نہ دی اور ان کے اوپر حملہ کر دیا۔ میں اپنی قرار داد کے مطابق کسی ایک فریق کے بیانات سے استدلال نہیں کرتا ہوں لہذا اس تاویل کو شیعوں ہی کے حوالے کر دیتا ہوں اور وہی اپنے بیان کے ذمہ دار ہیں۔ دوسرے حضرات کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس بیان کی صداقت کے بارے

میں تحقیق کریں۔ شاید حقیقت حال واضح ہو جائے۔

لیکن میں اس قصہ کو نظر انداز نہیں کر سکتا جو خود رسول اکرم کی حیات میں پیش آیا ہے۔ جب ثعلبہ نے آپ سے خواہش کی کہ دولت کے لئے دعا فرمادیں اور پھر یہ دعا اصرار کیا جس کے بعد آپ نے دعا کر دی اور خذ نے اس قدر دولت دیدی کہ بھیڑ، بکری اور اونٹوں کی مدینہ میں جگہ نہ رہ سکی اور وہ باہر چلا گیا جس کے بعد نمازوں میں حاضری کم ہو گئی اور جب آپ نے نماز جمعہ میں نہیں دیکھا تو اپنے عامل کو بھیجا کہ نماز میں نہیں آسکتے ہو تو نہ آؤ جانور دن کی زکوٰۃ دیدو۔ تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو ایک طرح کا جزیہ ہے جو کفار کے بجائے مسلمانوں سے لیا جا رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود نہ آپ نے اسے قتل کیا اور نہ اس سے جنگ کا اعلان فرمایا یہاں تک کہ پروردگار نے بھی اس انداز سے واقعہ کو بیان کیا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو خدا سے اس امر کا عہد کرتے ہیں کہ اگر اس نے اپنے فضل و کرم سے کچھ عطا کر دیا تو اس کی راہ میں صدقہ دینگے اور نیک کردار ہو جائیں گے۔ لیکن جب خدا نے اپنے فضل سے دیدیا تو بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر کنارہ کش ہو گئے۔ (توبہ ۷۵-۷۶)

ثعلبہ اس آیت کو سن کر دوتا ہوا حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے زکوٰۃ دینے کا وعدہ کیا لیکن آپ نے بحسب روایت زکوٰۃ لینے سے انکار فرمادیا۔

تو اگر ابو بکر اور عمر سیرت رسول کی پیروی کر رہے تھے تو انہوں نے اس سیرت کی مخالفت کیوں کی اور مسلمانوں کے خون کو کیوں مباح کر دیا۔ جب کہ ابو بکر کی طرف سے یہ عذر پیش کرنے والے کہ زکوٰۃ حق مال ہے اور حق مال میں کوئی رقت نہیں کی جاسکتی ہے۔ ثعلبہ کی روایت کے بعد کوئی عذر نہیں پیش کر سکتے کہ



وہ بھی مال ہی کا معاملہ تھا۔ اور اس نے زکوٰۃ ہی کو جزیہ جیسا در دینے کی جتا کی تھی۔ یہ ایضاً ہے کہ ابو بکر کی تقریر کے بعد عمر کے مطمئن ہو جانے کا راز بھی یہی تھا کہ انہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ میدان غدیر میں موجود تھے اور یہ زندہ رہ گئے اور ان کا انکار شہور ہو گیا تو رایت غدیر خود بخود مشہور ہو جائے گی اور ان کی نجات خطرہ میں بڑ جائے گی اسی لئے خاندان نبی الفوران کے سینے کو کشادہ کر دیا اور وہ جہاد کے لئے تیار ہو گئے جس طرح کہ خانہ فاطمہ میں رہ کر بیعت نہ کرنے والوں پر گھس جتانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

تیسرا حادثہ ابو بکر کی خلافت کے ابتدائی دور میں آیا تھا اور اس میں بھی عمر نے ان سے اختلاف کیا تھا اور آیات قرآنی اور ارشادات نبوی کی حسب خواہش تاویل کر لی تھی۔ یہ خالد بن ولید کا قصہ ہے جس نے مالک بن نویرہ کو بیدردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ اور اسی رات ان کی زوجہ بے ہمتی کی جس پر عمر نے خالد سے کہا کہ ”اے دشمن خدا تو نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے اور اس کی زوجہ سے بدکاری کی ہے، خدا کی قسم میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔“ (طبری ۲: ۲۵۳، تاریخ ابوالفداء ۱۵۱، تاریخ یعقوبی ۲: ۱۱۱، الاصابہ ۳: ۳۳۶)

لیکن ابو بکر نے خالد کی طرف سے دفاع کیا اور فرمایا کہ عمر! خالد کو مٹا کر دو۔ انہوں نے تاویل میں غلطی کی ہے لیکن اپنی زبان کو روکے رہو۔“ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس میں ایک صحابی کے کردار کی تصویر کشی کی گئی ہے اور پھر ہم سے مطالبہ یہ ہے کہ اس صحابی کا ذکر پورے احترام کے ساتھ کریں اور اسے سیف اللہ کے لقب سے یاد کریں۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ مجھے ایسے صحابی کے بارے میں کیا کہنا چاہئے۔ جو مالک بن نویرہ جیسے جلیل القدر صحابی، سردار نبی تیمم دینی یر بروع کو قتل

کرے جنگی مرد انہی اور کریم و شجاعت شہرہ آفاق تھی اور مورخین نے وضاحت کے ساتھ نقل کیا ہے کہ خالد نے مالک کو دھوکہ دیا ہے اور جب ان لوگوں نے اسکو رکھ دیا اور نماز جماعت میں شریک ہو گئے تو انھیں رسیوں سے باندھ دیا اور انہیں اسیروں کے درمیان لیلی بنت منہال زوجہ مالک کو دیکھا جو اپنے حسن و جمال میں شہرہ آفاق تھی اور بعض بیانات کے مطابق عرب میں اس سے زیادہ خوبصورت کوئی عورت نہ تھی۔ تو اس کے حسن پر فریفتہ ہو گیا۔ اور مالک نے صاف کہہ دیا کہ ”خالد ہمیں ابو بکر کے پاس بھیج دو وہ ہمارے بارے میں فیصلہ کر دینگے اور عبداللہ بن عمر اور ابو قتادہ انصاری نے بھی اس تجویز کی تائید کی کہ انہیں ابو بکر کے پاس بھیج دیا جائے اور وہ فیصلہ کریں لیکن خالد نے تمام مطالبات کو ٹھکرا دیا۔ اور کہا کہ خدا مجھے معاف نہ کرے اگر میں اسے قتل نہ کر دوں۔“ یہ سنکر مالک نے اپنی زوجہ کی طرف دیکھا کہ ”خالد اصل میں میرے قتل کی بنیاد پختہ ہے“ جس پر خالد نے ان کی گردن اڑادی اور لیلی کو گرفتار کر کے اسی رات اس سے ہمبستری کی۔ (ابوالفداء ۱۵۱، یعقوبی، ۲: ۱۱۱، تاریخ ابن شہر آشوب بحایہ کامل ۱۱۲، و فیات الاعیان ۶: ۱۲۶)

آخر میں ان صحابہ کے بارے میں کیا کہوں جو حرام خدا کو حلال کر لیتے ہیں اور نفوس محترم کو قتل کر دیتے ہیں۔ صرف اپنی خواہش نفس کی بنا پر عصمتوں کو مباح بنا لیتے ہیں جب کہ اسلام میں شوہر کے مرنے کے بعد عدت گزارنے سے پہلے کسی قیمت پر عقد جائز نہیں ہے۔ افسوس کہ خالد نے خواہش کو اپنا خدا بنا لیا اور اپنے کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ اور ظاہر ہے کہ جو مسلمان کو اس بیدردی اور غدار کی سے قتل کر سکتا ہے اور عبداللہ بن عمر اور ابو قتادہ انصاری کی شہادت کی بنا پر کلمہ پڑھنے والوں کو تہ تیغ کر سکتا ہے اس کا ہنگامہ میں عدو وفات کا واقعہ نہ

یہی وجہ ہے کہ ابو قتادہ واپس چلے آئے اور انہوں نے رقم چھانی کہ جس لشکر کا سردار خالد بن ولید کا اس میں ہرگز شرکت نہیں کریں گے۔ (طبری ۲۸۳، یعقوبی ۲۱۱، ابوالفداء، اصابہ ۳۳۶)

اس سلسلے میں استاذ ہیکل کا وہ اعتراف نقل کر دینا بھی کافی ہو گا کہ جو انہوں نے اپنی کتاب "ابوبکر الصدیق" میں رائے عمر و حجتہ فی الامر کے ذیل میں درج فرمایا ہے کہ حضرت عمر قطعی عدالت کا نمونہ تھے اور ان کا خیال تھا کہ خالد نے ایک مسلمان پر زیادتی کی ہے اور اس کی زوجہ سے بدکاری کی ہے لہذا اس کا شکر میں رہنا کسی قیمت پر مناسب نہیں ہے تاکہ ایسے جرائم کی تکرار نہ ہونے پائے اور امور مسلمین میں فساد نہ پیدا ہو۔ اور اسے بغیر سزا نہ چھوڑا جائے کہ اس نے لیل کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔"

اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خالد نے تاویل میں غلطی کی ہے تو یہ تو مالک کے معاملہ میں ہو گا اگرچہ حضرت عمر کو یہ بھی تسلیم نہیں ہے۔ لیکن ان کی زوجہ کے ساتھ بدکاری تو بہر حال حد کی موجب ہے اور اس کا یہ عذر ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ سیف اللہ ہے یا وہ ایک ایسا سردار ہے جسکی کتاب میں نفع و ظفر ساتھ چلا کرتی تھی۔ اس لئے کہ ایسے عذر قابل مقبول ہو گئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خالد جیسے افراد کے لئے تمام حرام حلال ہو جائیں اور یہ بات احترام کتاب اللہ کی بدترین مثال ہوگی۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر برابر ابوبکر سے سزا کے بارے میں اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اسے بلا کر ڈانٹ دیا۔ (الصدیق ابوبکر ص ۱۵۱)

اس مقام پر کیا میں استاذ ہیکل اور اپنے ان تمام علماء کرام سے جو تقدیر صحابہ کے لئے ہر ناجائز اقدام کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ سوال کر سکتا ہوں کہ

حضرت ابوبکر نے حد پر حد کیوں نہیں جاری کی۔ اور اگر عمر قطعی اور حتمی عدالت و انصاف کے نمونے تھے تو انہوں نے صرف معزولی پر کیوں اکتفا کر لی اور حد کا تقاضا کیوں نہیں کیا تاکہ یہ مسلمانوں میں احترام کتاب اللہ کی بدترین مثال نہ بننے پائے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے احتجاج میں فرمایا تھا اور کیا ان حضرات نے کتاب اللہ کا احترام کر لیا اور حدود و الہیہ کو قائم کر دیا۔ ہرگز نہیں۔ یہ صرف ایک سیاسی چال تھی جسے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا کہ سیاست عجائب روزگار حتم دیا کرتی ہے اور حقائق کو منقلب کر دیا کرتی ہے۔ سیاست نصوص قرآنی کو دیوار پر مار دیا کرتی ہے۔

کیا میں اپنے علماء کرام سے جنہوں نے اپنی کتابوں میں یہ روایت درج کی ہے کہ "جب اسامہ نے ایک چور کے بارے میں سرکارِ دہ عالم سے سفارش کی تو آپ بے حد غضبناک ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ تم حدود و الہیہ کے بارے میں سفارش کر رہے ہو۔ یاد رکھو کہ اگر اس کی جگہ یرمی بیٹی فاطمہ نے یہ عمل کیا ہوتا تو میں اسکے بھی ہاتھ قطع کر دیتا۔ تم سے پہلے والے اسی بات پر ہلاک ہوئے ہیں کہ جب کسی شریف نے چوری کی تو اسے چھوڑ دیا اور جب کسی معمولی آدمی نے یہی عمل انجام دیا تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے۔ یہ حضرات ان بیگناہ افراد کے قتل کے مسئلہ میں کیوں خاموش ہیں۔ اور اس بدکاری پر کیوں احتجاج نہیں کرتے ہیں جہاں ان عورتوں پر ظلم کیا گیا ہے جو اپنے شوہروں کے قتل پر غمزہ بیٹھی تھیں۔ اور کاش یہ حضرات خاموش ہی رہ جاتے۔ لیکن یہ تو خالد کے اعمال کو جائز قرار دینا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لئے طرح طرح کی روایات وضع کر رہے ہیں۔ اور سیف اللہ جیسے فضائل و مناقب کی تخلیق کر رہے ہیں۔

مجھے میرے ایک دوست نے اس وقت حیرت میں ڈال دیا جب میں اسکی

”مزاج پسند طبیعت“ کو دیکھ کر خالد کے خصوصیات بیان کر رہا تھا اور سیف اللہ کے لقب سے یاد کر رہا تھا۔ تو اس نے کہا کہ وہ ”سیف الشیطان المشلول“ تھا۔ اور مجھے یہ بات انتہائی ناگوار اور عجیب معلوم ہوئی تھی لیکن جب میں نے خود تحقیق کی تو اللہ نے میری بصیرت کے دروازے کو کھول کر مجھے ان لوگوں کے حالات سے باخبر بنا دیا جنہوں نے خلافت پر قبضہ کر کے احکام خدا کو تبدیل اور محدود خدا کو معطل کر دیا تھا۔

خالد بن ولید کا ایک واقعہ خود حیات پیغمبر میں بھی پیش آیا ہے جب آپ نے اسے بنی جذیمہ کی طرف دعوت اسلام کے لئے بھیجا اور جنگ کا کوئی حکم نہیں دیا لیکن جب وہ صحیح الجہد میں اسلام کا اعلان نہ کر سکے تو خالد نے انہیں قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ اور اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ تمام ایشیوں کو قتل کر دیں۔ صرف بعض نے ان کے اسلام کو دیکھ کر قتل سے انکار کر دیا اور آپس آکر رسول اکرم سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ ”خدا یا میں خالد کے عمل سے بیزار ہوں“ اور یہی فقرہ دو مرتبہ دہرایا۔ (بخاری ۴/۱۱۱، باب اذا قضی الحاکم بوجہ) اور اس کے بعد حضرت علی بن ابیطالب کو بھیج کر مقتولین کی ویرت ادا کرائی اور ان کے تمام اموال کا معاوضہ ادا کرایا۔ اور حضرت نے ردیہ قبلہ کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے فریاد کی ”خدا یا میں خالد کے اعمال سے بیزار ہوں“ اور اس فقرہ کو تین مرتبہ دہرایا۔ (سیرت ابن ہشام ۲/۵۳۳، طبقات ابن سعد، اسد الغابہ ۳/۱۲۳)

کیا میں ان حضرات سے یہ سوال کر سکتا ہوں کہ صحابہ کرام کی مفروضہ عدالت کہاں چلی گئی۔ اور اگر خالد اس سلوک کے بعد بھی سیف اللہ ہے تو کیا خدا کی تلوار یگناہ مسلمانوں پر ہی اٹھتی ہے۔ اور کیا اس کا مصرف بندگان خدا کی

ہتک حرمت اور برد و بریزی ہی ہے۔ یہ تو عجیب متضاد منطق ہے کہ ایک طرف خدا قتل نفس محترم سے منع کرتا ہے، فحشاء و منکر سے روکتا ہے اور دوسری طرف اسکی تلوار (سیف اللہ) مسلمانوں کی گردن پر چل رہی ہے اور ان کا ناحق خون بہا رہی ہے۔ ان کے اموال غصب ہو رہے ہیں۔ اور ان کے بچے یتیم اور ان کی عورتیں یتیم بنا لی جا رہی ہیں۔

”خدا یا تو پاک و بے نیاز ہے۔ اور ان خرافات سے کہیں زیادہ بلند و برتر ہے۔ تو نے زمین و آسمان کے درمیان کی مخلوقات کو باطل نہیں پیدا کیا ہے یہ تو صرف کافروں کا خیال ہے۔ اور کافروں کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔“ بھلا ابو بکر جیسے خلیفۃ المسلمین کیلئے یہ امر کس طرح جائز ہو گیا کہ ان ہلکے جرائم کے بارے میں ساکت اور خاموش رہ جائیں۔ اور عمر بن الخطاب کو زبان بند کرنے کا حکم دیں۔ اور ابو قتادہ پر اس لئے ناراض ہو جائیں کہ انہوں نے خالد کے اعمال پر اعتراض کیا تھا۔ کیا واقعتاً ان کا یہ خیال تھا کہ خالد نے تاویل میں غلطی کی ہے تو پھر اس واقعہ کے بعد کسی بھی مجرم کو سزا دینے کا کیا جواز رہ جاتا ہے اور ہر ایک کی تاویل کو کیوں نہ قبول کیا جائے گا۔

میں تو اعتقاد نہیں رکھتا ہوں کہ ابو بکر نے خالد کے معاملہ میں کسی تاویل سے کام لیا ہے جب کہ عمر نے اسے عدو اللہ کہہ کر خطاب کیا تھا اور ان کی رائے تھی کہ خالد کو قتل کر دیا جائے کہ وہ نفس مسلم کا قاتل بھی ہے اور اس کی زوجہ کا زانی بھی ہے۔ اسے بہر حال سنگسار ہونا چاہئے۔ ہرگز نہیں۔ خالد محض خلافت سے فاتحانہ شان سے برآمد ہوا کہ ابو بکر نے اس کی حمایت کر دی حالانکہ وہ اس کے حالات سے زیادہ باخبر تھے جیسا کہ مورخین نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس واقعہ کے بعد بھی خالد کو یمامہ کی طرف بھیجا جہاں اس نے معرکہ کو سر کر لیا اور اسکے بعد علی ہی کی طرح

کی ایک دوسری لڑکی سے عقد کر لیا جب کہ ابھی نہ مسلمانوں کا خون خشک ہوا تھا اور نہ سیلہ کے پیر دکاروں کا لہو۔ یہ ضرور ہے کہ ابو بکر نے اس فعل پر پہلے سے کچھ زیادہ سرزنش کی تھی۔ (الصدیق ابو بکر ص ۱۵۱)۔ جب کہ یہ لڑکی لیلیٰ ہی کی طرح شوہر دار بھی تھی ورنہ ابو بکر تینہ بھی نہ کرتے اور اس پر اس قدر زور بھی نہ دیتے جیسا کہ مورخین نے نقل کیا ہے کہ ابو بکر نے خالد کی طرف یہ فرمان بھیجا کہ فرزنداً تم خالد تجھے عورتوں سے ہمبستری کرنے کی بڑی فرصت ہے جبکہ تیرے سامنے ۱۲ سو مسلمانوں کے لاشے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے خون خشک نہیں ہوئے ہیں۔ (طبری ص ۲۵۴ تاریخ الخلفاء ص ۲۵۲) اور جب خالد نے اس خط کو پڑھا تو برجستہ زبان سے نکلا کہ یہ سب عمر بن الخطاب کی حرکت ہے۔

یہی وہ قوی اسباب ہیں جنہوں نے مجھے ان اصحاب سے متنفر بنا دیا اور ان کے پیر دکاروں سے بیزار کر دیا جو ایسے لوگوں کیلئے رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور پوری طاقت سے ان کی طرف دفاع کرتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں نصوص الہیہ کی تاویل کرتے ہیں۔ اور ان کی شان میں عجیب و غریب واقعات اور روایات وضع کرتے ہیں۔ تاکہ ان کے ذریعہ ابو بکر، عمر، عثمان، خالد، معاویہ اور عمر و عاص وغیرہ کے اعمال کی توجیہ کر سکیں اور انہیں حق بجانب قرار دے سکیں۔

خدا یا میں تجھ سے استغفار اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ میں ان افراد کے اعمال و اقوال سے بیزار ہوں جن میں تیرے احکام کی مخالفت ہوئی ہے اور تیرے حرام کو حلال بنا دیا گیا ہے اور تیرے حدود کو معطل کیا گیا ہے۔ میں تیری بارگاہ میں ان تمام افراد اور ان کے اتباع اور انصار سے اظہار برائت کرتا ہوں جنہوں نے یہ سب جانتے ہوئے بھی ان سے اظہار غلو و محبت کیا ہے۔ پروردگار میرے ماضی کے انحراف کو معاف کر دینا کہ میں جاہل تھا اور تیرے رسول نے فرمایا ہے کہ جاہل

جہالت میں معذور ہوتا ہے۔

خدا یا میرے بزرگوں اور سرداروں نے مجھے راستہ سے بہکایا ہے اور حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے، ہمارے سامنے منحرف صحابہ کو رسول اکرم کے بعد افضل الخلق بنا کر پیش کیا ہے اور یقیناً ہمارے آباء و اجداد بھی اس جہل سازی اور فریب کاری کا شکار ہوئے ہیں جس کا جال بنی امیہ اور اس کے بعد بنی عباس نے بچھایا تھا۔

خدا یا مجھے اور انہیں دونوں کو معاف کر دے کہ تو دلوں کے رازوں کا جاننے والا اور اسرار خفیہ سے باخبر ہے۔ ہماری محبت اور احترام و حق حسن نیت کی بنا پر تھا کہ یہ سب رسول اکرم کے انصار و اعوان اور اصحاب اجتہاد تھے۔ تجھے بخوبی معلوم ہے کہ ہم سب تیرے رسول کی عترت کے چاہنے والے اور ان اکابر اہلبیت سے محبت کرنے والے ہیں جن سے تو نے ہر جس کو دور رکھا ہے اور مکمل طور پر پاک و پاکیزہ رکھا ہے اور جن کے اس درمیں حضرت مہدی علیہ السلام اور امیر المؤمنین، قائد الغزائم جلیلین امام المتقین علی بن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔

خدا یا مجھے ان کے شیعوں میں اور ان کی ریسمان محبت تمسک کرنے والے اور ان کی راہ پر چلنے والوں میں قرار دیدے۔ ہم ان کے سفینہ نجات پر سوار ہیں اور ان کی مضبوط رسی کو تھلے رہیں، انہیں کے در عقیدت سے داخل ہوں اور انہیں کی محبت کی راہ پر چلتے رہیں۔ انہیں کے اعمال و اقوال کا اتباع کریں اور انہیں کے فضل و احسان کے گن گاتے رہیں۔

خدا یا ہمیں انہیں کے زمرہ میں مشورہ کرنا کہ تیرے نبی کریمؐ نے وعدہ کیا ہے کہ

”ہر انسان اپنے محبوب کے ساتھ مشورہ کیا جائے گا“

۲۔ حدیث سفینہ :- رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ ”میرے اہلبیت

کی مثال سفینہ نوح کی مثال ہے کہ جو اس پر سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو اس سے الگ رہ گیا وہ غرق ہو گیا۔ (متدرک حاکم ۳/۱۵۷، تلخیص ذہبی، بیابیح المودۃ ص ۳۴۰، ۳۴۱، الصواعق المحرقة ص ۲۳۲، تاریخ الخلفاء، سیوطی اور جامع صغیر، اسعاف الراغبین)

”تمھارے درمیان میرے اہلبیت کی مثال بنی اسرائیل میں باب حطہ کی سی ہے کہ جو اس سے داخل ہو گیا اسے بخش دیا گیا۔“ (جمع الزوائد ۹/۱۶۱)

ابن حجر نے صواعق محرقة میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اہلبیت کو سفینہ نوح سے تشبیہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ جس نے ان سے محبت کی اور ان کی عظمت کا اعتراف کیا ان کے علماء کی ہدایت کی راہ پر چلتا رہا وہ مخالفوں کی تائیدوں سے نجات پا گیا۔ اور جو ان سے منحرف ہو گیا وہ کفرانِ نعت کے سمندر میں غرق ہو گیا اور سرکشی کے طوفانوں میں گم ہو گیا۔ اور باب حطہ سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا نے باب اریحا یا باب بیت المقدس کو بنی اسرائیل کے لئے سببِ مغفرت قرار دیدیا تھا۔ اور اگر وہ تواضع اور استغفار کے ساتھ داخل ہو جاتے اسی طرح اس امت کے لئے اہلبیت کی محبت کو وسیلہ مغفرت قرار دیا ہے۔

کاش میں ابن حجر سے پوچھ سکتا کہ کیا جناب اس سفینہ نجات پر سوار ہو گئے ہیں اور کیا اسلام میں اسی دروازے سے داخل ہوئے ہیں اور کیا انہیں کے علماء سے ہدایت حاصل کی ہے۔ یا آپ کا شمار ان لوگوں میں ہے جو کہتے ہیں اور کرتے ہیں اور کرتے ہیں اور عقیدہ کے خلاف عمل کرتے ہیں اور ان تائیدوں میں ٹھو کریں کھانے والوں سے سوال کیا جائے تو جواب یہی دیتے ہیں ہم اہلبیت کا احترام کرتے ہیں ان کی عظمت کے قائل ہیں اور کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کے فضل اور فضائل کا منکر ہو۔

بیشک یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ سب کچھ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے یا احترام و اعزاز اہلبیت کا کرتے ہیں اور اتباع ان کے دشمنوں قائلوں اور مخالفوں کا کرتے ہیں۔ یا یہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ اہلبیت کون حضرات ہیں اور جب پوچھا جاتا ہے تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ اہلبیت سے مراد ازواجِ پیغمبر ہیں جن سے خدا نے ہر برائی کو دور رکھا ہے۔ اور انہیں طیب و طاہر قرار دیا ہے۔ یہ راز تو مجھ پر اس وقت کھلا جب میں نے اپنے ایک عالم سے پوچھا کہ اہلبیت سے آپ کا رابلطہ کیا ہے تو فرمایا کہ ہم سب اہلبیت کی اقتدار کرتے ہیں اور جب میں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ کس طرح ہے۔ تو فرمایا کہ رسول اللہ نے خود فرمایا کہ اپنا نصف دین میرا (عائشہ) سے لے لینا اور ہم نے نصف دین انہیں اہلبیت سے لے لیا ہے۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ اہلبیت کے اعزاز و احترام کا مفہوم کیا ہے اور جب ائمہ اثنا عشر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہم امام علیؑ، امام حسنؑ اور حضرت حسینؑ کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے ہیں۔ اور پھر ان کی بھی امامت کے قائل نہیں ہیں بلکہ اس معاویہ کا احترام کرتے ہیں جس نے حضرت امام حسنؑ کو زہر دیا تھا۔ اور اسے کاتبِ وحی کے لفظ سے سرفراز کرتے ہیں۔ اور عمر و عاص جیسے افراد کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جس طرح حضرت علیؑ کا احترام کرتے ہیں۔

یہ درحقیقت ایک تناقض اور حقائق کی پردہ پوشی اور حق و باطل کا امتزاج ہے جس کا مطلب نور پر ظلمت کا غلاف چڑھنا دینا اور روشنی کو پوشیدہ کرنا ہے اور بس ورنہ قلبِ مومن میں جب خدا اور حب شیطان کا جمع ہونا ناممکن ہے۔ رب کریم نے خود ارشاد فرمایا ہے:-

”تم کسی ایسی قوم کو جو خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو ایسا نہ یاد گئے“

مفہوم یہ ہے کہ اسی کوئی شخص علیؑ سے محبت اور اہلبیتؑ کی پیروی نہیں کرتا ہے تو وہ روز قیامت سرکارِ دو عالمؑ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔

اس مقام پر اس نکتہ کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ میں نے اپنی تحقیقات کے دوران ابتداءً اس حدیث کی صحت میں شک کیا تھا اور اتنی عظیم تہمید کو ناقابل تصور قرار دیا تھا کہ حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ سے اختلاف کرنے والا شفاعت پیغمبرؐ سے محروم رہ جائے جب کہ اس حدیث میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن میرے ذہن کا بوجھ قدرے ہلکا ہو گیا جب میں نے ابن حجر عسقلانی کا یہ بیان پڑھا کہ انہوں نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد یہ نوٹ لگایا ہے کہ اس کی سند میں یحییٰ بن یعلیٰ ہے جو ضعیف اور دہشت آدی ہے۔ اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ شخص جعلساز تھا۔ اور اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ لیکن اس کی اصل حقیقت کا اندازہ اس وقت ہوا جب میں ”منافعات عقائد“ فی مقالات ابراہیم الجہان“ نامی کتاب پڑھی اور اس میں دیکھا کہ مصنف نے اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ یحییٰ بن یعلیٰ محارب بن معتب آدی ہے اور اس پر بخاری اور مسلم جیسے محدثین نے اعتبار کیا ہے۔ اور میں نے خود براہ راست ان حقائق کا مطالعہ کیا اور یہ دیکھا کہ امام بخاری نے باب ”غزوة المدینہ“ میں اپنی صحیح کی جلد ۳ پر اس کی روایت کو نقل کیا ہے اور مسلم نے باب الحدود ج ۵ ص ۱۱ پر اس کی روایت درج کی ہے اور ذہبی نے انتہائی تشدد اور تعصب کے باوجود اس کی ذائقہ کو بطور مسلمات درج کیا ہے اور ائمہ رجال نے اسے معتبر راویوں کی فہرست میں جگہ دی ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس جعلسازی اور انکار حقائق کی کیا وجہ ہے اور ابن حجر کو اس قسم کی غلط بیانی کی کیا ضرورت پیش آئی ہے؟ کیا صرف اس جرم

کہ وہ خدا و رسول کے دشمن سے محبت کرے چاہے وہ ان کے آباء و اجداد اور برادر و عیشہ ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ والوں کے دل میں ایمان لکھ دیا گیا ہے اور خدانے اپنی روح سے ان کی تائید کر دی ہے اور وہ انہیں ان جفتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے۔ خدا ان سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں یہی درحقیقت خدا کے گمراہ والے ہیں اور خدا کا گمراہ ہی کامیاب ہونے والا ہے“ (مجادلہ ص ۲۲)

”ایمان والو خبردار ہمارے اور اپنے دشمن کو اپنا دست نہ بنانا کہ انہیں بخت کا پیغام دیدو۔ جب کہ یہ لوگ اس حق کے منکر ہیں جو تمہاری طرف آچکا ہے۔ (متحذہ ۱)

۳۔ حدیث ”من سوا ان یحییٰ حیاتی :-

رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میری طرح کی زندگی کے ساتھ جائے اور اسے میری طرح کی موت نصیب ہو اور اسی جنت عدن میں رہے جسے رب کریم نے ہیا کیا ہے تو وہ میرے بعد علیؑ اور ان کے دوستوں سے محبت کرے، میرے اہلبیت کی اقتدا کرے کہ یہی میری عزت میں جنہیں میری طینت سے خلق کیا گیا ہے اور انہیں میرا علم و فہم عطا کیا گیا ہے۔ میری امت میں ان کے فضل کا انکار کرنے والوں اور ان سے قطع تعلق کرنے والوں کے لئے جہنم ہے اور میں ہرگز ان کی شفاعت نہ کروں گا“ (مستدرک ۳، ۱۲۵)؛ جامع کبیر طبرانی، ۱ ص ۱۱۱ ج ۱، ح ۱۵۵، مناقب خوارزمی

ص ۳۲، بیابیع المودۃ ص ۱۲۹، حلیۃ الادیار، تاریخ ابن عساکر ۲، ۹۵

یہ حدیث اپنے مفہوم میں مکمل طور پر صراحت اور وضاحت رکھتی ہے۔ جس میں کسی طرح کی تاویل و تشکیک کی گنجائش نہیں ہے اور اس کا واضح ترین



۲۲۶  
 پر وہ پوشی کیوں نہ کرنا چاہیں۔ اب مجھے دوبارہ کہنا پڑے گا۔ یہ نقل وصیت  
 پیغمبر اسلام میں صحابہ کرام اس قدر غیر معتبر ہیں تو ان کے تابعین و تبع تابعین  
 کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ اور جب حضرت عائشہ ام المومنین حضرت  
 علیؑ کے نام کو برداشت نہ کر سکیں اور ان کا ذکر خیر پسند نہ کر سکیں جیسا کہ ابن سعد نے  
 طبقات قسم دوم جلد ۲۹، اور بخاری نے باب مرض النبیؐ میں نقل کیا ہے اور  
 حضرت علیؑ کی وفات کی خبر پر سجدہ شکر ادا کریں۔ تو ان سے کیا توقع رکھی جائے  
 کہ وہ حضرت علیؑ کے بارے میں وصیت کا ذکر کریں گی جب کہ ان کی علی اور اولاد علی  
 سے عداوت شہرہ آفاق ہے اور ہر خاص و عام کو معلوم ہے۔

فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ہماری سب سے بڑی مصیبت

”اجتہاد در مقابل نص“ ہے۔

میں نے اپنی تحقیقات کے دوران یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ امت اسلامیہ کی سب  
 سے بڑی مصیبت نصوص صریحہ کے مقابلہ میں اجتہاد ہے جس نے حدود الہیہ کو مطلق  
 اور سنت نبویہ کو برباد کر دیا ہے۔ صحابہ کرام کے بعد یہی کاروبار علماء نے کیا ہے اور  
 انہوں نے بھی اپنے انکار کی بنیاد صحابہ کے اجتہادات پر رکھی ہے اور اس طرح کبھی صحابہ  
 کے عمل سے ٹکراؤ کی صورت میں نص نبوی کو نظر انداز کر دیا ہے اور کبھی نص قرآنی کو۔  
 اور میں اس بیان میں قطعی مبالغہ سے کام نہیں لے رہا ہوں بلکہ میں نے اس کی مثالیں  
 بھی نقل کر دی ہیں جس کی واضح ترین مثال آیت تیمم اور سنت رسول کے مقابلہ میں صحابہ

کا اجتہاد اور ان لوگوں کا حکم ہے جس کی توجیہ عبداللہ بن عمر نے اجتہاد ہی کی  
 روشنی میں کی ہے۔

اس راۃ سب سے پہلے جس صحابی نے اس دروازہ کو پاٹوں پاٹ کھولا  
 ہے۔ وہ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ ہیں جنہوں نے وفات رسول کے بعد نص قرآنی  
 کے مقابلہ میں اجتہاد کر کے مولفۃ القلوب کے حصہ کو زکوٰۃ سے ساقط کر دیا اور فرما  
 دیا کہ ہمیں تم لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔

نصوص نبویہ کے مقابلہ میں آپ کے اجتہادات کی مقدار بے حد بڑے حساب  
 ہے۔ یہاں تک کہ متعدد دبار تو حضورؐ کی زندگی میں بھی ان کے احکام کے مقابلہ میں  
 اپنے ذاتی اجتہاد سے کام لیا ہے جسکی مثال صلح حدیبیہ کے موقع پر۔ اور آخری  
 وقت میں حسنا کتاب اللہ کا اعلان کرتے وقت سامنے آئی۔ اور سب سے  
 واضح ترین مثال جس نے ان کے نفیات کو بالکل طشت ازبام کر دیا۔ یہی بشارت  
 کا قصہ ہے جس میں حضرت رسول اکرمؐ نے ابو ہریرہ کو یہ اعلان کرنے کے لئے  
 بھیجا کہ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ زبان پر جاری کرے اور اس کے دل میں توحید کا یقین  
 ہو اسے جنت کی بشارت دیدو۔“

اور ابو ہریرہ یہ بشارت لے کر چلے تو راستہ میں عمر سے ملاقات ہو گئی  
 اور انہوں نے اعلان کرنے سے منع کر دیا۔ اور اتنا مارا کہ ابو ہریرہ زمین پر گر پڑے  
 اور دستے پٹتے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عمر کے سلوک کی تمکیت  
 کی تو آپ نے عمر سے جواب طلب کیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟۔ انہوں نے  
 فرمایا کہ کیا آپ نے اس اعلان کے لئے حکم دیا تھا۔؟۔ آپ نے فرمایا بیشک۔  
 انہوں نے کہا کہ ایسا تم کچھ دہرہ لوگ لا الہ الا اللہ پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے  
 جس طرح ان کے فرزند کو یہ خطرہ تھا کہ لوگ تیمم پر بھروسہ کر لیں گے اور



اسی طرح نماز پڑھنے لگیں گے لہذا نماز کا ترک کر دینا ایسا بہتر ہے۔

معاملہ میں ایسا فرمایا ہے۔

اس اجتہاد در مقابل نص کے نظریہ نے بہت سے صحابہ کی عظمت و انفرادیت کو جنم دیا ہے جن میں سرفہرست عمر بن الخطاب کا نام ہے اور سب نے مل کر چوبشبنہ کے دن نص صریح کی مخالفت کی تھی اور قلم و دوات دینے سے منع کر دیا تھا۔ اور یہیں سے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان صحابہ نے نص غدیر کو ایک دن کے لئے بھی قبول نہیں کیا تھا۔ اور اس کے واضح انکار کا موقع وفات پیغمبر کے بعد ملا جس میں سقیفہ میں اجتماع کر کے ابو بکر کا انتخاب کر لیا۔ اور اسے بھی ایک اجتہاد قرار دیدیا۔ جسکے نتیجہ میں خلافت کی تمام نصوص کو مسترد کر دیا گیا اور ہر معاملہ میں اجتہاد کا دروازہ کھل گیا۔ اور کتاب خدا کے مقابلہ میں جسارت کے حدود کو مطلق احکام کو تبدیل کر دیا گیا اور وہ قیامت خیز سانحہ پیش آیا جسے حضرت فاطمہ نے اپنے شوہر کے خلافت سے عروسی کے بعد برداشت کیا۔ اور پھر بائعین زکوٰۃ کا قتل عام ہوا۔ اور یہ سب "اجتہاد در مقابل نص" کے نتیجہ کے طور پر ہوا۔

اور اس کے بعد عمر بن الخطاب کی خلافت اسی اجتہاد کے نتیجہ میں سامنے آئی اور ابو بکر نے اس شوری کو نظر انداز کر دیا۔ جس سے اپنی خلافت کی صحت پر استدلال کیا کرتے تھے۔ اور عمر نے سنی کوور بھی گیلما کر دیا کہ اور مسلمین پر قبضہ کر کے حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال بنا دیا۔ (سنن ابوداؤد علیہ السلام)

اس کے بعد عثمان کا دور آیا تو وہ سو قدم اور آگے چلے گئے اور انہوں نے اپنے سابقین کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور سیاست و مذہب کے میدان میں اجتہاد کا بازا کھرم کر دیا۔ یہاں تک کہ انقلاب برپا ہو گیا اور انہیں اپنے اجتہاد کی مکمل قیمت ادا کرنی پڑی۔

ان حالات کے بعد امام علیؑ کے ہاتھ میں زمام حکومت آئی تو آپ کے سامنے

کاش ان حضرات نے نصوص کو اپنے حال پر رہنے دیا ہوتا اور اپنے بے بنیاد اجتہادات سے شریعت کو برباد کر کے اور محرمات کو مباح کر کے امت میں افتراق پیدا کرنے کا عمل نہ کیا ہوتا تو آج مختلف مذاہب و آراء اور متعدد فرقوں کے درمیان امت اسلامیہ کی تقسیم نہ ہوتی اور باہمی اختلافات اور خونریزی کا سلسلہ نہ ہوتا۔

حضرت عمر کے ان تمام مواقف اور اقدامات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ کا اعتقاد عصمت رسول پر ہرگز نہ تھا اور آپ انہیں ایک عام انسان جیسے سمجھتے تھے۔ جو صبح بھی کہہ سکتا ہے اور غلطی بھی کر سکتا ہے۔ اور اسی لئے علماء اسلام میں یہ نظریہ پیدا ہو گیا کہ رسول اکرمؐ صرف تبلیغ قرآن میں معصوم تھے اور باقی معاملات میں ان کے یہاں دوسرے افراد کی طرح غلطی کے امکانات پائے جاتے تھے۔ اور اسی لئے حضرت عمر نے مختلف مقامات پر آپ کی غلطیوں کی اصلاح بھی کی ہے :-

اور ظاہر ہے کہ رسول اکرمؐ کی یہی حیثیت ہے جو بعض جاہلوں نے بیان کی ہے کہ آپ گھر میں آرام فرما رہے تھے اور عورتیں دف بجا رہی تھیں اور شیطان ہو و لب میں مصروف تھا کہ اچانک حضرت عمر آگئے اور دیکھ کر شیطان فرار ہو گیا اور عورتوں نے سارے دف چھپا دیئے تو آپ نے فرمایا کہ "عمر! شیطان تمہیں کسی راستہ پر جاتے ہوئے دیکھتا ہے تو راستہ بدل دیتا ہے اور ادھر آنے کی ہمت نہیں کرتا ہے" تو کوئی بعید نہیں ہے کہ مذہب کے معاملہ میں عمر کی ایک رائے ہو جو رسول اکرمؐ کی رائے سے متعارض ہو۔ اور سیاست کی طرح دین میں بھی ان کی رائے کو رسول اکرمؐ کے فرمان پر مقدم کر دیا جائے۔ جیسا کہ انہوں نے بشارت جنت کے

خود اپنے نیک بدمذہب کا فیصلہ کرتی ہے اور خدا کو بھی یہ اختیار نہیں دیا جاتا ہے۔  
— حالانکہ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ صحابہ کرام کو ڈیکور لیس کے لفظ کا بھی علم نہیں  
تھا۔ اور وہ صرف نظام شوری سے باخبر تھے جس کا اطلاق ابوبکر کے انتخاب پر بھی  
نہیں ہو سکا اس لئے کہ سقیفہ میں جمع ہونے والے افراد کے پاس امت کی نمائندگی  
کی کوئی سند نہیں تھی۔

آج یہ نص خلافت کے منکر اس بات پر ناز کرتے ہیں کہ دنیا میں ڈیکور لیس  
کی ابتداء اسلام سے ہوئی ہے اور اس کا پہلا تجربہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا ہے۔  
ادریہ وہی اجتہاد ہے جو نص کے مقابلہ میں لایا گیا تھا اور اس کے ذریعہ اسلام  
کو مغربی افکار سے قریب تر کر دیا گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں آج تک مغربی مالک  
انہیں ترقی پسند قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے اسلام کو سہولت اور آسانی کا اسلام  
قرار دیتے ہیں۔ اور نصوص الہیہ پر عمل کرنے والوں کو مشرد اور بنیاد پرست جیسے  
القاب سے نوازا جاتا ہے اور شیعوں کا تعلق اسی دوسری قسم سے قرار دیا جاتا  
ہے جو حکم الہی اور شوری کا فرق جانتے ہیں اور شوری کا محل وہاں قرار دیتے  
ہیں جہاں کوئی نص موجود نہ ہو۔ ورنہ نص کے ہوتے ہوئے کسی شوری کی کوئی  
سنجائش نہیں ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ رب کریم نے خود رسول اکرم کا انتخاب کرنے  
کے بعد ان سے فرمایا تھا کہ "اپنے معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرو" (آل عمران ۱۵۹)  
اور قائدین بشریت کے انتخاب کے بارے میں فرمایا تھا کہ تمہارا پروردگار جو چاہتا  
ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے تمہیں انتخاب کرنے کا کوئی حق  
نہیں ہے۔ (قصص ۶۸)

اور اسی بنا پر شیعہ حضرات علی کی خلافت اور امت کے قائل ہیں اور دوسرے

سب سے بڑا مسئلہ قوم کو سنت نبوی اور قانون الہی کی طرف واپس لانے کا تھا  
جس کے لئے آپ نے پوری پوری کوشش کی کہ بدعتوں کو زائل کیا جائے اور سنت  
کو قائم کیا جائے لیکن قوم نے "واسنۃ عمراہ" کا لغو بلند کر دیا۔ اور برے  
عقیدہ کی بنا پر جن لوگوں نے حضرت علی سے اختلاف کیا تھا یا ان سے جنگ کی  
تھی سب اس حادثہ کے مارے ہوئے تھے کہ آپ قوم کو صحیح راستہ پر لانا چاہتے  
تھے اور بدعتوں کو فنا کر کے نصوص صریحہ کو زندہ کرنا چاہتے تھے جہاں چوتھائی  
صدی کے ذاتی اجتہاد کا خاتمہ کرنا تھا۔ اور عوام کو اس طریقہ کار سے الگ کرنا  
تھا جہاں ہوا دہوس اور بندگان حرص و طمع نے مال خدا کو ذاتی جائیداد اور  
بندگان خدا کو اپنا خادم و غلام بنا لیا تھا۔ گھر دوں میں سونے چاندی کے ڈھیر  
لگے ہوئے تھے اور مستضعف افراد معمولی سے معمولی حقوق سے محروم ہو گئے تھے۔

اور ہم نے تو ہر دور کے مستکبرین کو ایسا ہی دیکھا ہے کہ انہیں ایسے اجتہاد  
سے بے حد دلچسپی رہی ہے جو انہیں ان کے خواہشات تک پہنچانے کا راستہ ہموار  
کر دے جب کہ نصوص صریحہ کا منشاء یہ رہا ہے کہ اس راستہ کو روک دیا جائے  
اور ان کے مقاصد کی راہ میں دیوار کھڑی کر دی جائے۔

پھر اس اجتہاد کو ہر دور میں انصار و اعدا بھی مل گئے اور خود  
مستضعفین نے بھی سہولت کے پیش نظر اس راستہ کو اپنا لیا۔ اور ہر طرح کی پابندی  
سے نجات حاصل کر لی۔

نص کا راستہ التزام اور عدم حریت خواہشات کا راستہ تھا جسے رجال سیتا  
کی اصطلاح میں خدائی راستہ کہا جاتا ہے جبکہ اجتہاد کا راستہ عوامی راستہ تھا۔ اور  
کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے وفات پیمبر کے بعد سقیفہ میں اجتماع کیا تھا  
انہوں نے خدائی حکم کو نظر انداز کر کے ڈیکور لیس کا راستہ اختیار کیا تھا۔ جہاں قوم

صحابہ پر تنقید کرتے ہیں اور وہ بھی انہیں صحابہ پر تنقید کرتے ہیں جنہوں نے نص کو اجتہاد سے بدل دیا ہے اور حکم خدا و رسول کو ضائع کر دیا ہے اور اسلام میں ایسا رنڈہ پیدا کر دیا ہے جو پر ہونے والا نہیں ہے۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی حکومتوں اور ان کے مفکرین شیعوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور تعصب کا الزام دیکر رجعت پسند قرار دیتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی طرف رجوع کر کے چور کے ہاتھ کاٹنے کے قائل ہیں اور زنا کار کے سنگسار کرنے کے قائل ہیں۔ اور پھر راہ خدا میں جہاد کو ضروری سمجھتے ہیں جو ان لوگوں کی نگاہ میں وحشت اور بربریت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مجھے اسی تحقیق کے دوران یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلسنت نے دوسری صدی ہجری سے اجتہاد کا دروازہ کیوں بند کر دیا تھا اور شیعوں کے یہاں یہ دروازہ آج تک کیوں کھلا ہوا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ اہلسنت نے نص کے مقابلہ میں اجتہاد کا دروازہ کھول کر ان مصائب اور خونریز جنگوں کا سامنا کیا ہے جہاں خیر امت باہم دست دگر بیاں رہنے والی امت میں تبدیل ہو گئی اور سامراجیت کا دور دورہ ہو گیا قبائلی نظام رائج ہو گیا۔ اور اسلام جاہلیت میں تبدیل ہو گیا۔ جس کے بعد اس سلسلہ کا رد کن ضروری ہو گیا۔ لیکن شیعوں کے یہاں یہ دروازہ اس وقت تک کھلا رہیگا جب تک نصوص باقی ہیں اور آیات و احادیث کا وجود قائم ہے اس لئے کہ ان کے یہاں اجتہاد ان نصوص کے مفہوم کے ادراک کا نام ہے ان سے مقابلہ کرنے کا نام نہیں ہے۔

اس بحث سے یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ اہلسنت نے سنت نبوی کے لکھنے سے روکنے کی بنا پر اپنے کو اکثر معاملات میں بے سہارا پایا۔ اور نتیجہ میں قیاس اور رائے استحسان اور سد باب ذرائع وغیرہ کا سہارا لیا۔ لیکن شیعوں کو اس لاوارثی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اور انہوں نے حضرت علیؑ کی شخصیت کو اپنا مرکز شریعت قرار دیا

جو باب مدینہ علم پیغمبرؐ ہے اور ان کا مسلسل اعلان تھا کہ جو چاہو دریافت کر لو کہ مجھے رسول اکرمؐ نے علم کے ہزار باب تعلیم کئے ہیں اور میں نے ہر باب سے ہزار باب کھینچے ہیں۔ (تاریخ دمشق ابن عساکر ۲، ۲۸۲، مقتل الحسین خوارزمی ۱، ۳۱، النذیر سنہ ۱۳۱۱)

غیر شیعہ افراد نے معاویہ کے گرد حلقہ باندھا تھا جس کے پاس سنت رسولؐ کا علم نہ ہونے کے برابر تھا۔ اور وہ امیر المؤمنین حضرت علیؑ کے بعد باغیوں کا امام ہونے کے لئے امیر المؤمنین بھی بن گیا تھا۔ اور اس نے اپنے پیش رو افراد سے زیادہ نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد کیا تھا اور اہلسنت اسے کاتب وحی اور عالم مجتہد کا ہی درجہ دیتے رہے۔ حالانکہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ شخص کس طرح مجتہد قرار دیا جاسکتا ہے جس نے فرزند رسولؐ سردار جوانان جنت امام حسن کو زہر دیا ہو اور ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا ہو۔ مگر یہ کہ اسے بھی اجتہاد قرار دیا جائے اور خطائے اجتہاد کی کا درجہ دیدیا جائے۔

بعض معاویہ جیسا مجتہد ہے کہ اس نے جبر و قہر کے ساتھ اپنے لئے اور پھر اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت حاصل کی اور نظام شوریٰ کو قیصریت میں تبدیل کر دیا۔ اور حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ گرام پر منبروں سے ۶۰ سال تک لعنت کرائی۔ مگر یہ کہ اسے بھی اجتہاد قرار دیدیا جائے۔

آخر معاویہ کو کاتب وحی کس اعتبار سے قرار دیا جاتا ہے جبکہ وحی کا سلسلہ ۳۳ سال تک جاری رہا اور معاویہ اس میں سے ۲۱ سال مشرک رہا اور پھر فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا اور کسی روایت میں نہ معاویہ کے مدینہ میں رہنے کا ذکر ہے اور نہ رسول اکرمؐ کے فتح مکہ کے بعد مکہ میں قیام کرنے کا تذکرہ ہے۔ تو کیا کاتب وحی ایسا ہی انسان ہوتا ہے؟ فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

میرا سوال اسے مقام بر قائم سے کران دونوں ذلقتوں میں ان کو ان سے

اور کون باطل پر۔ علیؑ اور ان کے ساتھی ظالم اور باطل پر ہیں۔ یا معاویہ اور اس کے پیروکار ظالم اور باطل پر ہیں؟

حقیقت امر یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے ہر مسئلہ کو واضح کر دیا تھا لیکن اہلسنت، سنت کے اتباع کا دعویٰ کرنے کے باوجود انحراف سے کام لیتے ہیں اور مجھ پر بحث و تحقیق سے بات واضح ہو چکی ہے کہ معاویہ سے دفاع کرنے والے بنی امیہ اور ان کے پیروکار ہیں جن کا سنت رسولؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے خصوصاً اگر ان کے موافقہ اور حرکات کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ ان افراد کو شیعیان علیؑ سے نفرت ہے اور یہ عاشورا کو عید کا درجہ دیکر ان صحابہ سے دفاع کرتے ہیں جنہوں نے رسول اکرمؐ کو زندگی میں اور مرنے کے بعد ہر حال میں اذیت دی تھی۔ اور ان کی غلطیوں کو صحیح قرار دیکر ان کے اعمال کی توجیہ و تاویل کرنا چاہتے ہیں۔

میں اپنے برادران اہلسنت سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر آپ کس طرح علیؑ اور اہلبیت سے محبت کرتے ہیں جب کہ ان کے دشمنوں اور قاتلوں کو بھی رضی اللہ عنہم کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ آپ کس طرح اللہ اور رسولؐ سے محبت کرتے ہیں جب کہ ایسے لوگوں سے دفاع کرتے ہیں جنہوں نے احکام خدا و رسولؐ کو بدل دیا اور احکام الہیہ کے معاملہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کیا۔

آپ ان لوگوں کا کس طرح احترام کرتے ہیں جنہوں نے رسول اکرمؐ کا احترام نہیں کیا۔ اور انہیں ہذیان گو قرار دیدیا۔ اور ان کے فیصلوں کو ٹھکرا دیا۔ آپ ان ائمہ کی کس طرح تقلید کرتے ہیں جنہیں اموی اور عباسی حکمرانوں نے سیاسی اغراض کے تحت امام مقرر کیا تھا۔ اور پھر ائمہ طاہرین کو نظر انداز کر دیتے ہیں جسکے نام اور ان کے تعداد کی وضاحت خود رسول اکرمؐ نے فرمائی تھی۔ (صحیح بخاری ص ۱۶۱، صحیح مسلم ص ۱۱۹ باب الناس تبع لقریش ینایع الودۃ، نقد ذری مغنی)

آپ ان ائمہ کی تقلید کرتے ہیں جنہیں نبی کریمؐ کا مکمل عرفان حاصل نہیں تھا اور باب مدینۃ العلم کو ترک کر دیتے ہیں جو ان کے لئے دیسا ہی تھا جیسے جناب موسیٰ کے لئے ہارون؟

پھر آخریہ اہلسنت و الجماعت کی اصطلاح کا موجد کون ہے؟ میں نے تاریخ میں بہت جستجو کی ہے تو اس قدر ملا کہ جس سال معاویہ نے حکومت پر قبضہ کیا ہے اسے "عام الجماعتہ" کہا جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ عثمان کے بعد امت و دھنوں میں تقسیم ہو گئی تھی، شیعہ ان علیؑ اور اتباع معاویہ اور پھر امام علیؑ کی شہادت کے بعد معاویہ نے امام حسنؑ سے صلح کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اور اس سال کا نام عام الجماعتہ رکھ دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے اہلسنت و الجماعتہ کا مفہوم معاویہ کی سنت کے ماننے والے اور اس کی حکومت پر اجتماع کرنے والے ہیں اس کا سنت رسولؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے ورنہ سنت رسولؐ کو ان کی اولاد اور ذریت سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے کہ گھر کی بات گھر والے ہی بہتر سمجھتے ہیں اور اہل مکہ اپنے گھائیوں سے بہتر واقف ہیں۔"

لیکن افسوس کہ ہم نے ائمہ اثنا عشر کی مخالفت کی جسکے بارے میں رسول اکرمؐ نے نص فرمائی تھی اور ان کے دشمنوں کا اتباع کر لیا۔ جب کہ ہم ان روایات کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ جہیں رسول اکرمؐ نے صاف صاف اعلان فرمایا ہے کہ میرے بعد بارہ خلفاء ہوں گے اور سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ لیکن ہمارے برادران اہلسنت چار ہی خلیفہ پر روک جاتے ہیں۔

شاید معاویہ ہی نے ہمیں اہلسنت و الجماعت کا نام دیا تھا تو اس کا مقصد سب علیؑ کی سنت تھی جس کا سلسلہ ۶۰ برس تک جاری رہا اور جسے عربین عبد العزیز کے علاوہ کوئی نہ روک سکا اور اس نے بھی روک دیا تو بعض مورخین کے

بیان کے مطابق بنی امیہ ہی نے اس کے قتل کی سازش کی تھی تو صرف اس لئے  
کہ اس نے سنت یعنی حضرت علیؓ بن ابی طالب پر لعنت کو بند کر دیا۔

برادران اسلام آئیے خدا کی ہدایت کا سہارا لیکر۔ حقیقت کو تلاش

کریں۔ ہم سب بنی امیہ اور بنی عباس کے بارے ہوئے ہیں اور ایک تاریک  
تاریخ کے شہید ہیں۔ ہمیں اس جو د فکری نے تباہ کر دیا ہے جسے ہمارے بزرگوں  
نے ہمارے سردوں پر مسلط کر دیا ہے۔ ہم اس کمر و فریب کے شہید ہیں جس کا  
سلسلہ معاویہ، عمرو عاص، میسرہ بن شعبہ وغیرہ نے جاری کیا تھا۔

آئیے اسلامی تاریخ کا واقعی مطالعہ کریں اور حقائق کا پتہ لگائیں تاکہ دوسرے  
اجر کے حقدار بنیں۔ شاید خدا ہمارے ذریعہ اس یتیم اور ۳۷ فرقوں میں بھی ہوئی آیت  
پر رحم کر دے۔ اور ہم اسے توحید و رسالت اور اتباع اہلبیت کے پرچم تلے جمع کر سکیں  
جن کے بارے میں حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ ان سے آگے نہ بڑھو کہ ہلاک ہو جاؤ گے  
اور ان سے الگ بھی نہ رہ جاؤ کہ تباہ ہو جاؤ گے۔ انہیں تعلیم دینے کی کوشش نہ کرو  
کہ یہ تم سے بہتر جاننے والے ہیں“ (درمنثور ۲/۶۷، اسد الغابہ ۳/۱۳۷ صواعق

محرقة ۱۴۸، ینایع المودۃ ص ۳۵، کنز العمال ۱۶۵، مجمع الزوائد ۹/۱۶۳)  
اگر ہم نے یہ کام انجام دے لیا تو خدا اپنے غضب کو برطرف کر دے گا  
اور ہمارے خوف کو امن میں تبدیل کر دے گا۔ ہمیں زمین میں اقتدار عنایت کر لگا  
اپنی خلافت سے نوازے گا اور اپنے دلی خاص امام مہدیؑ کو ظاہر کر دے گا۔  
جس کے بارے میں رسول اکرمؐ کا وعدہ ہے کہ وہ ظلم و جور کا خاتمہ کر کے عدل  
و انصاف کی حکومت قائم کر دے گا۔

## اجاب کیلئے دعوت فکر و نظر

درحقیقت عقیدہ کی تبدیلی سے میری روحانی سعادت کا آغاز ہو گیا  
تھا اور میں اپنے ضمیر کو مطمئن اور اپنے دل کو مذہب حق یا حقیقی اسلام کے لئے  
کشادہ پانے لگا تھا۔ میرے دل میں فرحت و مسرت اور افتخار و انبساط کا دور  
دورہ تھا۔ کہ پروردگار نے مجھے ہدایت اور رشاد کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے  
اور اب میرے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ میں اپنے دل میں کر دہیں لینے والے جذبات  
کو پوشیدہ رکھ سکوں اور حقیقت کے ادراک پر خاموش رہ جاؤں۔ چنانچہ میرے  
دل نے آواز دی کہ حقیقت کا اظہار ضروری ہے اور ”نعمت خدا کا بیان انسانیت  
کی ذمہ داری ہے“ اور یہی دنیا و آخرت کی سب سے بڑی سعادت ہے اور  
نیک نعتی ہے۔ ”درنہ“ حق کے معاملہ میں خاموش رہ جانے والا گونگا شیطان  
کہا جاتا ہے“ اور حق کے بعد گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اور جس چیز نے میرے  
اس شعور کو مزید یقین عطا کیا وہ رسول اکرمؐ اور اہلبیت طاہرینؑ سے محبت رکھنے  
والوں سے اہلسنت کی برأت وینزاری کا سلوک تھا۔ چنانچہ میں نے چاہا کہ تاریخ  
کے تانے بانے بکھیر دیئے جائیں اور حقیقت کے چہرہ کو بے نقاب کر دیا جائے تاکہ  
لوگ حق کا اتباع کر سکیں اور ان پر نعمت خدا کی تکمیل ہو جائے جس طرح کہ خود  
میں بھی انہیں حالات سے گنہگار ہوں ”پہلے تم بھی اسی طرح تھے وہ تو تمہارے  
ادب پر احسان کر دیا ہے“ (نساء، ۹۴)

چنانچہ میں نے اپنے ساتھ کام کرنے والے چار استادوں کو اس امر کی  
طرف دعوت دی جن میں سے دو تربیت دینی کے استاد تھے اور ایک عربی ادب

استاد تھا۔ اور ایک اسلامی فلسفہ کا ان میں سے کوئی۔ یہ بھی قفصہ کا رہنے والا نہیں تھا بلکہ تیونس، جمال اور سوسہ وغیرہ کے رہنے والے تھے۔ میں نے ان سے بھی یہ مطالبہ کیا کہ میرے ساتھ اس اہم اور خطرناک بحث میں حصہ لیں اور میں سے اس طرح اظہار کیا کہ میں بعض مفہیم کے ادراک سے قاصر ہوں اور بعض مسائل میں تشکیک کا شکار ہوں لہذا یہ حضرات میرے اس شک کا علاج کریں۔ چنانچہ سب نے کام تمام کرنے کے بعد میرے گھر آنے کا وعدہ کر لیا اور میں نے مطالعہ کے لئے "کتاب المراجعات" ان کے حوالے کر دی اس اظہار کے ساتھ کہ اس کے مصنف نے عجیب و غریب قسم کے دعویٰ کئے ہیں۔ چنانچہ تین افراد نے اس کتاب کو بید پسند کیا۔ اور چونکہ نے چار پانچ نشستوں کے بعد ہم سے قطع تعلق کر لیا اور یہ کہا کہ "عرب پانڈ پر کمنڈ ڈالنے کی فکر میں ہیں اور تم اسلامی خلافت کے بارے میں بحث کر رہے ہو۔"

ایک ہفتہ تک اس کتاب پر بحث کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ان میں سے تین افراد راہ حق پر آ گئے۔ اور میں نے منزل حقیقت تک پہنچنے میں ان کی اہم کنی مدد بھی کی کہ یہ کام میرے لئے آسان ہو چکا تھا اور میں وسعت مطالعہ کی بنا پر قریب ترین راستہ سے حق تک پہنچانے کا کام انجام دے سکتا تھا۔ میں نے ہدایت کی شریں کو محسوس کر لیا تھا اور میں مستقبل کے بارے میں بہت کچھ خوش بین بھی تھا چنانچہ میں برابر قفصہ کے افراد کو مدعو کرتا رہا اور جن جن افراد سے صوفی حلقے یا مذہبی جلسات میں میرا رابطہ تھا سب کو اس مسئلہ پر غور کرنے کی دعوت دیتا رہا میں نے اپنے بعض شاگردوں کو بھی دعوت فکر دی اور خدا کا شکر ہے کہ سال تمام نہ ہونے پایا تھا کہ ہماری ایک بڑی جماعت تیار ہو گئی۔ جو اہلبیت رسول سے محبت کرنے والی اور ان کے دشمنوں سے نفرت کرنے والی تھی۔ ہم ان کی خوشی میں خوشی منانے لگے اور ایام عاشورا میں مجالس عزائم کرنے لگے۔

میں نے اپنے ہدایت یافتہ ہونے کی خبر سب سے پہلے السید الخونی اور السید محمد باقر الصدر کو دی جب میں نے عید غدیر کی مناسبت سے قفصہ میں پہلی مرتبہ جشن کا انعقاد کیا اور ہر خاص و عام میں اس امر کی شہرت ہو گئی کہ میں نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا ہے اور آل رسول کی پیروی کی دعوت دے رہا ہوں جس کے بعد الزامات اور ہتہمتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور مجھے اسرائیل کا جاسوس قرار دیا جانے لگا کہ میں لوگوں کے دین میں تشکیک کرتا ہوں اور صحابہ کرام کو گایاں دیتا ہوں اور قوم میں فتنہ و فساد پیدا کر رہا ہوں۔

میں نے تیونس میں اپنے دو دوست راشد الغنوش اور عبد الفتاح بوطو سے ملاقات کی جن سے میرا جھگڑا شدید ہو چکا تھا۔ اور ایک دن جب میں بوقت افتتاح کے گھر میں بحث کے دوران یہ کہہ دیا کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمیں اپنی تاریخ اور اپنی کتابوں پر نظر ثانی کرنا چاہیے۔ اور ان کے مندرجات پر غور کرنا چاہئے۔ مثال کے طور پر بخاری میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جنہیں نہ عقل قبول کرتی ہے اور نہ دین۔ تو دونوں کو بید غصہ آیا اور انہوں نے کہا کہ آپ کی حقیقت کیا ہے کہ آپ بخاری پر تنقید کریں گے۔ میں نے بہت چاہا کہ وہ میری تحقیق میں شریک ہو جائیں لیکن انہوں نے یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا کہ اگر آپ شیعہ ہو گئے ہیں تو ہم آپ کے ساتھ نہیں ہیں اور ہمارے پاس اس سے زیادہ اہم یہ مسئلہ ہے کہ ہم ایسی حکومت کا مقابلہ کریں جو اسلام پر عمل نہیں کرتی ہے۔ میں نے کہا کہ اس کا فائدہ کیا ہے اگر حکومت آپ حضرات کے ہاتھ میں آگئی تو آپ اس سے بدتر اقدامات کریں گے اور آپ کو خود بھی حقیقت اسلام کا علم نہیں ہے اور نہ تحقیق کرنا چاہتے ہیں جس پر وہ حضرات بیزار ہو کر چلے گئے اور اس کے بعد ہمارے خلاف پروپیگنڈے اور شدید تر ہو گئے اور انخوان المسلمین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ میں حکومت کا ایجنٹ ہوں اور مسلمانوں کو

شک مبتلا کر کے اس تحریک سے الگ کرنا چاہتا ہوں جو حکومت سے مقابلہ کے لئے چلائی جا رہی ہے اور اس طرح میں ان نوجوانوں سے بالکل الگ ہو گیا جو انخوان المسلمین کی تحریک کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ اور ان شیوخ سے بھی کٹ کر رہ گیا جو صوفی طریقوں کو اپنائے ہوئے تھے اور میری زندگی انتہائی سخت ہو گئی کہ ہم اپنے دیار میں بھی غریب الوطن ہو گئے اور اپنے عشیرہ اور قبیلہ میں بھی اجنبی معلوم ہونے لگے۔

یہ تو خدا کا فضل و کرم تھا کہ اس نے ہمیں دوسرے رفقاء و اصحاب دیئے اور ہمارے پاس دوسرے شہروں سے نوجوان آنے لگے۔ اور حقائق کا علم حاصل کرنے لگے۔ اور اس کے نتیجے میں راہ حق پر آنے لگے کہ میں نے ان کو مطمئن کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر دیا۔ اور اس طرح دارالحکومہ، ادرتیران، سومسہ، میدی، بوڑیہ وغیرہ میں مومنین کی ایک جماعت تیار ہو گئی۔ پھر میں نے گرمی کی تعطیل میں عراق کے سفر کے دوران یورپ میں فرانس وغیرہ میں اپنے بعض اصحاب سے ملاقات کی اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا تو بھلا اللہ وہ کبھی راہ راست پر آئے۔

میں اپنی فرصت و مسرت کا اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔ جب میں نے نجف اشرف میں الیہ محمد باقر الصدر سے ملاقات کی اور انہوں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے علماء و افاضل کی جماعت سے میرا تعارف اس طرح کر لیا کہ ”یہ شخص تیونس میں مذہب آل محمد اور تشیع کا پہلا زیج اور سنگ بنیاد ہے۔“ اور اس کے بعد اس امر کا اظہار فرمایا کہ جب میں نے انہیں پہلی مرتبہ منعقد ہونے والے جشن غدیر اور اپنے تشیع کے ساتھ اپنے اوپر ہونے والے حلوں اور عائد کئے جانے والے الزامات سے باخبر کیا تھا تو انہوں نے کافی گریہ فرمایا تھا۔ اور پھر ہم سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ ”مشقتوں کا برداشت کرنا ضروری ہے کہ اہلبیت کا راستہ انتہائی دشوار اور مشکل ہے۔ ایک شخص سرکارِ دُعا عالم کی

خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ امتحانات کی کثرت کے لئے آمادہ ہو جا۔ اس نے کہا کہ میں آپ کے ابن عم علی بن ابی طالب کو بھی دوست رکھتا ہوں۔ فرمایا کہ کثرت اعداء کے لئے بھی آمادہ ہو جا۔ اس نے کہا کہ میں آپ کے فرزند حسن و حسین کو بھی دوست رکھتا ہوں۔ فرمایا فقر و بلاء کے لئے بھی تیار ہو جا۔ اور ہم نے حق و حقیقت سے دفاع کرنے میں کیا دیا ہے۔ جس طرح کہ امام حسین نے اس کی قیمت اپنے خون سے ادا کی ہے اور اپنے اصحاب و اقرباء کی قربانی دی ہے اور ان کے شیعہ تاریخ کے ہر دور میں اور آج بھی اپنی نجات کی قیمت ادا کر رہے ہیں لہذا عزیز من راہ خدا میں قربانی اور مصائب کا برداشت کرنا ضروری ہے کہ اگر خدا نے تمہارے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت دیدی تو دنیا اور مافیہا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔

جناب سید الصدر نے مجھے یہ بھی نصیحت کی خبردار گوشہ نشین ہو کر نہ بیٹھ جانا۔ اور اپنے اصحاب سے تعلقات کو بہر حال برقرار رکھنا اگرچہ وہ تم سے دور رہنا چاہیں گے لیکن نماز انہیں کے ساتھ پڑھنا تاکہ قطع تعلق نہ ہونے پائے۔ اور عوام الناس کو بے قصور سمجھنا کہ یہ سب پر و پیکند ہے اور تحریف شدہ تاریخ کے مارے ہوئے ہیں ”اور یہ انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کو نہیں جانتا ہے اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔“

اسی طرح الیہ الخوئی نے بھی مجھے یہ نصیحت فرمائی اور الیہ محمد علی الطباطبائی الحکیم بھی برابر اپنے خطوط میں ایسی ہی نصیحتوں سے سرفراز فرماتے رہے جس سے میرے ہم مسلک افراد نے کافی فائدہ اٹھایا۔

میں نے نجف اشرف اور علماء و نجف اشرف کی مختلف مناسبات میں بار بار اذکار

کی ہے اور میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ ہر سال گرمیوں کی چھٹی کارہ نام علیؑ کی بارگاہ میں گزاروں گا اور الیحد محمد باقرؑ کے مدرس میں حاضر ہوتا ہوں گا کیونکہ ان سے میں نے بہت کچھ سیکھا تھا۔ اور ان کی صحبت نے مجھے عید فائدہ پہنچایا تھا جس طرح کہ میں نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ بارہ اماموں کی زیارت کا شرف بھی حاصل کروں گا چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ میری یہ آرزو بھی پوری ہو گئی اور میں نے امام رضاؑ کی بھی زیارت کر لی جن کا مزار مقدس روس کی سرحد کے قریب مشہد (ایران) میں ہے اور وہاں بھی میں نے بہت سے علماء سے ملاقات کی ہے اور ان سے علمی استفادہ کیا ہے۔

جس طرح کہ میرے مقلد الیحد الخوئی نے مجھے خمس و زکوٰۃ کے اموال میں تصرف کرنے کی دکالت بھی دیدی ہے جس کے نتیجہ میں میں نے اپنے برادران کی کافی خدمت کی ہے اور ان کے واسطے براہ کتابیں وغیرہ فراہم کرتا رہا ہوں اور ایک عظیم مکتبہ بھی قائم کر دیا ہے جس میں فریقین کی تمام کتابیں اور تحقیق کا سارا مواد موجود ہے۔ اس مکتبہ کا نام "مکتبہ اہل البیت" ہے اور اس نے کافی افراد کو ہدایت کا راستہ دکھلایا ہے۔

رب کریم نے میری فرحت و مسرت و سعادت کو اس وقت اور دو بالا کر دیا جب تقریباً ۱۵ سال قبل قفصہ کی بلدیہ کے کاتب عام کو یہ توفیق حاصل ہوئی کہ اس نے میری خواہش پر میرے مکان کے راستہ کا نام "شارع الامام علی بن ابیطالب" رکھ دیا۔ اب میرا فرض ہے کہ میں اس کی اس عنایت کا شکر یہ ادا کروں کہ وہ باعمل مسلمانوں میں ہے اور اسے امام علیؑ سے کافی محبت ہے اور ان کی طرف کافی رجمان رکھتا ہے۔ میں نے اسے بھی کتاب "المراجعات" دی ہے اور وہ میرے ساتھیوں کے ساتھ کافی محبت اور احترام کا برتاؤ کرتا ہے۔ خدا سے جزائے خیر

اور اس کی مراد کو پورا کرے۔ اگرچہ بعض حاسدوں اور معاندوں نے چاہا تھا کہ اس تختی کو ہٹا دیا جائے لیکن ان کی تدبیریں کارگر نہ ہوئیں اور بھلا اللہ وہ تختی باقی ہے اور اب ساری دنیا سے آنے والے خطوط پر "شارع الامام علیؑ" لکھا ہوتا ہے اور میرا شہر اس مبارک نام کی برکت سے متبرک اور منور ہو گیا ہے۔

اب میں ائمہ طاہرینؑ اور علمائے نجف اشرف کی نصیحت کے مطابق اپنے برادران اسلام سے قرہی تعلقات رکھتا ہوں اور ان کی جماعت میں برابر حاضری دیتا ہوں۔ جس کی بناء پر تعصب قدرے کم ہو گیا ہے اور بہت سے نوجوان میری طرف سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ انہوں نے میرے وضو میری نماز اور میرے عقائد کے بارے میں بار بار سوالات کئے ہیں اور میں نے سب کو کافی اور شافی جوابات دیئے ہیں۔

## ہدایت حق

ایک روز کا واقعہ ہے کہ تیونس کے جنوب کے ایک دیہات میں ایک محفل عقد کے دوران چند عورتیں کسی شخص کی عورت کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں اور درمیان میں بیٹھی ایک ضعیف عورت اپنے استعجاب کا اظہار کر رہی تھیں کہ فلاں عورت نے فلاں مرد سے کس طرح عقد کر لیا ہے اور وہ اس کی زوجہ کس طرح ہو گئی ہے جبکہ دونوں کو میں نے ہی دودھ پلایا ہے۔ اور دونوں رضاعی اعتبار سے بھائی بہن ہیں۔

ان عورتوں نے اس خبر کو اپنے مردوں سے نقل کیا اور ان لوگوں نے تحقیق کی تو لڑکی کے باپ نے بھی تصدیق کر دی اور دونوں قبیلوں میں ایک قیامت برپا ہو گئی اور ایک جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ ہر ایک دوسرے قبیلہ پر الزام لگاتا تھا کہ ۳۱



دھوکا دیا ہے اور اس عذابِ عظیم میں مبتلا کیا ہے۔ اتفاقاً اس رشتہ کو دس سال گزر چکے تھے اور تین بچہ بھی پیدا ہو چکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عورت اپنے باپ کے گھر چلی گئی اور اس نے کھانا پینا ترک کر کے خود کشی کا پروگرام بنالیا کہ اس نے اپنے بھائی سے عقد کیا ہے اور اس سے بچے بھی پیدا کئے ہیں اور ادھر بچے بھی لاوارث ہو گئے تھے۔ اور یہ جنگِ بعض شیوخ کی مداخلت پر رک گئی تھی۔ لیکن استغناءات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور علاقہ کے مختلف علماء سے مسئلہ درپا گیا کیا گیا تھا۔ اور سب نے حرمت کا فتویٰ دیدیا تھا اور اپنے اپنے اعتبار سے کفارہ بھی معین کر دیا تھا۔ کہ اتفاقاً وہ لوگ قفصہ آئے اور یہاں کے علماء سے بھی درپا گیا۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا اس لئے کہ سب امام مالک کے مقلد تھے اور وہ ایک قطرہ دودھ پلانے سے بھی حرمت کے قابل ہیں اور ان کی نگاہ میں دودھ کا حکم شراب جیسا ہے کہ اس کا قلیل و کثیر حرام ہے۔

حسن اتفاق ایسا ہوا کہ ایک شخص نے صاحبِ معاملہ کو تنہائی میں لے جا کر کہا کہ یہاں ایک شخص اور بھی ہے آپ اس سے دریافت کریں کہ وہ تمام مذاہب سے باخبر ہے اور میں اسے تمام علماء سے بحث کرتے اور انہیں شکست دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ بات مجھ سے اس عورت کے شوہر نے ملاقات کے دوران حرف بہ حرف نقل کی اور آخر میں کہا کہ حضور میری عورت خود کشی کرنا چاہتی ہے اور میری اولاد بالکل لاوارث ہو گئی ہے ہمارے پاس مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے اور لوگوں نے ہمیں آپ کا پتہ بتایا ہے۔ ہمیں امید قوی ہے کہ یہاں کوئی بھلا ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ہم نے پوری زندگی میں ایسا کتب خانہ نہیں دیکھا ہے جیسا کہ آپ کے پاس ہے۔

میں نے قبوہ پیش کیا اور فتوٰی دیر غور کرنے کے بعد اس سے پوچھا کہ تم نے کتنی مرتبہ اس عورت کا دودھ پیا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ البتہ میری

زوجہ نے دو یا تین مرتبہ دودھ پیا ہے جسکی گواہی اس کے باپ نے دی ہے کہ وہ دو یا تین مرتبہ اس عورت کے گھر لے گیا تھا۔ میں نے کہا کہ اگر یہ بات صحیح ہے تو تمہارا اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور عقد جائز اور صحیح ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ مسکین میرے قدموں پر گر پڑا اور ہاتھ پیر کے بوسے دینے لگا اس نے کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے آپ نے میری زندگی میں سکون کے دروازے کھول دیئے ہیں اور فوراً اٹھ کر چلا گیا۔ چائے بھی تمام نہیں کی اور کوئی سوال بھی نہیں کیا صرف باہر جانے کی اجازت لی۔ اور روانہ ہو گیا تاکہ اپنی زوجہ اور اپنی اولاد کو یہ خوشخبری سنائے۔

لیکن دوسرے دن واپس آیا تو اس کے ہمراہ سات افراد اور تھے۔ اور سب کا تعارف اس نے اس انداز سے کرایا کہ یہ میری زوجہ کے والد ہیں اور میرے والد ہیں۔ یہ گاؤں کے رئیس ہیں اور یہ امام جمعہ و جماعت ہیں۔ یہ دینی رہنما ہیں اور یہ قبیلہ کے شیخ ہیں اور یہ ساتھ میں دینی مدرسہ کے مدیر ہیں۔ یہ آپ سے مسئلہ کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے آئے ہیں۔

میں نے سب کو کتب خانہ میں بٹھایا۔ چائے پیش کی اور خوش آمدید کہا۔ ان لوگوں نے فرمایا کہ ہم آپ کے فتویٰ کے بارے میں بحث کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے اس عمل کو کس طرح حلال کر دیا ہے، جسے قرآن کریم، رسول اکرمؐ اور امام مالک سب نے حرام قرار دیا ہے۔

میں نے عرض کی کہ آپ لوگ آٹھ آدمی ہیں اور میں تنہا ہوں۔ اگر میں تمام آدمیوں سے بات کر دوں گا تو میں ہرگز مطمئن نہ کر سکوں گا۔ اور بحث ضائع ہو جائیگی لہذا آپ کسی ایک آدمی کا انتخاب کریں جس سے گفتگو کی جائے اور آپ حضرات درمیان میں حکم اور ثالث کا فرض انجام دیں!

ان لوگوں نے اس تجویز کو پسند کیا اور مسئلہ کی بنی مرشد کے حوالے کر دیا کہ یہ سب سے زیادہ عالم اور ماہر ہیں۔ انہوں نے مجھ سے اس سوال کو دہرایا کہ آپ نے خدا، رسولؐ، امام کے حرام کو کس طرح حلال کر دیا ہے؟

میں نے عرض کی معاذ اللہ میری مجال کیا کہ میں حرام کو حلال کر سکوں۔ میرا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ خدا نے حرمت و صناع کا اعلان اجمالی طور پر کیا ہے اور اسکی تفصیل کو رسول اکرمؐ کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ کیت اور کیفیت کا اعلان کریں۔ انہوں نے فرمایا۔ تو امام مالک نے ایک نظرہ کی رضاقت کو بھی موجب حرمت قرار دیا ہے۔

میں نے عرض کی کہ مجھے معلوم ہے لیکن امام مالک تمام مسلمانوں کے لئے حجت نہیں ہیں ورنہ دوسرے ائمہ کا کیا شتر ہوگا۔

انہوں نے فرمایا کہ وہ سب خدا سے راضی تھے اور خدا ان سے راضی تھا۔ کہ سب نے اپنا مذہب رسول اکرمؐ ہی سے لیا ہے۔

میں نے عرض کی کہ جب سب کا مذہب رسول اکرمؐ سے ماخوذ ہے تو آپ کے امام مالک کو اختیار کرنے کا جواز کیا ہے جن کا فعل رسول اکرمؐ کے خلاف ہے انہوں نے حیرت سے فرمایا کہ یہ آپ نے کیا کہہ دیا کہ امام مدینہ حضرت مالک رسول کے مخالف تھے؟ حاضرین نے سبھی اس بات پر حیرت کا اظہار کیا۔ اور سب میری اس جسارت پر وحشت زدہ رہ گئے اس لئے کہ انہوں نے کسی اور سے اس طرح کی جرأت کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔

میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا کہ امام مالک صحابہ میں سے تھے؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔! میں نے عرض کی کہ تابعین میں سے تھے؟ فرمایا نہیں۔ بلکہ وہ تبع تابعین میں سے تھے۔!

میں نے عرض کی تو حضرت علی ابن ابیطالب رسول اکرمؐ سے قریب تر

ہیں یا امام مالک؟

انہوں نے فرمایا کہ امام علیؑ اس لئے کہ وہ خلفاء راشدین میں سے ہیں اور ایک شخص نے مزید یہ اضافہ کیا کہ وہ باب مدینہ علم رسولؐ ہیں۔ تو میں نے سوال کیا کہ پھر آپ حضرات نے باب مدینہ علم کو چھوڑ کر ایک ایسے شخص کو کیوں اختیار کر لیا ہے جو نہ اصحاب میں سے ہے اور نہ تابعین میں سے۔ وہ مسلمانوں کے عظیم فتنہ اور مدینہ کے لشکر مزید پر تین دن تک بباح رہنے اور ان کی بے شمار بدکرداریوں کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ جب کہ بے شمار بہترین اصحاب کا قتل عام ہو چکا تھا اور کتنی حرمتیں صانع ہو چکی تھیں۔ کتنی سنت رسول بدعت میں تبدیل کی جا چکی تھی اور کتنا مدینہ کا ماحول بدل چکا تھا۔ ایسے حالات میں انسان کسی ایسے امام سے کس طرح مطمئن ہو سکتا ہے۔ جن سے حکومت وقت صرف اس بنا پر راضی ہو کہ وہ اس کی خواہشات کے مطابق فتویٰ دے سکتا ہے۔؟

اس موقع پر ایک شخص نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ شیعہ ہیں اور حضرت علیؑ کی عبادت کرتے ہیں؟ لیکن دوسرے شخص نے اسے زور سے ٹھوکر مار کر کہا کہ خاموش رہو۔ تم اس قسم کی باتیں ایک ایسے بڑھے لکھے شخص کے بارے میں کہہ رہے ہو جبکہ میں نے تمام علماء کو دیکھا ہے اور کسی کے گھر میں اتنا بڑا کتبخانہ نہیں دیکھا ہے جیسا یہاں ہے۔ یہ شخص پورے علم اور اعتماد کے ساتھ بولتا ہے اور اس کے حق میں اس طرح کی جسارت ممکن نہیں ہے۔

میں نے کہا کہ یہ بات تو صحیح ہے کہ میں شیعہ ہوں لیکن یہ غلط ہے کہ شیعہ حضرت علیؑ کی عبادت کرتے ہیں ہاں وہ امام مالک کے بجائے امام علیؑ کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور ان کو آپ ہی کی شہادت کے مطابق باب مدینہ علم تسلیم کرتے ہیں مرشد دین نے کہا کہ کیا امام علیؑ نے دو دو دھ پیٹنے والوں کے عقد کو جائز

قرار دیا ہے۔ ۶ میں نے کہا کہ نہیں۔ لیکن انہوں نے اس وقت حرام قرار دیا ہے جب دودھ پینے کی مقدار ۵ مرتبہ مسلسل ہو یا اس قدر ہو کہ گوشت اور پوست روئیدہ ہو جائے۔

یہ سننا تھا کہ زوجہ کے والد کا چہرہ خوشی سے دکھنے لگا اور اس نے کہا کہ الحمد للہ کہ میری بچی نے دو یا تین مرتبہ دودھ پیا ہے اور امام علی کا یہ ارشاد اس مصیبت سے نکل آنے کے لئے کافی ہے۔ یہ درحقیقت عالم یاس و حزن میں ایک خدائی رحمت و بشارت ہے۔

مرشد نے فرمایا کہ ہمیں اس قول کی دلیل چاہئے تاکہ ہم مطمئن ہو سکیں۔

میں نے ایدہ الخوئی کی کتاب ”منہاج الصالحین“ دیدی۔ انہوں نے باب رضاعت کا مطالعہ کیا اور پڑھ کر سب کو سنایا۔ جس پر تمام لوگ بے حد خوش ہوئے۔ خصوصاً وہ شوہر جو اس بات سے خوفزدہ تھا کہ اگر میں انہیں مطمئن نہ کر سکتا تو اس کا کیا ہو گا۔

اس کے بعد ان لوگوں نے کتاب کو عاریہ لئے لیا تاکہ اہل قریہ کو دکھلا سکیں اور معذرت کرتے ہوئے دعائیں دیتے ہوئے تشریف لے گئے ان کے گھر سے باہر نکلے ہی ایک دشمن ساتھ لگ گیا اور انھیں علماء و سوہ میں سے ایک عالم سے یاس لے گیا۔ جس نے انہیں بتایا کہ میں اسرائیل کا ایجنٹ ہوں اور کتاب ”منہاج الصالحین“ اذاول تا آخر صرف گراہی ہے اور اہل عراق اہل کفر و نفاق ہیں۔ اور شیئہ اصل میں مجوسی ہیں جو بہنوں سے نکاح کو جائز جانتے ہیں۔ اور اس لئے اس شخص نے بھائی اور بہن کے عقد کو جائز کر دیا ہے۔ اور اس طرح کی دھمکیاں اس قدر شدید کر دیں کہ وہ لوگ اطمینان کے بعد پھر شکوک ہو گئے۔ اور ہدایت کے بعد پھر غمخیز ہو گئے اور شوہر کو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ عدالت میں اطلاق کا مقدمہ پیش کرے۔

۲۶ کی ابتدائی عدالت۔ مسئلہ کو دارالحکومت کی بڑی عدالت کی طرف موڑ دیا تاکہ ملک کے مفتی اعظم کی طرف رجوع کیا جاسکے اور وہ اس مسئلہ کو حل کریں۔ شوہر نے دارالحکومت کا سفر کر کے ایک ہیمنہ وہاں قیام کیا تاکہ مفتی اعظم کی خدمت میں باریاب ہو سکے اور اپنا قصہ بیان کر سکے۔ چنانچہ اس نے اول سے آخر تک پورا قصہ بیان کیا اور مفتی اعظم نے ان تمام علماء کے بارے میں دریافت کیا جنہوں نے اس عقد کو جائز قرار دیا ہے۔ شوہر نے جواب دیا کہ تیجانی سماوی کے علاوہ کوئی عالم ایسا نہیں ہے جس نے اس عقد کو جائز قرار دیا ہو۔ مفتی مملکت نے میرا نام نوٹ کر لیا اور شوہر سے کہا کہ واپس جائیں میں تفصیلاً عدالت کے قاضی کو خط لکھ رہا ہوں۔ جس کے بعد ان کا خط واصل ہوا اور شوہر کے وکیل نے اسے اطلاع دی کہ مفتی جمہوریہ نے اس عقد کو حرام قرار دیدیا ہے۔

یہ وہ قصہ ہے جسے مجھ سے خود شوہر نے بیان کیا ہے جسکے چہرے سے ضعف کے آثار نمودار تھے۔ اور وہ شدت تکان سے بیدم ہو رہا تھا۔ اس نے مجھ سے مسلسل معذرت کی کہ اس کی وجہ سے میں نے بہت زحمت برداشت کی ہے اور میرا کافی وقت ضائع ہوا ہے لیکن میں نے اس کے جذبات کا شکریہ ادا کیا اور اس بات پر اظہار حیرت کرتا رہا کہ مفتی جمہوریہ نے کن بنیادوں پر اس عقد کو باطل قرار دیدیا ہے اور اس سے مطالعہ کیا کہ مجھے وہ خط دکھلا دے جو مفتی اعظم نے عدالت تفصیلاً نام بھیجا ہے تاکہ میں تیونس کے اخبارات میں شائع کر سکوں اور مسلمانوں کو اس حقیقت سے باخبر کر سکوں کہ مفتی جمہوریہ کس قدر جاہل آدمی ہے اور وہ مسئلہ رضاعت میں اسلامی فقہ سے کس قدر ناواقف ہے۔

لیکن شوہر نے معذرت کی کہ میں اس فائل کو نہیں دیکھ سکتا ہوں تو خط کہاں سے حاصل کر سکتا ہوں اور یہ کہہ کر چلا گیا۔

چند دنوں بعد مجھے رئیس محکمہ کی طرف سے مدعو کیا گیا اور اپنی کتاب اور اس مقدمے کا باطل ہونے پر اپنے دلائل پیش کر دیے۔ میں بہت سے مصداق لیکر عدالت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے اس موضوع پر مکمل تیاری کر رکھی تھی اور تمام کتابوں میں باب رضاعت پر نشانی رکھ دی تھی تاکہ آسانی تلاش کیا جاسکے۔

میں وقت مقرر پر عدالت میں حاضر ہوا تو جج صاحب کے کلرک نے میرا استقبال کیا اور مجھے جج صاحب کے چیمبر میں حاضر کر دیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ابتدائی عدالت کے جسٹریٹ اور وکیل جمہوریہ تین ممبران سمیت حاضر ہیں اور سب خاص عدالتی لباس پہنے ہوئے ہیں جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ میں کسی قانونی جلسہ میں طلب کیا گیا ہوں اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ اس عورت کا شوہر ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا ہے۔

میں نے تمام حاضرین کو سلام کیا اور سب نے ایک ننگا تحقیر و ذلت سے میری طرف دیکھا اور جیسے ہی میں نے بیٹھنے کا ارادہ کیا رئیس محکمہ نے نہایت تندہی میں ال کیا۔ آپ ہی تجبانی سما دی ہیں، میں نے عرض کیا بیشک فرمایا آپ ہی نے اس مسئلہ میں مقدمے کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ میں نے کہا کہ میں مفتی نہیں ہوں بلکہ ائمہ اور علماء اسلام نے اس مقدمے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

فرمایا کہ میں نے اسی لئے آپ کو طلب کیا ہے اور اس وقت آپ ملزم کے کٹہرے میں ہیں۔ اگر آپ اپنے دعویٰ کو ثابت نہ کر سکتے تو عنقریب جیل کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اور پھر اس سے باہر آنا نصیب نہ ہو گا۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ میں ملزموں کے کٹہرے میں ہوں نہ اس لئے کہ میں نے کوئی فتویٰ دیا ہے بلکہ اس لئے کہ علماء سوء نے ان احکام کی تفسیر ہی ہے کہ میں ملک کے اندر کوئی فتنہ ہوں اور میں صحابہ کو گالیاں دیتا ہوں اور اتباع آل محمد کی دعو

دیتا ہوں اور رئیس محکمہ نے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر دو گواہ بھی مل گئے تو میں اس شخص کو جیل میں ڈال دوں گا۔

ادھر جماعت اخوان المسلمین نے موقع کو غنیمت سمجھا اور تمام خاص و عام میں یہ خبر مشہور کر دی کہ میں بھائی بہن کے مقدمے کو جائز جانتا ہوں اور یہ شیعوں کا خاص مسلک ہے۔

یہ سب باتیں مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکی تھیں اور اس وقت یقین بھی ہو گیا جب رئیس محکمہ نے جیل کی دھکی دی اور میرے پاس کوئی چادرہ کا نہ رہ گیا۔ بولے اس کے کہ میں باقاعدہ مقابلہ کر دوں اور کھلا چیلنج کر کے پوری ہمت کے ساتھ اپنی طرف سے دفاع کر دوں۔ چنانچہ میں نے کہا کہ کیا مجھے مراحت کے ساتھ بلا خوف بولنے کی اجازت ہے۔

جسٹریٹ نے کہا کہ بولے یہاں آپ کا کوئی وکیل نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میں نے کبھی مفتی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ یہ اس عورت کا شوہر موجود ہے اس سے پوری بات معلوم کر لیجئے کہ یہی میرے دروازے پر مسئلہ پوچھنے کے لئے آیا تھا۔ اور اس نے مجھ سے سوال کیا تھا تو میرا فرض تھا کہ میں اپنے علم کے مطابق بیان کر دوں چنانچہ میں نوضاعت کی مقدار کے بارے میں سوال کیا اور جب اس نے بتایا کہ اس کی زوجہ نے دو یا تین مرتبہ دودھ پیا ہے تو میں نے اسلام کا حکم بیان کر دیا۔ روزنہ نہیں چھتد ہوں اور نہ صاحب شریعت۔

رئیس محکمہ نے بگڑا کر کہا۔ یعنی آپ کا خیال ہے کہ آپ اسلام جانتے ہیں اور ہم لوگ جاہل ہیں؟

میں نے کہا کہ استغفر اللہ میرا مقصد ہرگز نہیں ہے لیکن یہاں تمام لوگ

مستدرک الحاكم	۵
مسند الامام احمد بن حنبل	۶
سنن ابوداؤد	۷
کنز العمال	۸
موطا امام مالک	۹
جامع الاصول ابن اثیر	۱۰
الجامع الصغیر و الکبیر للسيوطی	۱۱
منہاج السنۃ ابن تیمیہ	۱۲
مجمع الزوائد شیمی	۱۳
کنوز الحقائق منادی	۱۴
فتح الباری فی شرح البخاری	۱۵

### کتاب تاریخ

تاریخ الامم و الملوک للطبری	۱
تاریخ الخلفاء سیوطی	۲
تاریخ الکامل ابن اثیر	۳
تاریخ دمشق ابن عساکر	۴
تاریخ مسعودی (مروج الذهب)	۵
تاریخ یعقوبی	۶
تاریخ الخلفاء ابن قتیبہ (الامامة والیاسة)	۷
تاریخ ابوالفداء	۸

۹- تاریخ ابن الشحنة	۱۰- تاریخ بغداد
۱۱- العقد الفرید	۱۲- الطبقات الکبریٰ ابن سعد
۱۳- مغازی الواقدی	۱۴- شرح نهج البلاغه

## مصادر

### کتاب تفسیر

۱- قرآن کریم
۲- تفسیر طبری
۳- درمنثور سیوطی
۴- المیزان طباطبائی
۵- تفسیر کبیر فخر رازی
۶- تفسیر ابن کثیر
۷- زاد المیر ابن الجوزی
۸- تفسیر قرطبی
۹- الحاوی للفقادی للسيوطی
۱۰- شواهد التنزیل حسکانی
۱۱- اتقان فی علوم القرآن

### کتاب حدیث

۱- صحیح بخاری
۲- صحیح مسلم
۳- صحیح ترمذی
۴- صحیح ابن ماجه

## كتب سيرت

- ٢٥٦
- ١- سيرت ابن هشام
  - ٢- الاستيعاب
  - ٣- اسد الغابة في معرفة الصحابة
  - ٤- الغدير شيخ ابيني
  - ٥- الفتنة الكبرى لآل حسين
  - ٦- الرياض النضرة للطبري
  - ٧- السيرة الحلبية
  - ٨- الاصابه في تمييز الصحابه
  - ٩- حلية الاديان ابو نعيم
  - ١٠- الطرائف ابن طادوس
  - ١١- حياة محمد محمد حسين هيكل
  - ١٢- الخلافة والملك يودودي

## كتب متفرقة

- ١- اسعاف الراغبين
- ٢- تذكرة الخواص
- ٣- سر العالمين غزالي
- ٤- مناقب خوارزمي
- ٥- النفس والاجتهاد شرف الدين الموسوي
- ٦- السقيفة محمد رضا المظفر
- ٧- الصديق ابو بكر حسين هيكل
- ٨- لسان العرب ابن منظور
- ٩- النفس والاجتهاد شرف الدين الموسوي
- ١٠- المناقشات عقائد مع ابراهيم الجبهان
- ١١- شرح نهج البلاغه محمد عبده
- ١٢- الشقيقة والخلافة عبد الفتاح عبد المقصود
- ١٣- شيخ المصنوع محمود البوريه

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُمَّ أَصْلِحْ عَبْدَكَ وَخَلِيفَتَكَ بِمَا أَصْلَحْتَ بِرَأْسِيائِكَ  
 وَرُسُلِكَ حَقَّهُ بِمَا بَلَّغْتَ أَيْدِي رُسُلِكَ الْفُؤَادِ مِنْ عِنْدِكَ  
 وَأَسْلَمْتَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ مِنْ خَلْفِهِ صِدْقًا يَحْفَظُونَهُ مِنْ كُلِّ سَوَاءٍ  
 أَبْدَلَهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِ مَا مَنَّا بِعَبْدِكَ لِأَشْرِكُ بِكَ شَيْئًا لَأَجْعَلَ  
 لِأَحَدٍ مِنْ خَلْفِكَ عَلَيَّ وَلِيكَ سُلْطَانًا وَأُذُنَ لِي فِي جَمَاعَتِكَ  
 عُدُوهُ وَأَجْعَلْنِي مِنْ أَنْصَارِهِ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ